ہماری دعوت: اتباعِ قرآن وسنّت

۸۰

اولاد کی تربیت

اسلام کی نظر میں

تالیف

محمد انور محمد قاسم سلفی

اہتمام وتقدیم

(ڈاکٹر) محمد لقمان السلفی

دار الداعی للنشر والتوزیع

ریاض سعودی عرب

مرکز علامہ ابن باز برائے دراسات اسلامیہ

مدینۃ السلام - ہند

سلسلۂ مطبوعات: ۸۰

اولاد کی تربیت

اسلام کی نظر میں

تالیف

محمد انور محمد قاسم سلفی

اہتمام و تقدیم

(ڈاکٹر) محمد لقمان السلفی

ناشر

دار الداعی للنشر والتوزیع
ریاض۔ سعودی عرب

مرکز علامہ ابن باز برائے دراسات اسلامیہ
مدینۃ السلام۔ ہند

ح دار الداعي للنشر والتوزيع، ١٤٢٩هـ

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
السلفي، محمد أنور محمد
تربية الأولاد في الإسلام./ محمد أنور محمد السلفي.- الرياض، ١٤٢٩هـ
٢٢٤ ص؛ ١٧×٢٤ سم
ردمك: ٥ - ٥ - ٩٠٠١٣ - ٦٠٣ - ٩٧٨
١- التربية الإسلامية ٢- الأسرة في الإسلام ٣- الآباء والأبناء أ- العنوان
ديوي ١, ٣٧٧ ١٤٢٩/٣٦٠٠

رقم الإيداع: ١٤٢٩/٣٦٠٠
ردمك: ٥ - ٥ - ٩٠٠١٣ - ٦٠٣ - ٩٧٨

بار اوّل

جمادی الآخرۃ ۱۴۲۹ھ - جون ۲۰۰۸ء

دار الداعی

پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

پوسٹ بکس نمبر: ۸ ۴ ۴ ۲ ۴ ۳ ریاض: ۱۱۴۶۸ مملکت سعودی عرب
فون: ۲۶۷۲۹۱۲ / ۲۶۷۲۹۱۴ فیکس: ۲۶۷۲۹۱۳

Email: maktabaddaie@hotmail.com

مرکز علامہ ابن باز برائے دراسات اسلامیہ

جامعۃ الإمام ابن تیمیہ. مدینۃ السلام - ۸۴۵۳۱۲ مشرقی چمپارن، بہار. ہند

ٹیلیفون ۲۴۰۰۰۶-۶۲۵۰-۰۰۹۱ فیکس ۲۴۰۰۸۸-۶۲۵۰-۰۰۹۱

دہلی برانچ: ۲۶۸۴، گلی مسجد کالے خاں، کوچہ چیلان، دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

ٹیلیفون / فیکس: ۲۳۲۶۵۰۵۸-۱۱-۰۰۹۱

Email: ibnebaz123@yahoo.com

تقدیم

الحمد لله وكفى، والصلاة والسلام على عبده ورسوله محمد المصطفى، أما بعد:

قارئین کرام! اولاد کی تربیت مسلمان والدین کی دینی اور سماجی ذمہ داری ہے، جس طرح ایک مسلمان قیامت کے دن اپنی نماز اور دیگر فرائض وواجبات اور حقوق کے بارے میں پوچھا جائے گا، اُسی طرح وہ (مرد وعورت) اپنی اولاد کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا کہ اُس نے اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی کیسی تربیت کی، کیا اُس نے انہیں مسلمان اور مسلم سوسائٹی کے لئے مفید ونافع افراد بنانے کی ہر ممکن کوشش کی، کیا اُس نے انہیں اسلام کی صحیح کی تعلیم دی اور عملی طور پر اُن تعلیمات کے مطابق اُن کی تربیت کی، اور کیا اُس نے انہیں بُرے اخلاق واعمال، بُری سوسائٹی، بُری صحبت اور بُرے سماج سے دور رکھنے کی کوشش کی۔

اس بارے میں قرآنِ کریم میں سورۃ التحریم کی آیت (۶) بہت ہی واضح اور صریح ہے۔ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ الآية (اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے بال بچوں کو اُس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے)۔

اہل وعیال کو نارِ جہنم سے اس طرح بچایا جا سکتا ہے کہ والدین انہیں اسلام کی تعلیم دیں اور نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کو نمونہ بنا کر اس کے مطابق اُن کی تربیت کریں اور انہیں قرآن وسنت کے مطابق زندگی گزارنے پر مجبور کریں۔

اور نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ تو اس سلسلے میں بہت ساری ہیں جو مسلمانوں کی زندگی میں اولاد کی صحیح تربیت کی دینی اہمیت کو اجاگر کرتی ہیں۔ اس مضمون کی اہم ترین حدیث نبوی آپ ﷺ کا مندرجہ ذیل فرمانِ گرامی ہے: «ما من مولود إلاّ يولد على الفطرة، فأبواه يهودانه أو ينصّرانه أو يمجّسانه» ”یعنی ہر بچہ اللہ کی طرف سے فطرتِ اسلام کے مطابق پیدا ہوتا ہے، لیکن اُس کے والدین اسے راہِ فطرت سے موڑ کر اپنی مرضی کے مطابق یا تو یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی بنا دیتے ہیں، یا مجوسی (آتش پرست) بنا دیتے ہیں“۔ (متفق علیہ)۔

یہ حدیث تربیت کے باب میں پتھر کی لکیر کی حیثیت رکھتی ہے، اس لئے کہ یہ خاتم النبیین کا فرمان ہے جن کا

ہر لفظ وحی الٰہی کی ترجمانی کرتا ہے، اور "فطرتِ اسلام" میں ہر وہ بھلائی داخل ہے جسے قرآن وسنت نے بھلائی کہا ہے، اور ہر وہ بُرائی اُس سے خارج ہے جس پر قرآن وسنت نے نکیر کی ہے. اس لئے بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کے اندر ہر بھلائی کو قبول کرنے اور ہر بُرائی کو معیوب جاننے کی صلاحیت رب العالمین کی طرف سے ودیعت کردی گئی ہوتی ہے اگر کوئی مانع اس راہ میں حائل نہ ہو. اگر اس کے والدین صالح مسلمان ہوتے ہیں، اور دونوں مل کر اپنے بچے کی اچھی تربیت کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اللہ کی توفیق سے وہ بھی اُنہی جیسا صالح مسلمان ہوتا ہے، اور اگر اس کے والدین کافر یا فاسق وفاجر ہوتے ہیں اور اللہ کی راہ سے برگشتہ ہوتے ہیں تو وہ خیر کی راہ میں مانع بن کر حائل ہو جاتے ہیں، اور وہ بچہ سوسائٹی کے لئے ناسور بن جاتا ہے.

اسی مضون کی ایک دوسری اہم حدیث نبوی نبی کریم ﷺ کا فرمان گرامی ہے: «كُلُّكُم رَاعٍ وَكُلُّكُم مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَلٰى رَعِيَّتِه، وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِيْ أَهْلِ بَيْتِه، وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَّةٌ فِيْ بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا، وَالْخَادِمُ رَاعٍ فِيْ مَالِ سَيِّدِهِ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَكُلُّكُم رَاعٍ وَكُلُّكُم مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ» "یعنی تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے (جیسے چرواہا اپنے ریوڑ کا ذمہ دار ہوتا ہے) اور اُس سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا، اور امام ذمہ دار ہے، اور اُس سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا، اور مرد اپنے بال بچوں کا ذمہ دار ہے اور اُس سے اُن سب کے بارے میں پوچھا جائے گا جو اُس کی زیرنگرانی ہیں، اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی ذمہ دار ہے اور وہ ان سب کے بارے میں پوچھی جائے گی جو اُس کی زیرنگرانی ہیں، اور خادم اپنے مالک کے مال کی دیکھ بھال کرنے والا ہوتا ہے، اور اُس سے اس کی ذمہ داریوں کے بارے میں پوچھا جائے گا، اور تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے، اور سب سے اس کی ذمہ داریوں کے بارے میں پوچھا جائے گا" (بخاری ومسلم).

یہ حدیث بھی اس امر کی صریح دلیل ہے کہ باپ اور ماں اپنے بچوں کی اچھی اور صالح تربیت کے ذمہ دار ہیں، اور قیامت کے دن اُس وقت تک ان کی گلوخلاصی نہیں ہوگی جب تک اولاد کی تربیت کے بارے میں اُن سے حساب نہیں لے لیا جائے گا.

اس سلسلہ کی تیسری حدیث جو یہاں قابل ذکر ہے وہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «مُرُوْا أَوْلَادَكُم بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِيْنَ، وَفَرِّقُوْا فِي الْمَضَاجِعِ» "یعنی

اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہو جائیں اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو نماز چھوڑنے پر اُن کی پٹائی کرو، اور اُن میں سے ہر ایک کے بستر الگ کردو" اس حدیث کو امام ابوداوٗد نے روایت کی ہے، اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اِسے حسن صحیح کہا ہے.

اِس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اولاد کی تربیت کے دو نہایت ہی اہم موضوع کی نشاندہی کی ہے، اور مسلمان والدین سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اپنے بچوں اور بچیوں کی تربیت کے لئے ان دونوں باتوں کا خصوصی اہتمام کریں:

پہلی بات یہ ہے کہ فرض نمازوں کی ادائیگی کے سلسلہ میں بچوں اور بچیوں کی کسی بھی سُستی اور کاہلی کو گوارہ نہ کریں تاکہ اُن کی نشو ونما اس طرح ہو کہ اُن کے دل میں راسخ ہو جائے کہ ترکِ نماز کو کسی حال میں بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا.

اور دوسری بات یہ ہے کہ اُن کی تربیت میں اُن کے اخلاق وکردار کی بلندی اور دل ودماغ کی طہارت وپاکیزگی کا غایت درجہ اہتمام کیا جائے، اُن کی نشو ونما اس طرح ہو کہ جب وہ بڑے ہوں تو اُن کے دل میں یہ بات راسخ ہو چکی ہو کہ ایمان واسلام کے بعد مسلمان مرد وعورت کا اصل سرمایہ عفت وپاکدامنی ہے اور اس کی حفاظت کی راہ میں جان دینی شہادت کی موت ہے، اور یہ کہ نسبی محرّمات کے بارے میں ادنیٰ تصور گناہ بھی موت کے مترادف ہے.

ان آیات واحادث سے معلوم ہوا کہ اولاد کی دینی اور ذہنی تربیت دینِ اسلام کے اہم ترین مطالبات میں سے ہے، اس لئے والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کی بچپن سے ہی ایسی تربیت کریں کہ وہ دین وعقیدہ کو اپنا سب سے قیمتی سرمایہ جانیں، اور انہیں قرآنِ کریم اور صحیح اسلامی عقیدہ کی تعلیم دلائیں، انہیں بتائیں کہ اسلام قرآن کریم اور سنتِ نبویہ کے مجموعہ کا نام ہے، سیرتِ نبوی پر لکھی گئی کتابوں کے مطالعہ کی ترغیب دلائیں، بُرے دوستوں اور ساتھیوں سے انہیں دور رکھیں، تاکہ وہ نیک اور صالح بچوں اور بچیوں کو ہی اپنا ساتھی اور دوست بنائیں، اور کبھی بھی اپنے بچے کو کسی اجنبی بچے کے ساتھ یا اپنی بچی کو کسی اجنبی بچی کے ساتھ کمرہ بند کر کے تنہا بیٹھنے کی اجازت نہ دیں علیٰ ہذا القیاس انہیں ہر اس عمل وفعل سے روکیں جس سے اُن کے کاغذ جیسے سفید وشفاف دل ودماغ پر فسق وفجور کی سیاہ لکیریں پڑ کر انہیں انحراف وفساد کی راہ پر نہ ڈال دیں.

اور یہ کہنا نہ بھول جاؤں کہ صالح اور پاکیزہ سوسائٹی کو وجود بخشنے کی ذمہ داری صرف والدین پر ہی نہیں ہے، بلکہ گھر، مدرسہ، اسکول، اساتذہ، استانیاں اور سوسائٹی کے دیگر تمام لوگ اِس ذمہ داری کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ

کے نزدیک پوچھے جائیں گے، جیسا کہ ابھی چند سطر پہلے میں نے «کُلُّکُم رَاعٍ» والی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے بیان کیا ہے.

پاکیزہ اور صاف سوسائٹی اُسی وقت وجود میں آسکتی کہ ہمارے دلوں کے ٹکڑے یعنی ہماری اولاد اپنے نیک اور پاکیزہ کردار کی وجہ سے ہماری آنکھوں کا نور اور ہمارے دلوں کا حقیقی سرور بنیں.

ہمارے چھوٹے بچوں اور چھوٹی بچیوں کی مثال کسی باغ کے درختوں کی ہے، جن کی دیکھ بھال مالی صبح وشام بلکہ رات دن کرتا رہتا ہے، انہیں ضرورت کے مطابق پانی سے سیراب کرتا ہے، اُن کی کیاریوں میں کھاد ڈالتا ہے، اور جب وہ کسی درخت کی کسی شاخ کو بے جا ادھر اُدھر پھیلتا دیکھتا ہے، تو اپنی مخصوص قینچی سے اُسے تراش کر الگ کر دیتا ہے. بعینہ یہی مثال ہمارے پھول جیسے بچوں اور بچیوں کی ہے کہ ہم اُن کی صحت، غذا اور جسمانی نشو ونما کا خیال کرتے ہیں اور اُن کی اخلاقی، جنسی اور ایمانی تربیت بھی کرتے رہتے ہیں، تا کہ کوئی بچہ یا بچی بے راہ روی کا شکار نہ ہو جائے، کہیں وہ ہمارے گھر اور ہماری اسلامی سوسائٹی کا ضرر رساں عضو نہ بن جائے، کہیں ہماری آنکھوں کا نور بننے کے بجائے ہماری زندگی کو ظلمت کدہ نہ بنا دے.

ہمیں اپنی اولاد کی تربیت میں نبی کریم ﷺ کے صحابہ اور صحابیات کی تاریخ وحیات کو یقیناً ہر وقت مدنظر رکھنا چاہئے جو سرزمین پر چلتے پھرتے قرآن اور سیرت نبوی کے نمونے تھے، جن کی تربیت رسولِ کریم ﷺ کے "مدرسۂ نبوت" میں ہوئی تھی. ہمیں اپنی اولاد کو انسانی شکل میں موجود بھیڑیوں اور وحشیوں سے بھی بچانا ہے جو اچھے انسانوں کی جانوں اور عزّتوں پر حملے کرتے ہیں، اور اچھے گھرانوں کی عزتوں کو لوٹ کر اُن کی زندگیوں کو جہنم بنا دیتے ہیں، انہیں جیتے جی مار ڈالتے ہیں.

اور ہمیں اپنی پیاری بچیوں کو اُن بیسواؤں، رقاصاؤں اور سیاہ کار لڑکیوں سے بھی بچانا ہے جو آدم وحوا کی نیک بیٹیوں کی پیشانیوں پر کلنک کا ٹیکہ ہیں.

تب جا کر ایک صالح معاشرہ وجود میں آئے گا، ہمارے گھر جنت نشاں بنیں گے، اور ہماری زندگی ایمان وعمل صالح، سکون وراحت اور حقیقی فرحت وشادمانی سے بھر جائے گی.

برادرم شیخ محمد انور سلفی (باحث وداعی لجنۃ ہندیہ، کویت) نے اپنی اس کتاب میں تربیت اولاد کے تمام ضروری گوشوں پر روشنی ڈالی ہے، اور قرآن وسنت کے دلائل اور حقائق وتجربات سے استدلال کر کے ہر موضوع پر

سیر حاصل بحث کی ہے، اسی لئے دار الداعی ریاض اور مرکز علامہ ابن باز برائے دراسات اسلامیہ ہند نے اس مفید کتاب کو اپنے اسٹیج سے شائع کرنے کے لئے منتخب کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے کہ انہوں نے دار الداعی اور مرکز کے ساتھ دعوتی کاموں میں تعاون کرتے ہوئے اسے شائع کرنے کی اجازت دی ہے.

الحمد للہ کہ ہم نے اس کتاب کو صوری اور معنوی دونوں اعتبار سے عمدہ ترین بنانے کے لئے بڑی محنت کی ہے. تمام قرآنی آیات کو نہایت ہی لائقِ اعتماد قرآن کے کمپیوٹر پروگرام سے لا کر ثبت کیا ہے، اور ان آیات کا ترجمہ تفسیر "تیسیر الرحمٰن لبیان القرآن" سے لیا ہے، دوران ترتیب وتنسیق طباعت وکتابت کی غلطیوں کی تصحیح کی ہے. "رض" کے بجائے مکمل رضی اللہ عنہ، رضی اللہ عنہا اور رضی اللہ عنہم اور "رح" کے بجائے رحمہ اللہ اور رحمہم اللہ لکھا ہے. "حضرت اور حضرات" جیسے کلمات کو حذف کر دیا ہے. اصلی اور ذیلی عناوین میں فرق کرنے کے لئے مناسب تمیز پیدا کی ہے. اسی طرح کی دیگر بہت سی خوبیاں پیدا کی ہیں جو گزشتہ طباعت میں مفقود ہیں، اب یہ کتاب اپنے موضوع کے شایانِ شان ہو گئی ہے، اور ہمارے قارئین کرام اس سے خوب مستفید ہوں گے.

اللہ تعالیٰ مؤلف اور ہم سب کی اس کوشش کو قبول فرمائے، اور دار الداعی ریاض اور مرکز علامہ ابن باز ہند کے اس دعوتی اسٹیج کو اپنے مقاصد میں کامیاب اور اس قافلۂ قرآن وحدیث کو ہر آن اپنی منزل کی طرف رواں دواں رکھے. آمین.

(ڈاکٹر) محمد لقمان السلفی
۱۴/۶/۲۰۰۸ء
ریاض، سعودی عرب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مؤلّف

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسّلام على سيّد المرسلين وعلى آله الطيّبين وأصحابه الطاهرين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أمّا بعد :

اولاد انسان کے دل کا پھل، آنکھوں کا نور اور دل کا سُرور ہوتی ہے، انسان اس دنیا میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے بعد اپنی اولاد کے لئے ہی جیتا ہے. ایک مومن اور مسلمان ہر وقت نیک اولاد کے لئے دعائیں کرتا رہتا ہے: ﴿رَبِّ هَبۡ لِیۡ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ﴾ (میرے رب مجھے ایک نیک لڑکا دے) [الصافات:١٠٠] نیز فرمایا: ﴿رَبَّنَا هَبۡ لَنَا مِنۡ اَزۡوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعۡیُنٍ وَّ اجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا﴾ (ہمارے رب! ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کو آنکھوں کی ٹھنڈک بنا، اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا) [الفرقان: ٧٤].

اور انہیں نماز و روزہ کا پابند اور سچّا مسلمان بنانے کی مقدور بھر کوشش کرتا ہے، اولاد جب نیک ہوتی ہے تو واقعی آنکھوں کی ٹھنڈک اور قلب و نظر کی تسکین و راحت کا سبب بنتی ہے، اولاد کی نیکیوں کا صلہ والدین کو دنیا میں نیک شہرت اور وفات کے بعد صدقۂ جاریہ کی شکل میں ملتا رہتا ہے.

لیکن اولاد جب بگڑ جائے تو دل کے لئے ناسور بن جاتی ہے اور ان کی بداعمالیاں والدین کے چین وسکون کو غارت کر دیتی بلکہ بسا اوقات خود والدین کے لئے ندامت و رُسوائی کا باعث بن جاتی ہیں، نوح علیہ السلام کی مثال موجود ہے جب انہوں نے اپنے کافر لڑکے کنعان کی غرقابی کے وقت اللہ تعالیٰ سے اسے بچانے کی فریاد کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ کہتے ہوئے اس سفارش سے منع کر دیا: ﴿قَالَ یٰنُوۡحُ اِنَّهٗ لَیۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیۡرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِ مَا لَیۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ اِنِّیۡۤ اَعِظُكَ اَنۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡجٰهِلِیۡنَ﴾ (اللہ نے کہا: اے نوح! وہ آپ کے گھر والوں میں سے نہیں ہے، وہ تو مجسم عمل غیر صالح ہے، پس آپ ایسا سوال نہ کیجئے جس کا آپ کو کوئی علم نہ ہو، میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ نادانوں میں سے نہ ہو جایئے) [ھود: ٤٦].

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اولاد کو کہیں آزمائش قرار دیا اور کہیں دشمن کہتے ہوئے ان سے چوکنّا رہنے کی

ہدایت کی ہے. فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوٓا إِنَّ مِنْ أَزْوَٰجِكُمْ وَأَوْلَٰدِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ﴾ (اے ایمان والو! بے شک تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہاری دشمن ہیں، پس تم ان سے بچ کر رہو، اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں، پس تم ان سے بچ کر رہو)[التغابن: ۱۴]. نیز فرمایا: ﴿إِنَّمَآ أَمْوَٰلُكُمْ وَأَوْلَٰدُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ (اور جان لو کہ تمہاری دولت اور تمہاری اولاد ایک آزمائش ہے)[التغابن: ۱۵].

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ بچے والدین کے لئے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ امانت ہیں، اور یہ اپنی فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتے ہیں، انہیں نیکوکار یا بدکار، مومن یا کافر، صالح یا فاسق وفاجر بنانے میں والدین کا سب سے بڑا کردار ہوتا ہے، اسی لئے رسولِ رحمت، مربیِ انسانیت جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «ما من مولود إلاّ يولد على الفطرة، فأبواه يهودانه أو ينصرانه أو يمجسانه» "ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے، اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں" (متفق علیہ).

اس حدیث میں بچوں کو ایک ایسا کورا کاغذ بتایا گیا ہے کہ جس پر جو نقش ڈالا جائے وہ ثبت ہو جاتا ہے، اب یہ والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تربیت کے لئے کون سا رُخ اپناتے ہیں؟ ان معصوموں کی جسمانی تربیت کے ساتھ روحانی اور مذہبی تربیت کی جائے تو آگے چل کر ان سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے رب کے ساتھ ساتھ والدین کے بھی مطیع وفرماں بردار ہوں گے.

لیکن مصیبت یہ ہے کہ تربیت کا مفہوم عام لوگوں نے یہی سمجھ لیا ہے کہ بچوں کی صحت وتندرستی کی طرف توجہ دی جائے، انہیں اچھی غذا اور رہائش مہیا کی جائے، جس کی وجہ سے انسان چاہتا ہے کہ وہ ہر طرح کی مصیبت خود جھیل لے لیکن اس کی اولاد پر دُکھ کا سایہ بھی نہ پڑے، وہ خود کھُردرا لباس پہنتا ہے لیکن اپنی اولاد کو نفیس کپڑا پہنانے کی کوشش کرتا ہے، موٹا جھوٹا خود کھاتا ہے لیکن اپنے بچوں کو بہتر سے بہتر غذا کھلاتا ہے.

لیکن والدین کی اس قربانی کا نتیجہ اکثر وہ نہیں نکلتا جو نکلنا چاہئے، والدین کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان کا لڑکا نیک، فرماں بردار، محنتی، جفاکش اور ان کے بڑھاپے کی لاٹھی اور سہارا بنے، لیکن افسوس کہ بہت کم ایسے خوش نصیب والدین ہیں جنہیں یہ سعادت حاصل ہوتی ہے، اکثر ماں باپ اپنے بچوں کی جوانی اور اپنے بڑھاپے میں اولاد کی جانب سے لاپرواہی، نافرمانی، انحراف، بدسلوکی اور ایذارسانی کا شکار ہو جاتے ہیں.

بقولِ شاعر:

ماؤں نے جن کو خون پلا کر جواں کیا
بچپن کے لوٹتے ہی وہ بچے بدل گئے

یہ ایک تکلیف دہ صورتِ حال ہوتی ہے کہ جس ماں نے اپنی اولاد کو نو ماہ تک اپنے پیٹ میں ڈھویا اور ہزاروں مصیبت اٹھا کر اسے جنم دیا، اپنا خون میٹھے دودھ کی شکل میں پلایا، ان کے آرام کے لئے اپنا چین وسکون کھویا اور جس باپ نے انہیں کھلانے کے لئے خود بھوک گوارہ کرلی، انہیں سایہ میں رکھنے کے لئے خود چلچلاتی دھوپ میں گھنٹوں کام کیا، ان کی اعلیٰ تعلیم کے لئے خود غریب الوطنی کی زندگی گزار لی ایسے ماں باپ کے ساتھ اولاد بُرا سلوک کرے.

لیکن یہ حقیقت ہے کہ اکثر والدین اپنی تمام قربانیوں کے باوجود اولاد کی تربیت کے معاملے میں ڈھیل سے کام لیتے ہیں، انہوں نے ان کی جسمانی راحت کا بھرپور اہتمام ضرور کیا لیکن ان کی اخلاقی تربیت سے غافل رہے، دینی اور اسلامی نکتۂ نظر کو انہوں نے ان کی تربیت کے وقت نظر انداز کردیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اکثر لوگوں کی اولاد، دین، ایمان، اخلاق، اسلام بلکہ انسانیت سے بھی آزاد ہوگئی، انہوں نے نہ صرف اپنے والدین کو نظر انداز کردیا بلکہ انہیں ان کے بڑھاپے میں مارا پیٹا، گالیاں دیں، گھر سے نکال دیا، بلکہ انہیں بھیک مانگ کر زندگی بسر کرنے پر مجبور کردیا، کئی ایک نے یہ بتا کر کہ ان کا کوئی پرسانِ حال نہیں، انہیں حکومت کے لاوارث بوڑھوں کے گھر میں داخل کردیا.

یہ وہ مکروہ نتائج ہیں جو ہمیں اپنی اولاد کی اسلامی اور اخلاقی تربیت کے معاملے میں غفلت وکوتاہی سے حاصل ہو رہے ہیں، عام والدین اپنے حقوق سننا تو بہت پسند کرتے ہیں، لیکن اپنی اولاد کے حقوق کے متعلق وہ ایک لفظ بھی سننا پسند نہیں کرتے، یہ بھی قابلِ افسوس ہے کہ حقوق الوالدین کے متعلق بیسیوں کتابیں عربی اور اردو زبان میں موجود ہیں لیکن اولاد کے حقوق کے متعلق کوئی کتاب مستقل نہیں لکھی گئی. شیخ الاسلام علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے «تحفة المودود بأحكام المولود» کے نام سے ایک جامع کتاب لکھی لیکن یہ کتاب صرف نومولود کے احکام سے متعلق ہی ہے، اس باب میں، میں نے اس کتاب سے کافی استفادہ کیا ہے، بچوں کی اسلامی تربیت کے متعلق فضیلة الشیخ ڈاکٹر عبد اللہ ناصح علوان حفظہ اللہ پروفیسر اسلامک اسٹڈیز شاہ

عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ نے «تربية الأولاد في الإسلام» (اسلام کی نظر میں اولاد کی تربیت) کے نام سے دو جلدوں میں ایک بڑی جامع کتاب لکھی، اور یہ اس موضوع پر ایک مفصّل کتاب ہے، لیکن افسوس کہ فاضل مصنّف نے ہر رطب ویابس سے اس کتاب کو بھر دیا ہے، میں نے اس کتاب سے «خذ ما صفا ودع ما كدر» (صاف کو لے لو اور گدلا کو چھوڑ دو) کے اصول پر عمل کرتے ہوئے کافی استفادہ کیا ہے. والد کی ذمہ داریوں سے متعلق محترم ڈاکٹر فضلِ الٰہی حفظہ اللہ (برادرِ خرد علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ) کی تالیف ''ابراہیم علیہ السلام بحیثیت والد'' سے خوب استفادہ کیا ہے جو ایک عمدہ کتاب ہے اور جس کا ہر گھر میں ہونا ضروری ہے.

اردو زبان میں شادی سے پہلے اور شادی کے بعد کے موضوعات پر کئی کتابیں اور تراجم موجود ہیں لیکن اولاد کی تربیت کے موضوع پر کوئی مستقل کتاب مجھے نہ مل سکی، حُسنِ اتفاق سے ان دنوں استاذِ محترم شیخ انیس الرحمٰن صاحب اعظمی عمری حفظہ اللہ استاذ جامعہ دار السلام عمر آباد کی، کویت آمد ہوئی. آپ نے مزید دو کتابوں کا پتہ بتایا اور از راہ کرم اپنے ''مرکز ابن القیم مدراس'' کی لائبریری سے انہیں میرے لئے روانہ فرمایا. نیز آنکھ کے آپریشن کی تکلیف کے باوجود مسودہ پر نظرِ ثانی فرمائی، زرّیں مشوروں سے نوازا، اور ساتھ ہی از راہ نوازش تقریظ بھی تحریر فرما کر روانہ کیا، شیخِ محترم کی اس عنایت پر میں اُن کا بے حد شکر گزار ہوں. جزاه الله في الدارين خيرًا.

ناچیز نے اولاد کی اسلامی تربیت سے متعلق جمعہ کے چند خطبے، اردو داں طبقہ کے سامنے کویت کی ''مسجد عبدالرحمٰن عبدالمغنی، الشرق'' میں دیئے، تو کچھ احباب کی جانب سے تقاضا ہوا کہ اس موضوع پر ایک کتاب ہی تصنیف کر دوں، چنانچہ میں کئی ماہ تک اس موضوع سے متعلق کتابوں کے حصول میں سرگرداں رہا، پھر اللہ کا نام لے کر اس کام کو شروع کر دیا، تصنیف وتالیف کے کام کے لئے فرصت اور فرحت دونوں کی سخت ضرورت ہوتی ہے اور یہاں کویت میں ان کا فقدان ہے.

زیر مطالعہ کتاب میں میں نے ان تمام گوشوں کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے جو اولاد کی اسلامی تربیت کے لئے ضروری ہیں اور معاشرہ کے تمام افراد کے حقوق بھی مختصراً ذکر کر دیئے ہیں، مجھے امید ہے کہ یہ کتاب والدین اور اولاد سب کے لئے اپنے حقوق وواجبات سمجھنے اور ادا کرنے میں مشعلِ راہ ثابت ہوگی. وما ذلك على الله بعزيز.

کوشش یہ کی گئی ہے کہ تربیت کا کوئی اہم پہلو اس کتاب میں چھوٹنے نہ پائے، ساتھ ہی یہ بھی کہ کتاب کا حجم زیادہ بڑا نہ ہو، اس لئے کہ ضخیم کتابیں مفید ہونے کے باوجود اپنی ضخامت کے سبب بے توجہی کا شکار ہو جاتی ہیں، اس لئے اس کتاب کو متوسط اور مفید بنانے کی، نیز زبان وبیان کو بھی عام فہم بنانے اور ضعیف وموضوع روایات سے دامن بچانے کی سعی کی گئی ہے. نیز پہلی اشاعت کی خامیوں کو دور کر کے احادیث پر اعراب بھی لگا دیا گیا ہے، اس کے باوجود کتاب میں بے شمار کوتاہیوں کے امکان کا اقرار ہے، قارئین سے مؤدبانہ التماس ہے کہ وہ اس طرح کے ملاحظات سے احقر کو مطلع فرما کر مشکور ہوں، تاکہ آئندہ اشاعت میں ان پر غور کیا جائے.

اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر واحسان ہے کہ اس نے اس کتاب کو شرفِ قبولیت سے نوازا، اس کا پہلا ایڈیشن تین ہزار کی تعداد میں کویت میں شائع ہوا، جو صرف تین چار ماہ کی قلیل مدت میں ہاتھوں ہاتھ نکل گیا، اس کا دوسرا ایڈیشن فریوائی اکاڈمی دہلی سے، تیسرا ایڈیشن پاکستان میں مکتبہ قدوسیہ لاہور سے، اور چوتھا ایڈیشن فوزفر پبلکیشنز دہلی سے ابھی حال میں ہی شائع ہوا اور ہاتھوں ہاتھ نکل گیا، کئی احباب نے اس کا مختلف زبانوں میں ترجمہ کرنے کی اجازت چاہی ہے، ہندی اور تلگو زبان میں اس کا ترجمہ چھپنے کے لئے تیار ہے.

میری خوش قسمتی ہے کہ میرے مشفق ومہربان فضیلۃ الشیخ علامہ ڈاکٹر محمد لقمان صاحب سلفی حفظہ اللہ ورعاہ نے اس کتاب کو اپنے ادارے دار الداعی للنشر والتوزیع ریاض سے شائع کرنے کے لئے منتخب فرمایا، یہ اس کتاب کا پانچواں ایڈیشن ہے جو علامہ موصوف کے زیر اشراف شائع ہو رہا ہے.

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مؤلف، معاونین اور ہر جگہ کے ناشرین کی اس حقیر خدمت کو قبول فرمائے، اور اس کتاب کو عام مسلمانوں بالخصوص نئی نسل کے لئے باعثِ رُشد وہدایت بنائے. ربّنا تقبل منّا إنّک أنت السميع العليم، وتب علينا إنک أنت التوّاب الرّحيم، وصلّى الله وسلّم على نبيّنا محمد وعلى آله وأصحابه وأهل بيته ومن اتبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

محمد انور محمد قاسم سلفی

۵/ربیع الاول ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۳/۳/۲۰۰۸م

الکویت

باب اوّل

اِزدواجی تربیت

شادی انسان کی فطری ضرورت:

ہر انسان بلوغت کو پہنچنے کے بعد اس بات کی شدید خواہش رکھتا ہے کہ اس کا کوئی ہم سفر، رازدان اور خلوت وجلوت کا ساتھی ہو، اور اس کے لئے وہ ایک جوڑے کا محتاج رہتا ہے تا کہ وہ اس سے جسمانی اور روحانی سکون حاصل کر سکے اور یہ انسانی فطرت ہے جسے کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا. اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ (یہ اللہ کا وہ دینِ فطرت ہے جس کے مطابق اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی ہے، یہی سچا اور صحیح دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں) [الروم: ۳۰].

لیکن جو معاشرہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ان اصولِ فطرت سے انحراف کرنے کی کوشش کرے گا، نہ صرف خود کو ہلاکت میں ڈالے گا بلکہ سارے انسانی معاشرے کے لئے ایک ناسور بن جائے گا، خصوصا ایسے لوگ جو زہد اور تقویٰ کی نمائش کرتے ہیں انہوں نے ہر زمانے میں اس فطرت سے منہ موڑنے کی کوشش کی، خود رسول اللہ ﷺ کے مبارک عہد میں کچھ لوگوں نے یہ کوشش کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ان اصول سے فرار حاصل کریں لیکن آپ ﷺ نے ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا اور یہ واضح فرمادیا کہ جو شخص میری سنّت کو ٹھکرا کر اپنے وضع کردہ اصول کی پابندی کرے گا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں.

عن أنس رضي الله عنه أنه قال: «جَاءَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ إِلٰى بُيُوتِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ يَسْأَلُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ، فَلَمَّا أُخْبِرُوا كَأَنَّهُمْ تَقَالُّوهَا، فَقَالُوا: «أَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ قَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ» قَالَ أَحَدُهُمْ: «أَمَّا أَنَا فَإِنِّي أُصَلِّي اللَّيْلَ أَبَدًا» وَقَالَ آخَرُ: «أَنَا أَصُومُ الدَّهْرَ وَلَا أُفْطِرُ» وَقَالَ آخَرُ: «أَنَا أَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا أَتَزَوَّجُ أَبَدًا» فَجَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: «أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا؟ أَمَا وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ، لٰكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي» ''انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: '' تین آدمی رسول اکرم ﷺ کی بیویوں کے پاس

آپ کی عبادت کا حال دریافت کرنے کے لئے آئے، جب آپ کی عبادت کی انہیں خبر دی گئی تو گویا انہوں نے اس کو بہت تھوڑا تصور کیا، پھر انہوں نے آپس میں کہا: ''ہمارا رسول اللہ ﷺ سے کیا مقابلہ، اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے اگلے پچھلے سارے گناہ بخش دیئے. پھر ان میں سے ایک نے کہا: ''میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھوں گا''. دوسرے نے کہا: ''میں زندگی بھر روزہ رکھوں گا کبھی روزہ نہیں چھوڑوں گا''. تیسرے نے کہا: ''میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا''. پھر آپ ﷺ تشریف لائے اور ان سے فرمایا: ''کیا تم لوگوں نے ہی یہ باتیں کی ہیں؟ اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اس کا تقویٰ رکھنے والا ہوں، لیکن میں روزہ رکھتا بھی ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں، رات میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بیاہ بھی کرتا ہوں، یاد رکھو! جو میری سنّت سے منہ موڑے وہ میرا نہیں ہے'' (متفق علیہ).

شادی کی برکات:

۱- نسلِ انسانی کی بقا:

ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ میرا کوئی وارث ہو، جو میرے بعد میری نسل کو باقی رکھے اور میرے تذکرے کو زندہ رکھے، اسی وجہ سے وہ شادی کا محتاج ہوتا ہے اس لئے کہ شادی سے نسلِ انسانی کی بقا ہوتی ہے، جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً﴾ (اور اللہ نے تمہارے لئے تمہاری جنس کی بیویاں بنائیں، اور تمہاری بیویوں سے تمہیں لڑکے اور پوتے عطا کئے) [النحل:۷۲]. نیز ارشاد ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً﴾ (اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا ہے، اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کیا، اور ان دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں (دنیا میں) پھیلا دیا). [النساء:۱].

وعن معقل بن يسار ﷺ قال قال رسول الله ﷺ: «تزوَّجوا الوَدودَ الوَلودَ، فإنِّي مُكاثِرٌ بِكُمُ الأُمَمَ» رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ''تم زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جنم دینے والی عورتوں سے شادی کرو، کیونکہ دیگر امتوں کے مقابلے میں مجھے اپنی امت کی کثرتِ تعداد پر فخر ہوگا''.

(ابوداؤد، نسائی).

۲- اخلاقی بگاڑ سے حفاظت:

شادی کی برکت سے آدمی اخلاقی بگاڑ سے محفوظ ہو جاتا ہے، اس کی آنکھیں خیانت اور شرم گاہ زنا کاری سے محفوظ ہو جاتی ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے: «يا مَعْشَرَ الشَّبابِ! مَنِ اسْتَطاعَ مِنْكُمُ الباءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فإنَّهُ أغَضُّ لِلْبَصَرِ وأحْصَنُ لِلْفَرْجِ، فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فإنَّهُ لَهُ وِجاءٌ» ''اے نوجوانو! تم میں سے جو شادی کی طاقت رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ وہ شادی کر لے کیونکہ یہ نظر کو جھکانے والی اور شرم گاہ کی حفاظت کرنے والی ہے، جو شادی کی طاقت نہیں رکھتا اسے چاہئے کہ وہ کثرت سے روزہ رکھے، اس لئے کہ وہ اس کے لئے (گناہوں سے بچاؤ کے لئے) ڈھال ہے.

(بخاری و مسلم عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ).

۳- روحانی اور نفسانی سکون:

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ (اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں، تاکہ تم ان کے پاس سکون پاؤ اور تمہارے درمیان محبت و رحمت پیدا کی، بے شک ان میں غور کرنے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں) [الروم:۲۱].

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کی حکمت کی نشانیوں میں ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تم ہی میں سے جوڑے پیدا کر دیئے، یعنی مرد کے لئے عورت اور عورت کے لئے مرد، لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا کیوں کیا؟ اس لئے کہ تمہاری زندگی میں تین چیزیں پیدا ہو جائیں، جن تین چیزوں کے بغیر تم ایک مطمئن اور خوشحال زندگی حاصل نہیں کر سکتے، وہ تین چیزیں یہ ہیں؛ ۱- سکون ۲- مودّت ۳- رحمت. ﴿لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ﴾ سکون عربی میں ٹھہراؤ اور جماؤ کو کہتے ہیں، مطلب یہ ہوا کہ ان کی طبیعت میں ایسا ٹھہراؤ اور جماؤ پیدا ہو جائے کہ زندگی کی بے چینیاں اور پریشانیاں اسے ہلا نہ سکیں لیکن محبت کا یہ رشتہ پائیدار نہیں ہو سکتا اگر رحمت کا سورج دلوں پر نہ چمکے، رحمت سے مقصود یہ ہے کہ شوہر اور بیوی نہ صرف ایک دوسرے سے محبت کریں بلکہ ایک دوسرے کی غلطیاں اور خطائیں بخش دینے اور ایک دوسرے کی کمزوریاں نظر انداز کر دینے کے لئے اپنے دلوں کو تیار

رکھیں. رحمت کا جذبہ خودغرضانہ محبت کو فیاضانہ محبت کی شکل دے دیتا ہے، ایک خودغرض محبت کرنے والا صرف اپنی ہی ہستی کو اپنے سامنے رکھتا ہے، لیکن رحیمانہ محبت کرنے والا اپنی ہستی کو بھول جاتا ہے اور دوسرے کی ہستی کو مقدّم رکھتا ہے، رحمت ہمیشہ اس سے تقاضا کرے گی کہ دوسرے کی کمزوریوں پر رحم کرے، غلطیاں اور خطائیں بخش دے، غصہ، غضب اور انتقام کی پرچھائیں بھی اپنے دل پر نہ پڑنے دے''.
(تبرکاتِ آزاد، مرتّب مولانا غلام رسول مہر: ۱۴۶-۱۴۷).

۴- بیماریوں سے بچاؤ:

شادی نہ کرنے کے نتیجے میں انسانی معاشرہ خطرناک اخلاقی اور جسمانی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے، جیسے زناکاری، فحاشی اور ناجائز جنسی تعلقات کی بنا پر لاحق ہونے والے بے شمار امراض، جن سے جسم کمزور ہوتا ہے اور بیماریاں پھیلتی ہیں اور ان امراض میں مبتلا آدمی اگر شادی بھی کر لے تو وہ اپنی صحت کے ساتھ اپنی بیوی اور اولاد کی صحت کا بھی خاتمہ کر دیتا ہے.

امام ابن قیم رحمہ اللہ اپنی کتاب زاد المعاد میں فرماتے ہیں: ''اگر انسان شادی نہ کرے تو انسان کا مادۂ منویہ ایک زہر کی شکل اختیار کر لیتا ہے، جس سے بے شمار امراض پیدا ہوتے ہیں، جن میں سے ایک کثرت احتلام ہے''. پھر فرماتے ہیں: ''اسلاف کہتے ہیں کہ آدمی تین کاموں کو کبھی نہ چھوڑے، ۱- چلنا ۲- کھانا ۳- جماع، کیونکہ جس کنویں سے پانی نہیں نکالا جاتا اس کا پانی خشک ہو جاتا ہے''.

محمد بن زکریا کہتے ہیں: ''جس نے طویل مدت جماع چھوڑ دیا اس کے اعصاب کمزور، سوتے خشک ہو جاتے ہیں اور عضو تناسل سکڑ جاتا ہے''. پھر فرماتے ہیں: ''میں نے کئی ایک لوگوں کو دیکھا کہ انہوں نے ہم بستری کو اپنے تزہد اور تقشّف کی بنا چھوڑ دیا جس کی وجہ سے ان کے جسم ٹھنڈے، حرکات سست، شہوت ختم، اور ہاضمہ خراب ہو گیا، انہوں نے یہ مصیبتیں بیٹھے بٹھائے خود مول لیں'' (زاد المعاد: ۴/۲۲۸).

۵- اولاد کی تربیت میں میاں بیوی کا تعاون:

میاں اور بیوی مل کر اپنے گھر کا کاروبار سنبھالتے ہیں، بیوی اولاد کی تربیت کرتی ہے، گھر کا کاروبار سنبھالتی ہے، شوہر اور بچوں کی خدمت کرتی ہے اور شوہر گھر کے باہر کے کام سنبھالتا ہے اور کماتا ہے، حصولِ رزق کے اسباب مہیا کرتا ہے، خود محنت کرتا ہے تاکہ اس کی بیوی بچے محنت سے دور رہیں، خود تکلیفیں اٹھاتا

ہے لیکن یہ گوارہ نہیں کرتا کہ مصیبت کا سایہ بھی اس کے اہل وعیال پر پڑے، اس مسلسل محنت اور تھکان کے بعد جب وہ شام میں اپنے گھر آتا ہے، بیوی مسکرا کر اس کا استقبال کرتی ہے اور اس کے کھانے اور راحت کا بندوبست کرتی ہے تو وہ اپنی جسمانی تکلیف بھول جاتا ہے اور روحانی وجسمانی سکون سے ہم کنار ہوتا ہے.

نیک بیوی کا انتخاب:

شادی کے مذکورہ فوائد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ آدمی نیک بیوی کا انتخاب کرے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے نیک بیوی کے اوصاف میں ارشاد فرمایا: «مَا اسْتَفَادَ الْمُؤمِنُ بَعْدَ تَقْوَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ خَيْرٌ لَهُ مِنْ زَوْجَةٍ صَالِحَةٍ، إِنْ أَمَرَهَا أَطَاعَتْهُ، وَإِنْ نَظَرَ إِلَيْهَا سَرَّتْهُ، وَإِنْ أَقْسَمَ عَلَيْهَا أَبَرَّتْهُ وَإِنْ غَابَ عَنْهَا حَفِظَتْهُ فِي نَفْسِهَا وَمَالِهِ» ''مومن نے اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کے بعد نیک بیوی سے زیادہ بہتر چیز حاصل نہیں کیا، اگر وہ اسے حکم دیتا ہے تو اس کی اطاعت کرتی ہے، اگر اس کی طرف دیکھتا ہے تو اسے خوش کر دیتی ہے، جب وہ اس پر قسم کھا بیٹھتا ہے تو اس کی قسم کو پوری کرنے میں مدد کرتی ہے، اور جب وہ اس سے غیر حاضر ہو تو اس کے مال کی بھی حفاظت کرتی ہے اور اپنی آبرو کی بھی (ابن ماجہ).

اور ایک حدیث میں آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: «الدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ» ''دنیا ساری کی ساری سامانِ زندگی ہے اور اس متاعِ دنیا میں سب سے بہترین چیز نیک عورت ہے'' (مسلم: ۱۴۶۷).

آدمی کے لئے ضروری ہے کہ وہ ظاہری حُسن وخوب صورتی پر اخلاقی اور معنوی حُسن کو ترجیح دے، اور اللہ تعالیٰ کا بھی یہی معیار ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے: «إِنَّ اللهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَأَجْسَادِكُمْ وَإِنَّمَا يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ» ''اللہ تمہاری شکلوں اور جسموں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے'' (رواہ مسلم).

اور ایک حدیث میں آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: «تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ: لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِينِهَا، فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ» ''عورت سے چار چیزوں کی بنا پر شادی کی جاتی ہے، اس کے مال کی وجہ سے، خاندان کی وجہ سے، حُسن اور دین کے سبب سے، تم دین والی کا انتخاب کر لو، تمہارے ہاتھوں کو مٹی لگے'' (متفق علیہ، أخرجہ البخاری فی النکاح،

باب الأ کفاء فی الدین، ومسلم :١٤٦٦۔ باب استحباب ذات الدین).

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ کامیاب زندگی اسی کی ہوگی جس کے گھر میں دین دار بیوی آجائے.

وعن أنس رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ أنه قال: «مَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً لِعِزِّهَا لَمْ يَزِدْهُ اللّٰهُ إِلاَّ ذُلًّا، وَمَنْ تَزَوَّجَهَا لِمَالِهَا لَمْ يَزِدْهُ اللّٰهُ إِلاَّ فَقْرًا، وَمَنْ تَزَوَّجَهَا لِحَسْبِهَا لَمْ يَزِدْهُ اللّٰهُ إِلاَّ دَنَاءَةً، وَمَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً لَمْ يُرِدْ بِهَا إِلاَّ أَنْ يَغُضَّ بَصَرَهُ وَيُحْصِنَ فَرْجَهُ أَوْ يَصِلَ رَحِمَهُ، بَارَكَ اللّٰهُ لَهُ فِيهَا وَبَارَكَ لَهَا فِيهِ» ”جو شخص کسی عورت سے اس کے مرتبہ کی وجہ سے شادی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ذلت میں اور اضافہ کردیتا ہے، جو اس کے مال کی وجہ سے شادی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی محتاجی میں اور اضافہ کردیتا ہے، جو اس سے اس کے خاندان کی وجہ سے شادی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے نکمّے پن کو اور بڑھا دیتا ہے اور جو کسی عورت سے اس لئے شادی کرتا ہے کہ اس کے ذریعے اپنی نظر کو خیانت سے اور شرم گاہ کو بدکاری سے محفوظ رکھے اور صلہ رحمی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس عورت میں برکت عطا کرتا ہے اور اس عورت کو اس مرد میں“.

(رواہ الطبرانی فی الأوسط).

ایک واقعہ:

ہمارے اسلاف نے شادی بیاہ کے معاملے میں ہمیشہ دین دار لڑکیوں کو ترجیح دی، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے کہ آپ ایک رات مدینہ منورہ میں گشت لگا رہے تھے کہ لوگوں کے حالات سے باخبر ہوں، سنا کہ ایک گھر سے کچھ آوازیں آرہی ہیں، گھر کی دیوار سے کان لگا کر کھڑے ہوگئے، سنتے ہیں کہ ایک ماں اپنی جوان لڑکی سے کہہ رہی ہے: ”بیٹی! آج رات اونٹنیوں نے دودھ کم دیا ہے اس لئے تم تھوڑا سا پانی ملا دو تا کہ گاہکوں کو دودھ برابر مل جائے“ بیٹی نے جواب دیا: ”امّی جان! امیر المؤمنین کا حکم ہے کہ فروخت کرنے کے دودھ میں پانی نہ ملایا جائے“ ماں نے کہا: ”اس رات کے اندھیرے میں کونسا امیر المؤمنین ہے جو تجھے دیکھ رہا ہے؟ بیٹی اللہ والی تھی، اس نے جواب دیا: ”اگر امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نہیں دیکھ رہا ہے تو عمر کا رب تو ضرور دیکھ رہا ہے، میں یہ جرم ہرگز نہیں کرسکتی“. عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب اس لڑکی کی یہ بات سنی تو رو پڑے، دوسرے دن اس لڑکی کے متعلق معلومات جمع کیں، پتہ چلا کہ لڑکی غیر شادی شدہ ہے، پھر اپنے لڑکوں کو اکٹھا کیا اور فرمایا: ”میرے بچو! گزشتہ رات میں نے ایک دین دار لڑکی کی یہ باتیں سنیں، اللہ کی قسم

اگر مجھ میں جوانی ہوتی تو ضرور میں اسے اپنے گھر میں بیوی بنا کر لاتا، لیکن میں بوڑھا ہو چکا ہوں، میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں، اب مجھ میں یہ صلاحیت نہیں کہ میں کسی جوان لڑکی سے شادی کروں، لیکن میں نہیں چاہتا کہ وہ لڑکی ضائع جائے، بلکہ وہ میری بہو بن کر میرے گھر میں آئے“ آپ کی یہ باتیں سن کر عاصم بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”ابّا جان! اس لڑکی سے میں شادی کروں گا“ آپ نے اس نیک لڑکی کا بیاہ اپنے بیٹے سے کردیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس لڑکی سے ایک بچی ہوئی، اور پھر اس لڑکی سے عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ پیدا ہوئے، جنہیں امت اسلامیہ نے بالاِتفاق پانچواں خلیفہء راشد تسلیم کیا، جنہوں نے اپنے دوڈھائی سال کے مختصر دور حکومت میں اپنے پڑنانا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کردیا.

(تربیۃ الأولاد فی الإسلام: ج ١/ ص ٢٧٢).

بہو بنانے کا معیار:

والدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کے لئے صابرہ وشاکرہ بیوی کا انتخاب کریں، اس سلسلے میں ابراہیم علیہ السلام کی سیرت ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے: عن إبن عباس رضی اللہ عنہ مرفوعا: «فَجَاءَ إِبْرَاهِيمُ علیہ السلام بَعْدَ مَا تَزَوَّجَ إِسْمَاعِيلُ علیہ السلام يُطَالِعُ تَرْكَتَهُ فَلَمْ يَجِدْ إِسْمَاعِيلَ علیہ السلام، فَسَأَلَ إِمْرَأَتَهُ عَنْهُ، ...... ثُمَّ سَأَلَهَا عَنْ عَيْشِهِمْ وَهَيْئَتِهِمْ، فَقَالَتْ: نَحْنُ بِشَرٍّ، نَحْنُ فِي ضِيقٍ وَشِدَّةٍ». فَشَكَتْ إِلَيْهِ. قَالَ: «فَإِذَا جَاءَ زَوْجُكِ فَاقْرَئِي عَلَيْهِ السَّلَامَ، وَقُولِي لَهُ يُغَيِّرْ عَتَبَةَ بَابِهِ» فَلَمَّا جَاءَ إِسْمَاعِيلُ علیہ السلام كَأَنَّهُ آنَسَ شَيْئًا، فَقَالَ: «هَلْ جَاءَكُمْ مِنْ أَحَدٍ؟» قَالَتْ: «جَاءَنَا شَيْخٌ كَذَا وَكَذَا، فَسَأَلَنَا عَنْكَ، فَأَخْبَرْتُهُ، وَسَأَلَنِي كَيْفَ عَيْشُنَا، فَأَخْبَرْتُهُ أَنَّا فِي جُهْدٍ وَشِدَّةٍ» قَالَ: «هَلْ أَوْصَاكِ بِشَيْءٍ؟» قَالَتْ: «نَعَمْ، أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ السَّلَامَ وَيَقُولُ: «غَيِّرْ عَتَبَةَ بَابِكَ» قَالَ: «ذَاكِ أَبِي، وَقَدْ أَمَرَنِي أَنْ أُفَارِقَكِ، إِلْحَقِي بِأَهْلِكِ» فَطَلَّقَهَا وَتَزَوَّجَ مِنْهُمْ أُخْرَى. فَلَبِثَ عَنْهُمْ إِبْرَاهِيمُ علیہ السلام مَاشَاءَ اللهُ، ثُمَّ أَتَاهُمْ بَعْدُ، فَلَمْ يَجِدْهُ، فَدَخَلَ عَلَى إِمْرَأَتِهِ فَسَأَلَهَا عَنْهُ ثُمَّ سَأَلَهَا عَنْ عَيْشِهِمْ وَهَيْئَتِهِمْ، فَقَالَتْ: «نَحْنُ بِخَيْرٍ وَسَعَةٍ» وَأَثْنَتْ عَلَى اللهِ. فَقَالَ: «مَا طَعَامُكُمْ؟» فَقَالَتْ: «اَللَّحْمُ» قَالَ: «فَمَا شَرَابُكُمْ؟» فَقَالَتْ: «اَلْمَاءُ» قَالَ: «أَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي اللَّحْمِ وَالْمَاءِ» قَالَ: «فَإِذَا جَاءَ زَوْجُكِ فَاقْرَئِي عَلَيْهِ السَّلَامَ، وَقُولِي لَهُ «يُثَبِّتُ عَتَبَةَ بَابِهِ». فَلَمَّا جَاءَ إِسْمَاعِيلُ علیہ السلام قَالَ: «هَلْ

جاءَ كُم مِنْ أَحَدٍ ؟» قَالَتْ : «أَتَانَا شَيْخٌ حُسْنُ الْهَيْئَةِ. وَأَثْنَتْ عَلَيْه. فَسَأَلَنِي عَنْكَ فَأَخْبَرْتُه، فَسَأَلَنِي كَيْفَ عَيْشُنَا ، فَأَخْبَرْتُهُ أَنَّا بِخَيْر» قَالَ: «فَهَلْ أَوْصَاكِ بِشَيْءٍ؟» قَالَتْ: «نَعَمْ ، هُوَ يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ وَيَأْمُرُكَ أَنْ «تُثَبِّتَ عَتبَةَ بَابِكَ» قَالَ: " ذَاكَ أَبِي، وَأَنْتِ الْعَتَبَةُ، أَمَرَنِي أَنْ أُمْسِكَكِ».. "اسماعیل علیہ السلام کی شادی کے بعد ابراہیم علیہ السلام اپنے اہلِ خانہ کی خبر گیری کرنے کے لئے (مکّہ مکرّمہ) تشریف لائے ،تو انہوں نے اسماعیل علیہ السلام کو گھر میں نہ پایا، ان کی بیوی سے ان کے بارے میں دریافت کیا......... پھر ان کے گزران اور حالات کے متعلق پوچھا. بہو نے کہا: ہمارے حالات خراب ہیں اور تنگی کی زندگی گذار رہے ہیں، پھر اس نے ان کے سامنے اپنے بُرے حالات کا شکوہ کیا. آپ نے فرمایا: "جب تمہارے شوہر آئیں تو انہیں میرا سلام کہنا اور یہ پیغام بھی دینا کہ وہ اپنے گھر کی دہلیز کو بدل دیں". جب اسماعیل علیہ السلام تشریف لائے تو انہیں اپنی عدم موجودگی میں کسی کے آنے کا احساس ہوا تو انہوں نے اپنی بیوی سے دریافت کیا: "کیا آپ کے ہاں کوئی آیا تھا؟" اس نے جواب دیا: "ہاں! اس شکل وصورت کے بزرگ آئے تھے، انہوں نے آپ کے متعلق مجھ سے دریافت کیا تو میں نے انہیں بتلا دیا. پھر انہوں نے ہمارے گزران کے متعلق دریافت کیا تو میں نے انہیں بتلایا کہ ہم مشکل حالات کا شکار ہیں. اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا: "کیا انہوں نے تمہیں کسی بات کی تاکید کی؟". اس نے کہا: "جی ہاں! انہوں نے آپ کو سلام پہنچانے کے لئے کہا اور آپ کے لئے یہ پیغام چھوڑا ہے کہ: "دروازے کی دہلیز کو تبدیل کردیں". انہوں نے کہا: "وہ تشریف لانے والے میرے والد محترم تھے اور انہوں نے مجھے تم کو جدا کردینے کا حکم دیا ہے، اس لئے تم اپنے اہلِ خانہ کے پاس چلی جاؤ". اسماعیل علیہ السلام نے اس عورت کو طلاق دے دی، اور انہی اہلِ مکّہ میں سے ایک عورت سے شادی کرلی. ابراہیم علیہ السلام کچھ عرصہ مشیّت الٰہی کے مطابق رُکے رہے، پھر ان کے پاس تشریف لائے، تو اسماعیل علیہ السلام کو نہ پایا، ان کی بیوی کے پاس آئے اور ان کے متعلق دریافت کیا، پھر بہو سے ان کے گزران کے متعلق پوچھا، اس نے کہا: "ہم خیریت اور خوشحالی میں ہیں"، اور اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا. ابراہیم علیہ السلام نے سوال کیا: "تمہاری خوراک کیا ہے؟"، اس نے جواب دیا: "گوشت". انہوں نے پوچھا: "کیا پیتے ہو؟" اس نے جواب دیا: "پانی". انہوں نے کہا: اے اللہ! ان کے لئے گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما". پھر فرمایا: "جب تمہارے شوہر آجائیں تو انہیں میرا سلام کہنا اور میرا یہ حکم انہیں سنانا کہ وہ اپنے

دروازے کی دہلیز کو برقرار رکھیں". جب اسماعیل علیہ السلام واپس گھر تشریف لائے تو انہوں نے دریافت کیا: "کیا آپ کے ہاں کوئی آیا تھا؟" اس نے جواب دیا: "جی ہاں! ایک خوبرو بزرگ تشریف لائے تھے...... اس عورت نے ان کی تعریف کی...... انہوں نے آپ کے متعلق مجھ سے دریافت کیا تو میں نے انہیں بتلایا. پھر انہوں نے ہمارے گذران کے متعلق دریافت کیا تو میں نے انہیں بتلایا کہ ہم بخیر ہیں"، انہوں نے کہا: "کیا انہوں نے تجھے کسی بات کی وصیت فرمائی؟" اس نے کہا: "جی ہاں، انہوں نے آپ کو سلام کہا اور اپنے دروازے کی دہلیز کو برقرار رکھنے کا حکم دیا" انہوں نے کہا: "تیرے پاس تشریف لانے والے میرے والد تھے اور تو دہلیز ہے، انہوں نے مجھے تم کو اپنے ساتھ رکھنے کا حکم دیا ہے".

(بخاری: کتاب الأنبیاء، باب یزفون النسلان فی المشی: حدیث/ ۳۳۶۴).

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ ایک پیغمبر کی بہو اور ایک پیغمبر کی بیوی کی زبان پر بجائے شُکر کے شکوہ شکایت کے الفاظ ہیں آپ نے ایسی عورت کو فوراً طلاق دینے کا حکم دیا، جب دوسری بہو کو دیکھا کہ تنگی کے باوجود زبان پر اللہ کا شکر جاری ہے تو بہت خوش ہوئے اور اپنے بیٹے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو تاکید کی کہ اس عورت کو اپنے ساتھ رکھنا. کاش والدین اپنے بچوں کی شادی میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اس معیار کو اپناتے، لیکن افسوس مال ودولت کی حرص نے اکثر والدین کی آنکھوں پر پردہ ڈال رکھا ہے، ان کا معیار پسندیدگی حسن وجمال، حسب ونسب اور مال ودولت ہے بلکہ اب تو سوائے مال دولت کے ہر چیز ثانوی درجہ رکھتی ہے، اکثر کی خواہش یہی رہتی ہے کہ ہمارا بیٹا بغیر کچھ کمائے مالدار بن جائے، چاہے اس کے لئے اخلاق اور انسانیت سے ہی کیوں نہ گر جائے، ان کا عمل بمصداق شاعر:

خُوک بن یا خر بن یا سگِ مُردار بن
کچھ بھی بن لیکن ذرا زردار بن

شریف خاندان کی لڑکی سے بیاہ:

شادی بیاہ کے معاملے میں خاندانی شرافت کا کردار نہایت اہم ہوتا ہے، جو لڑکی شریف گھرانے سے متعلق ہوگی اس سے امید کی جاسکتی ہے کہ وہ زندگی کے ہر معاملے میں اپنے شریفانہ کردار کو باقی رکھے گی، اسی کی جانب آپ ﷺ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ:

«النَّاسُ مَعَادِنٌ فِی الْخَیْرِ وَالشَّرِّ، خِیَارُهُمْ فِی الْجَاهِلِیَّةِ خِیَارُهُمْ فِی الإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوا» ”لوگ بھلائی اور برائی کے معدن (کان) ہیں، ان میں سے زمانۂ جاہلیت میں جو اچھے تھے وہ زمانۂ اسلام میں بھی اچھے ہوں گے اگر وہ دین کو سمجھ گئے“ (رواہ الطیالسی وابن منیع والعسکری)۔

اسی طرح لازم ہے کہ بد اصل، بے حیا اور غیر شریف گھرانے میں شادی کرنے سے بچا جائے، اگرچہ کہ وہ لڑکیاں مال اور حسن میں کتنی ہی دو چند ہوں۔

جیسا کہ فرمانِ رسالت مآب ﷺ ہے: وعن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: «إِیَّاکُمْ وَخَضْرَاءَ الدِّمَنِ، قَالُوْا: وَمَا خَضْرَاءُ الدِّمَنِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: الْمَرْأَةُ الْحَسْنَاءُ فِی الْمَنْبَتِ السُّوْءِ» ”ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تم گھوڑ پر اگنے والی ہریالی سے بچو، صحابہ کرام نے کہا: یا رسول اللہ! گھوڑ کی ہریالی سے مراد کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”حسین عورت جو بد اصل ہو“۔

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ بیٹے کا باپ پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا: «أَنْ یَنْتَقِیَ أُمَّهُ، وَیُحْسِنَ إِسْمَهُ، وَیُعَلِّمَهُ الْقُرْآنَ» ”اس کے لئے پاکیزہ ماں کا انتخاب کرے، اس کا نام اچھا رکھے اور اسے قرآن مجید سکھائے“ (تربیۃ الأولاد فی الإسلام للشیخ عبداللہ ناصح علوان: ۷ ۱۳)۔

عثمان بن أبی العاص الثقفی رضی اللہ عنہ نے اپنے لڑکوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: «یَا بُنَیَّ! اَلنَّاکِحُ مُغْتَرِسٌ فَلْیَنْظُرْ إِمْرَأٌ حَیْثُ یَضَعُ غَرْسَهُ، وَالْعِرْقُ السُّوْءُ قَلَّمَا یُنْجِبُ، فَتَخَیَّرُوْا وَلَوْ بَعْدَ حِیْنٍ» ”میرے بچو! شادی کرنے والا پودا اُگانے والے کی طرح ہے، ہر شخص غور کرے کہ وہ اپنا بیج کہاں بو رہا ہے، کیونکہ بد اصل عورت سے شریف اولاد کم ہی پیدا ہوتی ہے، اس لئے تم اچھی عورت تلاش کرو اگرچہ کہ اس میں دیر ہی کیوں نہ لگے“ (حوالہ مذکور: ۴۳)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ظاہر میں حسین، مالدار اور تیز و طرّار قسم کی لڑکیوں پر فریفتہ ہو کر اپنی دنیا اور آخرت برباد نہیں کرنا چاہیے۔

کنواری لڑکیوں سے شادی:

کنواری لڑکیوں سے شادی کے کئی فوائد ہیں، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: «عَلَیْکُمْ بِالْأَبْکَارِ فَإِنَّهُنَّ

أَعْذَبُ أَفْوَاهًا، وَأَنْتَقُ أَرْحَامًا، وَأَقَلُّ خِبًّا، وَأَرْضٰی بِالْیَسِیْرِ» ”تم کنواری لڑکیوں سے ہی شادی کرو، اس لئے کہ ان کا منہ نہایت شیریں، ان کا رحم کثرتِ اولاد کے لائق، اور وہ بہت کم مکر و فریب کرنے والی، اور تھوڑے سے اخراجات پر خوش ہونے والی ہوتی ہیں“۔

(رواہ ابن ماجۃ والبیہقی / المعجم الأوسط: ج/ ۷ ص/ ۳۴۴ حدیث/: ۷۶۷۷)۔

ایک مرتبہ اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیگر اُمہات المؤمنین پر اپنی فضیلت جتانے کے لئے ایک عجیب طرح کا سوال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا: «یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَرَأَیْتَ لَوْ نَزَلْتَ وَادِیًا وَفِیْهِ شَجَرَةٌ قَدْ أُکِلَ مِنْهَا وَشَجَرَةٌ لَمْ یُؤْکَلْ مِنْهَا، فِی أَیِّ مِنْهَا تَرْتَعُ بَعِیْرَکَ؟ قَالَ فِی الَّتِی لَمْ یُرْتَعْ مِنْهَا، قَالَتْ: أَنَا هِیَ» ”اے اللہ کے رسول ﷺ! ذرا بتلائیں! اگر آپ کسی وادی میں قدم رنجہ فرمائیں اور اس میں کچھ ایسے پودے ہوں جن سے جانوروں نے جابجا چرا ہو، اور کچھ ایسے ہوں جس سے کسی جانور نے نہ چرا ہو، آپ اپنی اونٹنی کو کونسے پودوں میں چرائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ان پودوں میں چراؤں گا جن سے دوسرے جانوروں نے نہ چرا ہو“ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”وہ میں ہی ہوں“ (البخاری)۔

چونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا تمام امہات المؤمنین ثیبہ (یعنی وہ عورت جو پہلے شادی کے مراحل سے گزر چکی ہو) تھیں، اس لئے آپ نے اپنے کنوارے پن کی فضیلت کو ایک لطیف مثال سے واضح کیا۔

نیز آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کنواری لڑکیوں سے شادی کرنے کی ترغیب دی ہے، آپ ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ سے جس وقت وہ غزوہ ذات الرقاع سے واپس ہو رہے تھے، ان سے پوچھا: «یَا جَابِرُ! هَلْ تَزَوَّجْتَ بَعْدُ؟ قُلْتُ: نَعَمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ أَثَیِّبًا أَبِکْرًا؟ قُلْتُ: لَا بَلْ ثَیِّبًا، قَالَ: أَفَلَا جَارِیَةً تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُکَ؟ قُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ أَبِی أُصِیْبَ یَوْمَ أُحُدٍ، وَتَرَکَ لَنَا بَنَاتًا سَبْعًا، فَنَکَحْتُ امْرَأَةً جَامِعَةً تَجْمَعُ رُؤُوْسَهُنَّ، وَتَقُوْمُ عَلَیْهِنَّ قَالَ: «أَصَبْتَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ» ”اے جابر! کیا تم نے واقعی شادی کر لی؟ میں نے کہا: ”ہاں اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے پوچھا: باکرہ سے کی ہے یا ثیبہ سے؟ میں نے کہا: ”نہیں ثیبہ سے“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم نے کسی نوخیز لڑکی سے شادی کیوں نہیں کی، تم اس سے کھیلتے اور وہ تم سے کھیلتی؟ میں نے کہا: ”یا رسول اللہ! میرے والد جنگِ اُحد میں شہید ہو گئے اور اپنے پیچھے سات بچیوں کو چھوڑ گئے، اسی لئے میں نے ایسی عورت سے شادی کی ہے جو ان تمام کی تربیت کر سکے اور

ان کے سروں میں کنگھی چوٹی کرے" آپ ﷺ نے فرمایا: "جب تو ان شاء اللہ تم نے ٹھیک ہی کیا" (متفق علیہ).

کنواری اور بیاہی کے درمیان ہر معاملے میں ایک واضح فرق اور فاصلہ ہے، لیکن یہ فاصلہ کتنا ہے؟

اس تعلق سے ایک لطیف حکایت پیشِ خدمت ہے: "ایک شخص کے سامنے دو کنیزیں لائی گئیں، ان میں سے ایک کنواری اور دوسری بیاہی ہوئی تھی، شخصِ مذکور کا رجحان کنواری کی طرف دیکھ کر، بیاہی ہوئی کنیز نے کہا: "تم اس کی طرف ہی کیوں ملتفت ہو؟ جب کہ میرے اور اس کے درمیان بس ایک ہی رات کا فاصلہ ہے"۔ کنواری نے جواب میں کہا: "اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾ (اور بے شک آپ کے رب کے نزدیک ایک دن، اُن دنوں کے ہزار سال کے مانند ہے جنہیں تم گنتے ہو) [الحج: ۴۷] اس شخص کو دونوں کنیزیں پسند آگئیں اور اس نے انہیں خرید لیا" (تحفۃ العروس: ۲۱۶/۲۱۷).

شبِ زفاف:

شبِ زفاف ہر نو بیاہے مرد اور عورت کے لئے زندگی کی ایک اہم اور انمول گھڑی ہے، جس کا سالوں سے دونوں کو انتظار رہتا ہے، شوہر اور بیوی دونوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس رات کے لئے اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار رکھیں، دولہا اپنی دُلہن کے لئے اپنی ساری محبتوں اور امنگوں کو سنبھالے رکھے اور دلہن بھی اپنے بناؤ سنگھار، ناز و عشوہ اور دلربائی و دلفریبی کے جلووں سے اپنے شوہر کے دل کو جیت لے۔

اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کے لئے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو آراستہ اور پیراستہ کیا، پھر انہیں خدمتِ اقدس میں لئے حاضر ہوئی، اور آپ ﷺ کو ان کے گھونگھٹ کو اٹھانے کی دعوت دی، آپ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بازو میں تشریف لائے، پھر آپ کی خدمت میں دودھ کا ایک پیالہ پیش کیا گیا، آپ نے اسے گھونٹ گھونٹ پیا پھر عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف پیالہ بڑھا دیا، انہوں نے شرما کر سر کو جھکا لیا، اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے عائشہ کی سرزنش کی اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ سے وہ پیالہ لے لو، راوی کہتی ہیں: تب عائشہ نے وہ پیالہ لیا اور کچھ دودھ نوش فرمایا۔

جب دُلہا دُلہن کے پاس آئے تو اس کی پیشانی پکڑ کر اللہ کا نام لے (بسم اللہ کہے) اور یہ دعا پڑھے:

«اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَهَا وَخَیْرَ مَا جَبَلْتَهَا عَلَیْهِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَیْهِ»

"اے اللہ! میں تجھ سے اس کی بھلائی مانگتا ہوں اور اس بھلائی کا مطالبہ کرتا ہوں جس پر تو نے اس کو پیدا کیا

ہے (یعنی جو اس کی سرشت اور فطرت میں داخل ہے) اے اللہ! میں اس کے شر سے اور جس شر پر تو نے اسے پیدا کیا ہے اس سے تیری حفاظت طلب کرتا ہوں" (بخاری، ابوداود، ابن ماجہ).

ہو سکے تو دُلہا دُلہن دونوں ایک ساتھ مل کر دو رکعت نماز پڑھیں، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ایسا شخص آیا جس نے ایک کنواری لڑکی سے شادی کی تھی اور جسے خدشہ تھا کہ لڑکی اس سے بغض رکھے گی، آپ نے اسے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: جب تو اس کے پاس جانا تو اسے دو رکعت نماز پڑھنے کے لئے کہنا، پھر یہ دعا پڑھنا: «اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْ اَهْلِیْ وَبَارِکْ لَهُمْ فِیَّ، اَللّٰهُمَّ اجْمَعْ بَیْنَنَا مَا جَمَعْتَ بِخَیْرٍ وَفَرِّقْ بَیْنَنَا اِذَا فَرَّقْتَ بِخَیْرٍ» "یا اللہ! میرے اہل وعیال میں برکت عطا فرما اور ان کے لئے میرے اندر برکت فرما، جب تک ہمیں یکجا رکھ تو خیر اور بھلائی کے ساتھ اکٹھے رکھ، جب ہمیں علاحدہ کرنا تو خیر اور بھلائی سے علاحدہ فرما" (طبرانی بسند صحیح).

جب شوہر اپنی رفیقۂ حیات کے پاس ہم بستری کے لئے جائے تو یہ دعا پڑھے: «بِسْمِ اللّٰهِ! اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَارَزَقْتَنَا» "اللہ کے نام سے، اے اللہ! ہم دونوں کو شیطان سے محفوظ فرما، اور جو اولاد ہمیں دے اس کو بھی شیطان سے محفوظ رکھ" (البخاری). رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس دعا کو پڑھنے کے بعد اگر اللہ نے انہیں اولاد عطا فرمائی تو وہ شیطانی اثرات سے پاک ہوگی"۔

شریعت نے جنسی عمل کے لئے بھی کچھ آداب مقرر کئے ہیں، شوہر پہلے پیار و محبت کی باتوں سے اپنی نئی نویلی دلہن کا دل بہلائے، تاکہ اس سے اجنبیت کا احساس ختم ہو جائے، پھر ملاعبت اور مجامعت و ہم بستری کا دور شروع کرے، شوہر اپنی بیوی کے جسم کے ہر حصے سے لُطف اندوزی کا حق رکھتا ہے، لیکن یاد رہے کہ مجامعت صرف قُبل (فرج) میں ہی ہو، دُبر گندگی کا مقام ہے لہٰذا اس سے دور رہے، بیوی کی دُبر میں مجامعت گناہ کبیرہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: «مَلْعُوْنٌ مَنْ اَتٰی اِمْرَأَةً فِیْ دُبُرِهَا» "جو شخص اپنی بیوی کے دُبر میں آئے وہ ملعون ہے" (ابوداود، نسائی). اور ایک روایت میں ہے: «لَا یَنْظُرُ اللّٰهُ اِلٰی رَجُلٍ اَتٰی رَجُلًا اَوِامْرَأَةً فِیْ دُبُرِهَا» "اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی طرف نہیں دیکھتا جو کسی مرد یا عورت کی دبر استعمال کرے" (ترمذی، نسائی).

❀❀❀

باب دوم

تربیت دورِ طفولیت

اولاد کی تربیت پیدائش سے پہلے:

ہوسکتا ہے کہ یہ عنوان بہت سے لوگوں کو پریشان کرے کہ اولاد کی تربیت ان کی پیدائش سے پہلے کیسے ممکن ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ شادی کے بعد ہی سے اللہ تعالی سے نیک اولاد کے لئے دعائیں مانگے، اللہ کے نیک بندوں کا یہی طریقہ رہا ہے، ابراہیم علیہ السلام نے رب العالمین سے گڑگڑا کر دعا مانگی: ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۰۰ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ﴾ (میرے رب! مجھے ایک نیک لڑکا دے، تو ہم نے انہیں ایک بردبار بیٹے کی خوشخبری دی) [الصافات: ۱۰۰،۱۰۱].

اس دعا کے نتیجے میں رب العالمین نے انہیں اسماعیل علیہ السلام کی شکل میں ایسا مطیع وفرمان بردار لڑکا عطا فرمایا جن سے بھی زیادہ مطیع وفرماں بردار اولاد دنیا میں کسی اور کو ملی ہی نہیں.

مریم رضی اللہ عنہا کی والدہ ماجدہ حنہ رضی اللہ عنہا جب حاملہ ہوئیں انہوں نے اسی وقت سے نذر مانی کہ وہ ہونے والی اپنی اولاد کو اللہ کے نام پر بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کردیں گی. قرآن کا بیان ہے: ﴿اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۳۵ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ۭ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّىْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّىْٓ اُعِيْذُھَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝۳۶ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَھَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ ھٰذَا ۭ قَالَتْ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (جب عمران کی بیوی نے کہا: اے میرے رب! میں نے تیرے لئے اپنے پیٹ کے بچے کو آزاد کرکے نذر مان لی ہے، تو میری طرف سے اُسے قبول فرمالے، بے شک تو ہی خوب سننے والا بڑا جاننے والا ہے، پس جب اُس نے اُسے جنا تو کہا کہ اے میرے رب! میں نے اِسے بچی جنا ہے، اور جو اس نے جنا ہے اللہ اسے خوب جانتا تھا، اور وہ لڑکا جس کی اُس نے خواہش کی تھی، اُس لڑکی کی مانند نہیں جو اللہ نے اُس دیا، (امّ مریم نے کہا) اور میں نے اس کا

نام مریم رکھا ہے، اور میں اِسے اور اس کی اولاد کو مردود شیطان کے شر سے تیری پناہ میں دیتی ہوں تو اس کے رب نے اُسے شرفِ قبولیت بخشا، اور اُس کی اچھی نشونما کی، اور زکریا کو اس کا کفیل بنایا، جب بھی زکریا اُس کے پاس محراب میں جاتے، اُس کے پاس کھانے کی چیزیں پاتے، وہ پوچھتے کہ اے مریم! یہ چیزیں کہاں سے تیرے لئے آئی ہیں، وہ کہتیں کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے، بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔ [آلِ عمران: ۳۵-۳۷].

زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی: ﴿قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿٣٨﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ﴾ (اُسی جگہ اور اُسی وقت زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، کہا: اے میرے رب! مجھے تو اپنے پاس سے اچھی اولاد عطا فرما، بے شک تو دعا کو سننے والا ہے، تو فرشتوں نے آواز دی جبکہ وہ محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، کہ اللہ آپ کو یحییٰ کی بشارت دے رہا ہے، جو اللہ کے کلمہ (عیسیٰ) کی تصدیق کرنے والا، اور سردار، اور پاکباز، اور صالح نبی ہوگا) (آلِ عمران: ۳۸، ۳۹).

ان آیات سے جو ہدایات ہمیں ملیں وہ یہ ہیں:

۱- اولاد جب ماں کے پیٹ میں ہو اسی وقت سے اس کے لئے نیک تمنائیں رکھنا چاہیئے، جیسا کہ حنہ رضی اللہ عنہا نے اپنے پیدا ہونے والے بچے کے متعلق نذر مانی کہ وہ اس بچے کو اللہ تعالیٰ کے لئے اور بیت المقدس کی خدمت کی خاطر وقف کر دیں گی۔

۲- ماں بھی بچے یا بچی کا نام رکھ سکتی ہے جیسا کہ حنہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بچی کا نام مریم رکھا، یہ صرف باپ کا ہی حق نہیں جیسا کہ ہمارے معاشرہ میں معروف ہے۔

۳- اولاد اور ان سے ہونے والی اولاد کے لئے دعائیں ان کی پیدائش کے وقت سے ہی کرنا مستحب ہے، اور اس کی اللہ تعالیٰ نے چاہا تو بڑی تاثیر ہوگی، جیسا کہ حنہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بیٹی مریم رضی اللہ عنہا کی پیدائش کے فوراً بعد ان کے لئے بھی اور ان سے ہونے والی اولاد کے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے مریم اور ان کے فرزند عیسیٰ علیہما السلام کو شیطان کے چھونے سے محفوظ رکھا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: «مَا مِنْ مَوْلُودٍ يُولَدُ إِلَّا نَخَسَهُ

الشَّيْطَانُ فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِنْ نَخْسَةِ الشَّيْطَانِ إِلَّا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ» ثُمَّ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رضي الله عنه: اِقْرَؤُوا إِنْ شِئْتُمْ ﴿وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب کبھی کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اسے کچوکا لگاتا ہے، جس کی وجہ سے وہ چیخیں مار کر روتا ہے، سوائے عیسیٰ بن مریم اور ان کی ماں مریم علیہما السلام کے'' پھر ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے کہا اگر تم چاہو تو پڑھو: ﴿وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ (اور میں اسے اور اس کی نسل کو شیطانِ مردود سے تیری حفاظت میں دیتی ہوں) (رواہ مسلم، کتاب الفضائل، فضائل عیسیٰ علیہ السلام، حدیث ۲۳۶۶).

۴- اللہ تعالیٰ نے ان کی اس نیک نذر کو، بچی ہونے کے باوجود قبول کرلیا، بلکہ اس بچی کو اس شان کا حامل بنایا کہ وہ دنیا کی کامل ترین عورتوں میں ایک بن گئیں۔ جیسا کہ صحیح البخاری میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «كَمَلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرٌ وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا آسِيَةُ زَوْجَةُ فِرْعَوْنَ وَمَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ، وَفَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى سَائِرِ النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ» ''مردوں میں بہت سے کامل گزرے ہیں، لیکن عورتوں میں سوائے فرعون کی بیوی آسیہ اور عمران کی بیٹی مریم کے اور کوئی کاملہ نہیں گزری، اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہی ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر۔

۵- اللہ تعالیٰ نے اس بچی کو بہترین طریقے پر پروان چڑھایا، اور اس کو چھ سال میں وہ عقل اور سمجھ بوجھ عطا کیا جو ساٹھ سال کے انسان کو ہوتی ہے۔

۶- یہ بچی بچپن سے ہی اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول ہوگئی، اس پر رب کی عنایتوں کا عالم یہ تھا کہ یہ بچی زمین پر سجدے کرتی تو عرش والا اس کے کھانے کے لئے جنت سے میوے بھیجا کرتا تھا، اور وہ پھل بھی بے موسم ہوتے، گرمیوں کے پھل سردیوں میں آتے اور سردیوں کے گرمیوں میں۔

۷- جب زکریا علیہ السلام نے (جو مریم کے خالو لگتے تھے) پوچھا: ''بیٹی! تمہارے پاس یہ کھانے پینے کی چیزیں کہاں سے آتی ہیں؟ تو معصوم بچی نے جواب دیا: '' خالو جان! یہ رزق اللہ تعالیٰ کے پاس سے آتا ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے''۔

۸- مریم علیہا السلام کی اس بات نے زکریا علیہ السلام کے دل میں یہ بات ڈالی کہ جو اللہ بے موسم پھل دے سکتا ہے تو وہ بے موسم اولاد کیوں نہیں دے سکتا؟ اگر چہ کہ میرا اولاد پیدا کرنے کا موسم ختم ہو چکا اور بڑھاپے

کے انتہائی دور کو پہنچ چکا ہوں اور بیوی نہ صرف کھوسٹ بلکہ بانجھ بھی ہے، ناامیدی کے ان گھٹا ٹوپ اندھیروں میں انہوں نے ربّ العالمین سے اولاد کے لئے فریاد کی: ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِیًّا﴾ (میرے رب! میری ہڈی کمزور ہوگئی اور سر کے بال سفید ہوگئے، اور میرے رب! تجھ سے دعا کرکے میں کبھی اس کے اثر سے محروم نہیں رہا) [مریم: ۴].

۹- اللہ تعالیٰ نے ان کی فریاد قبول فرمائی اور ایک لڑکے کی خوش خبری عطا فرمائی اور نام بھی خود ہی یحیٰی (علیہ السلام) تجویز کیا، اس نام کی یہ خصوصیت بتلائی اس نام کا کوئی بچہ ان سے پہلے دنیا میں نہیں گزرا اور ﴿وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ﴾ (اور ہم نے ان کی بیوی کو اولاد جننے کے قابل بنا دیا) [الأنبیاء: ۹۰].

اس سے معلوم ہوا کہ اولاد صرف اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے: ﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۭ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾ اَوْ یُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَیَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ﴾ (آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اللہ کے لئے ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے بٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے، یا انہیں لڑکے اور لڑکیاں ملا کر دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے، وہ بے شک بڑا جاننے والا، بڑی قدرت والا ہے) [الشوری: ۴۹/۵۰].

۱۱- لیکن افسوس! کتنے مسلمان ہیں جو غیر اللہ سے اولاد طلب کرتے ہیں اور قبر پرستی، اولیاء پرستی اور شرک جیسے کبیرہ گناہ میں مبتلا ہو کر اپنی عاقبت کا بیڑہ غرق کرتے ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان چاہے کہیں سے بھی اولاد طلب کرے لیکن اسے رب العالمین کی بارگاہ سے ہی ملتی ہے، اس لئے جن کے ہاں اولاد نہیں، انہیں چاہئے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ سے ہی اولاد طلب کریں، اس سلسلے میں تاخیر ہو یا اولاد نہ بھی ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر سمجھ کر راضی رہیں اور شرک سے دور رہیں.

لڑکی کی پیدائش پر افسوس کرنا:

انسانوں نے ہمیشہ صنفِ نازک پر ظلم کیا، یہودیوں نے عورت کو گناہ کی ماں، بدی کی جڑ اور انسانیت کے ماتھے پر ایک کلنک قرار دیا تو عیسائیوں نے اسے انسان تسلیم کرنے سے بھی انکار کر دیا، اور عورت کو انسان نما ایک چڑیل قرار دیا، ہندومت میں لڑکی کی پیدائش کو منحوس سمجھا جاتا، شادی کے بعد بدقسمتی سے اگر اس کا شوہر انتقال کر جاتا تو اسے ان دونوں راہوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ باقی ہی

نہیں رہ جاتا: ۱- یا تو وہ اپنے لئے موت سے بدتر زندگی کا انتخاب کرلے. ۲- یا شوہر کی چتا کے ساتھ ہی زندہ آگ میں جل کر راکھ کا ڈھیر ہو جائے. عرب میں بچی کی پیدائش کو ذلّت سمجھا جاتا اور جس کے گھر لڑکی پیدا ہوتی وہ لوگوں سے نظریں بچا بچا کر پھرتا، جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے: ﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِیْمٌ ﴿۵۸﴾ یَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَیُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ یَدُسُّهٗ فِی التُّرَابِ ۭ اَلَا سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ﴾ (اور ان میں سے کسی کو جب لڑکی کی خوش خبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے درانحالیکہ وہ نڈھال ہوتا ہے، جو بُری خبر اسے دی گئی ہے اس کی وجہ سے لوگوں سے منہ چھپائے پھرتا ہے (سوچتا ہے) کیا ذلّت ورسوائی کے باوجود اسے اپنے پاس رکھے، یا مٹی میں ٹھونس دے، آگاہ رہو کہ ان کا فیصلہ بڑا بُرا ہے) [النحل: ۵۸/۵۹].

علاوہ ازیں نومولود بچیوں کو زندہ زمین میں دفن کر دیا جاتا اور اس پر فخر کیا جاتا تھا، ایک جاہلی شاعر کہتا ہے:

تَهْوِیْ حَیَاتِیْ وَأَهْوِیْ مَوْتَهَا شَفَقًا   وَالْمَوْتُ أَكْرَمُ نُزُلاً لِلْحَرَمِ

''میری بچی میری زندگی چاہتی ہے اور میں اس پر شفقت کی وجہ سے اس کی موت چاہتا ہوں، اور عورتوں کے لئے موت ہی سب سے بہترین تحفہ ہے''.

ایسے زمانے اور ایسے ماحول میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے پیغمبر جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث کیا، آپ ﷺ نے اپنی رحمت کے خزانے جہاں ساری انسانیت پر لٹائے، وہیں آپ ﷺ نے اپنی شفقتوں سے صنفِ نازک کو بھی نہال کر دیا، اور بچیوں اور عورتوں کے لئے خصوصی احکامات عطا فرمائے، بچیوں کو پالنے پوسنے اور ان کی اچھی تربیت پر جنت کی خوش خبری عطا فرمائی:

۱- عن أنس رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: «مَنْ عَالَ جَارِیَتَیْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا، جَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ أَنَا وَهُوَ كَهَاتَیْنِ وَضَمَّ أَصَابِعَهُ» انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے دو بچیوں کی ان کے بالغ ہونے تک پرورش کی، وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ میں اس کے ساتھ اِن انگلیوں کی طرح رہوں گا پھر آپ ﷺ نے اپنی دونوں انگلیوں (انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی) کو ملایا'' (رواہ مسلم).

۲- عن عائشة رضی اللہ عنہا قَالَتْ: دَخَلَتْ عَلَیَّ امْرَأَةٌ وَمَعَهَا ابْنَتَانِ لَهَا تَسْأَل، فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِیْ شَیْئًا غَیْرَ تَمْرَةٍ وَاحِدَةٍ، فَأَعْطَیْتُهَا إِیَّاهَا، فَقَسَمَتْهَا بَیْنَ ابْنَتَیْهَا وَلَمْ تَأْكُلْ مِنْهَا، ثُمَّ قَامَتْ فَخَرَجَتْ،

فَدَخَلَ النَّبِیُّ ﷺ عَلَيْنَا، فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ: «مَنْ أُبْتُلِیَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَیْءٍ فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ إِلَّا كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِّنَ النَّارِ» عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''ایک مرتبہ ایک عورت اپنی دو بچیوں کے ساتھ کچھ مانگنے کے لئے میرے گھر میں آئی، اس نے میرے پاس ایک کھجور کے سوا کچھ نہیں پایا، میں نے وہی اسے دے دیا، اس نے خود تو اس میں سے کچھ نہیں کھایا، بلکہ اس کھجور کو دونوں بچیوں میں برابر بانٹ دیا، پھر نکل کھڑی ہوئی، پھر میرے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، میں نے آپ کو اس واقعہ کی خبر دی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص ان بچیوں کے ذریعے مصائب سے آزمایا جائے، اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے، تو یہ بچیاں اس کے لئے دوزخ سے آڑ بن جائیں گی'' (متفق علیہ).

۳- عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: «جَاءَتْنِی مِسْكِينَةٌ تَحْمِلُ ابْنَتَيْنِ لَهَا، فَأَطْعَمْتُهَا ثَلَاثَ تَمَرَاتٍ، فَأَعْطَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا تَمْرَةً وَرَفَعَتْ إِلَى فِيهَا تَمْرَةً لِتَأْكُلَهَا، فَاسْتَطْعَمَتْهَا إِبْنَتَاهَا، فَشَقَّتِ التَّمْرَةَ الَّتِی تُرِيدُ أَنْ تَأْكُلَهَا بَيْنَهُمَا، فَأَعْجَبَنِی شَأْنُهَا، فَذَكَرْتُ الَّذِی صَنَعَتْ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَوْجَبَ لَهَا بِهَا الْجَنَّةَ وَأَعْتَقَهَا بِهَا مِنَ النَّارِ» عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''ایک مسکین عورت اپنی دو بچیوں کے ساتھ میرے گھر آئی، میں نے اسے کھانے کے لئے تین کھجوریں دیں، اس نے اپنی دونوں بچیوں کو ایک ایک کھجور دی اور ایک کھجور خود کھانے کے لئے اپنے منہ تک لے گئی، اسی وقت اس کی دونوں بچیوں نے وہ کھجور اس سے مانگ لیا، اس نے اپنے حصے کے کھجور کے دو ٹکڑے کئے اور دونوں میں بانٹ دیا، مجھے اس کا یہ کام پسند آیا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ ماجرا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی نے اس کے اس کام کی وجہ سے اس کے لئے جنّت واجب کردی اور اسے جہنم سے آزاد کردیا'' (رواہ مسلم).

۴- بچیوں سے آپ ﷺ کی محبت کا عالم یہ تھا، مسند احمد کی روایت ہے: «كَانَ النَّبِیُّ ﷺ إِذَا رَجَعَ مِنْ غَزْوٍ أَوْ سَفَرٍ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ ثُمَّ يَأْتِی فَاطِمَةَ» ''رسول اللہ ﷺ جب بھی کسی غزوہ یا سفر سے لوٹتے تو سب سے پہلے مسجد آتے پھر اپنی لختِ جگر نورِ نظر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے''.

گویا کائنات کے آقا کو ربِّ کائنات کے بعد سب سے زیادہ یاد اپنی بیٹی کی آتی.

۵- ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ سے، جب انہوں نے ابوجہل کی بیٹی سے شادی کرنی

چاہی، فرمایا: «أَنَّ بَنِی هِشَامِ بْنِ الْمُغِيرَةِ إِسْتَأْذَنُونِی أَنْ يَنْكِحُوا ابْنَتَهُمْ عَلِیَّ بْنَ أَبِی طَالِبٍ، فَلَا آذَنُ لَهُمْ ثُمَّ لَا آذَنُ لَهُمْ ثُمَّ لَا آذَنُ لَهُمْ، إِلَّا أَنْ يُحِبَّ بْنُ أَبِی طَالِبٍ أَنْ يُطَلِّقَ إِبْنَتِی وَيَنْكِحَ إِبْنَتَهُمْ، فَإِنَّ فَاطِمَةَ بُضْعَةٌ مِنِّی يُرِيبُنِی مَا رَابَهَا وَيُؤْذِينِی مَا آذَاهَا» ''بنو ہشام بن مغیرہ نے مجھ سے اپنی بیٹی کا علی بن ابی طالب سے نکاح کرنے کی اجازت طلب کی ہے، میں انہیں اس کی کبھی اجازت نہیں دے سکتا، کیا ابو طالب کا بیٹا پسند کرے گا کہ وہ میری بیٹی کو طلاق دے کر ان کی لڑکی سے شادی کر لے؟ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جو چیز اسے شک میں ڈالتی ہے وہ مجھے بھی مشکوک ہے، اور جو چیز اسے تکلیف پہنچاتی ہے وہ میرے لئے بھی اذیت ناک ہے'' (مسلم/حدیث: ۲۴۴۹).

۶- ایک اور روایت میں یوں ہے: «إِنَّمَا فَاطِمَةُ بُضْعَةٌ مِنِّی، وَأَنَا أَكْرَهُ أَنْ تُفْتَنَ، وَذَكَرَ أَبَا الْعَاصِ بْنَ الرَّبِيعِ فَأَحْسَنَ عَلَيْهِ الثَّنَاءَ، وَقَالَ إِنَّهُ لَا يُجْمَعُ بَيْنَ بِنْتِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَبَيْنَ بِنْتِ عَدُوِّ اللّٰهِ» ''فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، مجھے یہ ناپسند ہے کہ اسے آزمائش میں ڈالا جائے، پھر آپ نے اپنے بڑے داماد ابو العاص بن ربیع کا ذکر خیر فرمایا، پھر فرمایا: یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ کے رسول (ﷺ) اور اللہ کے دشمن کی بیٹیاں ایک شخص کی زوجیت میں جمع ہوں''.

چنانچہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی کے ڈر سے ہی علی رضی اللہ عنہ نے ان کی زندگی میں دوسرا نکاح نہیں کیا.

لیکن افسوس! ہمارے معاشرے میں بھی بیٹوں اور بیٹیوں میں تفریق اور بچوں کو بچیوں پر ترجیح دینے کی وہی جہالت موجود ہے جو کبھی عربوں میں تھی، کتنے لوگ ایسے ہیں کہ بیٹے کی پیدائش پر تو لڈو بانٹتے پھرتے ہیں لیکن لڑکی کی پیدائش پر ان کا منہ لٹک جاتا ہے، بیویوں سے روٹھ جاتے ہیں، نہ صرف روٹھتے ہیں بلکہ کئی ایسے اشخاص ہیں جنہوں نے لڑکیوں کی پیدائش پر اپنی بیویوں کو طلاق دے دی، ہزاروں وہ ہیں جنہوں نے حالتِ حمل میں اپنی بیویوں کی طبّی جانچ کروائی اور جب انہیں یہ پتہ چلا کہ آنے والا مہمان لڑکا نہیں بلکہ لڑکی ہے، انہوں نے اپنی قساوتِ قلبی سے حمل ساقط کروادیا، ایسے کئی واقعات میں تو ان گنت عورتوں کی قیمتی جانیں بھی ضائع ہوگئیں، یہ بالکل وہی جہالتِ کبریٰ ہے، جس میں ایامِ بعثت سے پہلے عرب قوم گرفتار تھی کہ وہ معصوم بچیوں کو زندہ درگور کردیتے تھے، جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ﴾ (جب زندہ درگور کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کے سبب قتل کی گئی) [التکویر: ۸-۹].

اس لئے ہر مسلمان کے لئے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو ضروری ہے کہ وہ بچہ ہو یا بچی ہر ایک کو اللہ کی امانت اور اس کا تحفہ سمجھتے ہوئے قبول کر لے، کیونکہ وہی قادرِ مطلق ہے، وہی جو چاہتا ہے عطا کرتا ہے: ﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاۗءُ عَقِيْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ﴾ (آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اللہ کے لئے ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے، یا انہیں لڑکے اور لڑکیاں ملا کر دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے، وہ بے شک بڑا جاننے والا، بڑی قدرت والا ہے)۔ (الشوریٰ: ۴۹، ۵۰)۔

کان میں اذان کہنا:

بچّے کی ولادت کے بعد سب سے پہلا یہ کام کیا جائے کہ کسی نیک، دیندار اور پرہیز گار شخص کے ذریعے اس کے کان میں اذان کہلوائی جائے، یہ اس لئے کہ دنیا میں آنے کے بعد بچے کے کان میں سب سے پہلے رب العالمین کے نام اور کلمہء شہادت «أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أنّ محمدا رسول الله» کی صدا گونجے، یہ گویا اس کے دنیا میں آنے کے بعد شہادتین کی تلقین ہے، جیسے کہ اس وقت شہادتین کی تلقین کی جاتی ہے جب ایک مسلمان دنیا سے سفرِ آخرت پر روانہ ہوتا ہے. اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی دعوت اور عقیدۂ توحید کا اہتمام ہے، یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ شیطان اذان کے کلمات سن کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے، وہ اس کی ولادت کے انتظار میں رہتا ہے تا کہ جونہی وہ پیدا ہو تو اس کو چھوئے، اور وہ اس سے اپنے پہلے ہی تعلق میں وہ کلمات سنتا ہے جو اسے ناگوار، غصّہ دلانے والے اور کمزور کرنے والے ہیں تو گویا یہ شیطان اور نفسانی خواہشات کو اسی وقت سے دور کرنے کا اہتمام ہے جب بچہ دنیا کی بُو سونگھتا اور اس کے وجود کی بادِ نسیم سے متمتع ہوتا ہے۔

۱- عن أبی رافع ؓ أنه قال: «رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَذَّنَ فِی أُذُنِ حَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ حِیْنَ وَلَدَتْهُ فَاطِمَةُ» ابو رافع ؓ فرماتے ہیں: "میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے حسن بن علی ؓ کے کان میں اس وقت اذان دی، جب انہیں فاطمہ ؓ نے جنم دیا تھا" (ابوداود، ترمذی، حدیث حسن صحیح)۔

تحنیک:

تحنیک (گھٹی) کا مطلب کھجور کو اچھی طرح چبا کر بچے کے منہ میں ڈالنا اور ہونٹوں پر رگڑنا ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی نیک اور بزرگ شخصیت کے پاس بچے کو لے جایا جائے اور اس کے ذریعے تحنیک اور برکت کی دعا کرائی جائے اور نام رکھوایا جائے، اگر کھجور نہ ملے تو کسی بھی میٹھی چیز سے تحنیک کرائی جاسکتی ہے۔

۱- أبی موسیٰ الأشعری ؓ قال: «وُلِدَ لِی غُلَامٌ فَأَتَیْتُ بِهِ النَّبِیَّ ﷺ فَسَمَّاهُ إِبْرَاهِیمَ وَحَنَّکَهُ بِتَمْرَةٍ وَدَعَا لَهُ بِالْبَرَکَةِ وَدَفَعَهُ إِلَیَّ» قال الراوی: «وَکَانَ أَکْبَرَ وُلْدِ أَبِی مُوسَی» ابو موسیٰ اشعری ؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: "میرے ہاں لڑکا ہوا، میں اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا، آپ نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور کھجور سے اس کی تحنیک کی اور اس کے لئے برکت کی دعا کی، پھر میرے حوالے کیا"، راوی کہتے ہیں کہ: "یہ ابوموسیٰ اشعری ؓ کا سب سے بڑا لڑکا تھا"۔

(البخاری: کتاب العقیقة، باب: تسمیة المولود).

۲- عن أنس بن مالک ؓ قال: كَانَ ابْنٌ لِأَبِی طَلْحَةَ یَشْتَكِی، فَخَرَجَ أَبُو طَلْحَةَ، فَقُبِضَ الصَّبِیُّ، فَلَمَّا رَجَعَ أَبُو طَلْحَةَ، قَالَ: مَا فَعَلَ الصَّبِیُّ؟ قَالَتْ أُمُّ سُلَیْمٍ: هُوَ أَسْكَنُ مَا كَانَ، فَقَرَّبَتْ إِلَیْهِ الْعَشَاءَ، فَتَعَشَّی ثُمَّ أَصَابَ مِنْهَا، فَلَمَّا فَرَغَ، قَالَتْ: وَارِ الصَّبِیَّ، فَلَمَّا أَصْبَحَ أَبُو طَلْحَةَ أَتَی رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَأَخْبَرَهُ، فَقَالَ: «أَعْرَسْتُمُ اللَّیْلَةَ» قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمَا» فَوَلَدَتْ غُلَامًا، فَقَالَ لِی أَبُو طَلْحَةَ: «احْمِلْهُ حَتَّی تَأْتِیَ بِهِ النَّبِیَّ ﷺ»، وَبَعَثَ مَعَهُ بِتَمَرَاتٍ، فَأَخَذَهُ النَّبِیُّ ﷺ فَقَالَ: «أَمَعَهُ شَیْءٌ» قَالُوا: نَعَمْ تَمَرَاتٌ، فَأَخَذَهَا النَّبِیُّ ﷺ فَمَضَغَهَا، ثُمَّ أَخَذَهَا مِنْ فِیهِ فَجَعَلَهَا فِی فَمِ الصَّبِیِّ، ثُمَّ حَنَّكَهُ وَسَمَّاهُ عَبْدَ اللّٰهِ. انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں: "ابوطلحہ ؓ کا ایک بچہ بیمار تھا، ابوطلحہ ؓ اپنے کسی کام سے نکلے اور بچے کا انتقال ہوگیا، جب وہ واپس آئے تو انہوں نے پوچھا: بچے کا کیا حال ہے؟ امّ سلیم ؓ نے کہا: وہ پہلے سے زیادہ سکون میں ہے، پھر انہوں نے ابوطلحہ ؓ کو شام کا کھانا پیش کیا، انہوں نے کھانا کھایا، پھر اپنی بیوی سے ہم بستری کی، جب وہ اس کام سے فارغ ہو گئے تو امّ سلیم ؓ نے کہا: "اب بچے کی تدفین کا بندوبست کرو"، جب صبح ہوئی تو ابوطلحہ ؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور ماجرا

ذکر کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم دونوں نے رات میں ہم بستری کی؟ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، آپ نے فرمایا: ''یا اللہ! ان دونوں کی اس رات میں برکت عطا فرما'' ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اسی رات کے حمل سے ایک بچے کو جنم دیا، مجھے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم اس بچے کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جاؤ، ساتھ ہی کچھ کھجوریں بھی بھیج دیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اس بچے کے ساتھ کچھ لائے ہو؟ لوگوں نے کہا: کھجوریں ہیں، رسول اللہ ﷺ نے انہیں لیا اور چبا کر اپنے منہ سے نکالا اور بچے کے منہ میں ڈالا اور پھر اس کی تحنیک کی اور اس بچے کا نام عبد اللہ رکھا (البخاری: كتاب العقيقة . باب ، تسمية المولود، و كتاب الجنائز ، باب؛ من لم يظهر حزنه عند المصيبة).

عقیقہ:

عقیقہ کے لغوی معنی کاٹنے اور ذبح کرنے کے ہیں، اصطلاحِ شرعی میں نومولود کی جانب سے اس کی پیدائش کے ساتویں دن جو بکرا یا بکری ذبح کی جائے اسے عقیقہ کہتے ہیں، یہ مسنون ہے، رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام سے صحیح اور متواتر روایات سے ثابت ہے:

۱ – عن سلمان بن عمار الضبّی رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ: «مَعَ الْغُلَامِ عَقِيقَةٌ، فَأَهْرِيقُوا عَنْهُ دَمًا، وَأَمِيطُوا عَنْهُ الأَذٰى» سلمان بن عمار الضّبی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لڑکے کے لئے عقیقہ ہے، اس کی جانب سے تم خون بہاؤ، اور اس سے آلائش (سر کے بالوں) کو دور کرو'' (البخاری).

۲ – عن سمرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ: «كُلُّ غُلَامٍ رَهِينَةٌ بِعَقِيقَتِه، تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِه، وَيُسَمّٰى فِيهِ وَيُحْلَقُ رَأْسُهُ» سمرة رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر بچہ اپنا عقیقہ ہونے تک گروی ہے، اس کی جانب سے ساتویں دن جانور ذبح کیا جائے گا، اس دن اس کا نام رکھا جائے اور سر منڈوایا جائے گا.

۳ – عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت، قال رسول الله ﷺ: «عَنِ الْغُلَامِ شَأَتَانِ مُكَافِئَتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَأَة» عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لڑکے کی جانب سے دو بکریاں اور لڑکی کی جانب سے ایک بکری ہے'' (احمد، ترمذی، صحیح).

۴ – عن أم كرز الكعبية رضی اللہ عنہا، أَنَّهَا سَأَلَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ الْعَقِيقَة، فَقَالَ: «شَأتَانِ مُكَافَئَتَانِ وَعَنِ الأنثىٰ وَاحِدَةٌ، وَلَا يَضُرُّكُمْ ذُكْرَانًا كُنَّ أَوْ إِنَاثًا» ام کرز الکعبیہ فرماتی ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے عقیقے کی بابت سوال کیا، تو آپ نے فرمایا: ''لڑکے کی جانب سے دو بکریاں اور لڑکی کی جانب سے ایک بکری ہے، عقیقہ کے جانور چاہے بکرے ہوں یا بکریاں اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا.

(احمد، ترمذی).

۵ – عن عائشة رضی اللہ عنہا أَنَّهَا قَالَتْ: «عَقَّ رسولُ الله ﷺ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ يَوْمَ السَّابِعِ وَسَمَّاهُمَا، وَامَرَ أَن يُمَاطَ عَنْ رُؤُسِهِمَا الأَذٰى» عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ ساتویں دن کیا اسی دن ان کا نام رکھا اور حکم دیا کہ ان کے سروں سے بال مونڈ دیئے جائیں'' (ابوداؤد: باب ماجاء فی وقت العقیقۃ وحلق الرأس والتسمیۃ، صحیح).

عقیقے سے متعلق چند اہم باتیں درجِ ذیل ہیں:

۱ – بچوں کا عقیقہ کرنا سنّت ہے، یہ آپ ﷺ سے کئی متواتر احادیث کے ذریعے قولاً اور عملاً ثابت ہے، جو لوگ عقیقہ نہ کر کے اس کی رقم صدقہ و خیرات کرنے کو ترجیح دیتے ہیں، وہ مخالفِ سنّت عمل کر رہے ہیں، اس طرح عقیقہ ادا ہی نہیں ہوتا.

۲ – ساتویں دن عقیقہ کرنا چاہئے، اگر ساتویں دن ممکن نہ ہو چودھویں اور اکیسویں دن بھی جائز ہے، جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، میمونی کہتے ہیں: میں نے احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے سے پوچھا کہ بچے کا عقیقہ کب کیا جائے؟ فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا اس تعلق سے فرماتی ہیں: ''ساتویں، چودھویں اور اکیسویں دن عقیقہ کیا جائے''. امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ساتویں دن کی قید مستحب ہے، اگر کسی نے بچے کی پیدائش کے چوتھے، یا آٹھویں، یا دسویں دن یا اس کے بعد بھی عقیقہ کرتا ہے تو اس کے لئے کافی ہوگا. (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: تحفۃ المودود بأحکام المولود: لِابن قیّمؒ).

۳ – بچے کے عقیقہ کے لئے دو اور بچی کے لئے ایک بکرا یا بکری ضروری ہے. کچھ علماء نے کہا ہے کہ اگر کسی کے پاس استطاعت نہیں ہے تو وہ لڑکے کے عقیقہ میں ایک جانور بھی ذبح کر سکتا ہے، ان کی دلیل عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت ہے: «أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَقَّ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ كَبْشًا

كَبْشًا» کہ آپ ﷺ نے حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے عقیقے میں ایک ایک دُنبہ ذبح کیا۔ کچھ علماء نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ سنن نسائی کی روایت سے یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ اپنے نواسوں کے عقیقے میں دو دو دُنبے ذبح کئے (رواہ ابوداؤد).

عن عبد الله بن عباس رضى الله عنهما أنه قال: «أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَقَّ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ كَبْشَيْنِ كَبْشَيْنِ» عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ''آپ ﷺ نے حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے عقیقے میں دو دو دُنبے ذبح کئے'' (نسائی).

۴- ساتویں دن بچے یا بچی کے سر کے بال (زعفران کے پانی سے تر کرکے) مونڈ دیئے جائیں، اور ان بالوں کو چاندی سے وزن کرکے صدقہ اور خیرات کر دیا جائے۔

عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ: «أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَمَرَ بِحَلْقِ رَأْسِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ يَوْمَ سَابِعِهِمَا، فَحُلِقَا، وَتُصُدِّقَ بِوَزْنِ فِضَّةٍ» انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''رسول اللہ ﷺ نے ساتویں دن حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے سر منڈوانے کا حکم دیا، جب وہ مونڈ دیئے گئے تو اس کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کر دی گئی'' (ترمذی، حاکم، بیہقی، حدیث صحیح).

۵- مذکورہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیقہ کے دن ہی نام رکھنا چاہئے، جیسا کہ آپ ﷺ نے اپنے نواسوں کا ساتویں یعنی عقیقہ کے دن نام رکھا، چند روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ساتویں دن سے پہلے بھی نام رکھا جاسکتا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت سے ثابت ہے: عن أنس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: «وُلِدَ لِيَ اللَّيْلَةَ غُلَامٌ فَسَمَّيْتُهُ بِاسْمِ أَبِي إِبْرَاهِيمَ» انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گزشتہ رات میں میرے ہاں لڑکا ہوا، میں نے اس کا نام اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کے نام پر ابراہیم رکھا'' (مسلم).

۶- عقیقہ کا گوشت خود بھی کھائیں اور دوست واحباب، اقارب ورشتہ دار، غرباء ومساکین وغیرہ کو کھلائیں، چاہے بانٹ دیں یا پکا کر کھلائیں، دونوں طرح جائز ہے۔

۷- لوگوں میں یہ جو مشہور ہے کہ عقیقہ کے جانور کی ہڈیاں نہیں توڑنی چاہئے، بلکہ انہیں جوڑوں سے کاٹ کر الگ کرنا چاہئے، اس سلسلے میں تابعین سے کچھ مرسل روایات بھی ذکر کی گئی ہیں، لیکن ان کی کوئی

حقیقت نہیں، اس لئے کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی مرفوع روایت مذکور نہیں ہے۔ اور اس لئے بھی کہ اگر ہڈی کو نہ توڑا گیا تو اس گوشت سے کما حقہ، فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا، اس لئے یہ مرسل روایات حجت اور دلیل نہیں۔

۸- کئی لوگ گائے کے حصّوں سے عقیقہ ادا کرتے ہیں، مثلاً اگر کسی نے اپنے تین لڑکوں اور ایک لڑکی کا عقیقہ کرنا چاہا، اس نے ایک گائے لے لی اور اس کو اپنے بچوں کی جانب سے عقیقہ میں ذبح کر دیا، یہ طریقہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس کی کوئی سند صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین سے نہیں ملتی، اس لئے بھی کہ ایک فرد کی جانب سے ایک جانور (لڑکا ہو تو دو) کا خون بہانا ضروری ہے اور یہی رسول اللہ ﷺ کی سنّت ہے، اگر کئی بچوں کے عقیقہ میں ایک خون بہایا جائے تو یہ خون ایک فرد کے جانب سے ہے گا نہ کہ تمام کی جانب سے۔ جب کہ اس میں کئی افراد کی جانب سے ایک جانور ذبح کیا جا رہا ہے، جیسا کہ قربانی میں کیا جاتا ہے، واضح رہے کہ قربانی کے شرائط اور ہیں اور عقیقے کے احکام الگ ہیں، عقیقہ کو قربانی پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اور غلط ہے۔

۹- کیا عقیقے میں بکرا بکری اور مینڈھا مینڈھی کے علاوہ دیگر جانور مثلاً اونٹ، گائے وغیرہ کو ذبح کیا جاسکتا ہے؟ اس بارے میں اختلاف ہے، کچھ لوگوں نے دیگر جانوروں کو بھی ذبح کرنے کو جائز قرار دیا ہے، ان کی دلیل یہ حدیث ہے: عن سلمان بن عمار الضبى رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ: «مَعَ الْغُلَامِ عَقِيقَةٌ، فَأَهْرِيقُوا عَنْهُ دَمًا، وَأَمِيطُوا عَنْهُ الْأَذَى» سلمان بن عمار الضبی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لڑکے کے لئے عقیقہ ہے، اس کی جانب سے تم خون بہاؤ، اور اس سے گندگی (سر کے بالوں) کو دور کرو'' (البخاری).

وہ کہتے ہیں کہ خون بہانے پر عمل، گائے، اونٹ اور اونٹنی ذبح کرکے بھی کیا جاسکتا ہے۔ جب کہ دیگر علماء کہتے ہیں کہ سلمان بن عمار رضی اللہ عنہ کی روایت مجمل ہے، جب کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت مفصل ہے، اور مفصل روایت مجمل سے بہتر ہے۔ اور وہ یہ ہے: عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: قال رسول الله ﷺ «عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مُكَافِئَتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ» عائشہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لڑکے کی جانب سے دو مساوی بکریاں اور لڑکی کے لئے ایک بکری ہے''.

حقیقت یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے صرف بکرا بکری اور مینڈھا مینڈھی ہی ثابت ہیں، اس کے علاوہ جتنے بھی اقوال ہیں وہ لائقِ اعتنا نہیں۔

۱۰- جس کا عقیقہ بچپن میں نہیں کیا گیا جیسا کہ ہندوپاک میں کئی جگہوں پر ہوتا ہے کہ بجائے عقیقے کے، چھٹے دن پر چھٹی اور چالیسویں دن پر چلّہ کیا جاتا ہے، اگر کسی کو بڑا ہونے کے بعد اس کا شعور ہوا، وہ اگر عقیقہ کرنا چاہے تو کرسکتا ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ سے کچھ روایات ایسی مروی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے نبوت ملنے کے بعد اپنا عقیقہ کیا، اور یہ روایت صحیح ہے: عن الهيثم بن جميل عن عبد الله المثنى عن ثمامة عن أنس رضی اللہ عنہ «أن النبي ﷺ سعَقَّ عَنْ نَفْسِهِ» (أخرجه إبن حزم في "المحلّى"، (٢٣٩/٦) والطحاوي في "المشكل"، (٧٨/٣،٧٩) قال الحافظ: «سنده قوي، و هيثم بن جميل ثقة، و عبد الله المثنى من رجال البخاري»، فتح الباري: ٥١٥/٩) (تحفة المودود بأحكام المولود لابن القيّم).

۱۱- عقیقے کے جانور کا چمڑا بیچ کر اس کی قیمت صدقہ کردینا چاہئے، اسی طرح سری پائے وغیرہ بھی صدقہ کردینا چاہئے، قصاب کو ان چیزوں میں سے کوئی چیز بطورِ اجرت نہیں دینا چاہئے، اگر چمڑے کو اپنے گھریلو استعمال میں لانا چاہے تو جائز ہے

۱۲- اگر کسی بچے کے عقیقے کے دن عید الاضحیٰ آجائے تو کیا عقیقہ اور قربانی دونوں کی جائے یا بچہ کی جانب سے قربانی ہی اس کے عقیقے کے لئے کافی ہوجائے گی؟ اس سلسلے میں راجح بات یہی ہے کہ اگر باپ کے پاس استطاعت ہو تو وہ دونوں الگ الگ کرے، قربانی بھی اور عقیقہ بھی، اگر استطاعت نہیں ہے تو پھر بچے کی جانب سے قربانی ہی کردے جو انشاء اللہ اس کے عقیقے کے لئے بھی کافی ہوجائے گی۔

۱۳- عقیقے کا جانور ذبح کرتے ہوئے یہ دعا پڑھیں، جو عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت میں مروی ہے:

۱- عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: قال النبي ﷺ: «اذبحوا على إسمه فقولوا: بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ لَكَ، وَإِلَيْكَ، هٰذِهِ عَقِيقَةُ فُلَانٍ»

(رواه عبد الرزاق في «المصنّف» (٣٣٠/٤، ٧٩٦٣) وأبو يعلى: (٣٠١/٤، ٤٥٠٤) الحكم: (٢٣٧/٤) البيهقي: (٣٠٤/٩) وصححه الحاكم، ووافقه الذهبي، وصححه إبن السّكن، كما في «التلخيص الحبير» لأبن حجر: (١٤٧/٤) (تحفة المودود بأحكام المولود).

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس بچے کے نام پر یہ کہہ کر ذبح کرو: بسم اللہ (اللہ کے نام سے) یا اللہ یہ تیرا ہے اور تیری ہی جانب ہے، یہ فلان...... یہاں نام لے.......... کا عقیقہ ہے،

۲- یا وہ دعا پڑھیں جو عموماً قربانی کے لئے پڑھی جاتی ہے، اس لئے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: "إذا أراد الرّجل أن يَعُقَّ كيف يقول؟ قال: يَقُولُ بِسْمِ اللّٰهِ وَيَذْبَحُ عَلَى النِّيَّةِ كَمَا يُضَحِّي بِنِيَّتِهِ، وَيَقُولُ: هٰذِهِ عَقِيقَةُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ» امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: "اگر کوئی شخص عقیقہ کا جانور ذبح کرنا چاہے تو کیا کہے؟ تو آپ نے فرمایا: بسم اللہ کہہ کر نیّت پر ذبح کرے جس طرح کہ وہ قربانی کے لئے کرتا ہے اور کہے: یہ فلان بن فلان کا عقیقہ ہے" (تحفة المودود بأحكام المولود: ١١٢).

عقیقے (اور قربانی) کی دعا یہ ہے: «اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ عَقِیْقَةِ» .... یہاں پر نام لیں .... «بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ» کہہ کر ذبح کردیں۔

۳- اگر دل میں عقیقے کی نیت رکھ کر زبان سے الفاظ کو نہ ادا کرتے ہوئے «بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ» کہہ کر ذبح کردیں تب بھی کافی ہے۔

۱۴- وہ احکام جو ساتویں دن سے متعلق ہیں، وہ چار ہیں: ۱- عقیقہ کرنا۔ ۲- بال اتارنا۔ ۳- نام رکھنا، ۴- اور لڑکے کے لئے ختنہ کرنا۔

ناموں کے متعلق اسلامی احکام:

ساتویں دن بچے یا بچی کا نام رکھا جائے، ناموں کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے اپنی امّت کو واضح احکامات دئے ہیں، آپ ﷺ فرماتے ہیں: عن أبي الدرداء رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ: «إِنَّكُمْ تُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأَسْمَآئِكُمْ وَبِأَسْمَآءِ آبَآئِكُمْ فَأَحْسِنُوا أَسْمَآئَكُمْ» رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم قیامت کے دن اپنے اور اپنے آباء کے ناموں سے پکارے جاؤ گے، اس لئے تم اپنے نام اچھے رکھو"۔

(أبوداؤد بأسناد حسن وضعّفه الألباني ضعيف أبوداؤد رقم ١٠٥٣ وضعيف الجامع: ٢٠٣٦).

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن لوگوں کو ان کے اپنے ناموں کے ساتھ ان کی ولدیت (یعنی باپ کے نام) سے پکارا جائے گا، مذکورہ حدیث اگر چہ کہ ضعیف ہے لیکن اس کی تائید بخاری ومسلم کی صحیح روایت سے ہوتی ہے: عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: «إِذَا جَمَعَ اللّٰهُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يُرْفَعُ بِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيُقَالُ: هٰذِهِ غَدْرَةُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ» ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالی تمام اگلوں پچھلوں کو میدان محشر میں جمع کرے گا، پھر ہر غدّاری کرنے والے شخص کے لئے ایک جھنڈا بلند کیا جائے گا اور کہا جائے گا: یہ فلاں کے بیٹے فلاں کی غدّاری ہے'' (بخاری: کتاب الأدب، باب: یدعیٰ الناس بآبائهم، مسلم: کتاب الجهاد باب: تحریم الغدر).

عام طور پر لوگوں میں جو مشہور ہے کہ روزِ محشر ہر شخص کو اس کی ماں کے نام ساتھ پکارا جائے گا، اس کی کوئی اصل نہیں ہے.

عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ: «إِنَّ أَحَبَّ أَسْمَآئِكُمْ إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ عَبْدُ اللّٰهِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ» رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالی کو تمہارے ناموں میں سے سب سے پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمن ہیں'' (مسلم: حدیث رقم / ۲۱۳۲).

عن أبي وهب الجشمي رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ: «تَسَمَّوْا بِأَسْمَآءِ الْأَنْبِيَاءِ، وَأَحَبُّ أَسْمَآئِكُمْ إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ عَبْدُ اللّٰهِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ، وَأَصْدَقُهَا حَارِثٌ وَهَمَامٌ، وَأَقْبَحُهَا حَرْبٌ وَمُرَّةُ» رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم انبیاء علیہم السلام کے نام رکھا کرو، اور اللہ کے پاس پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمن ہیں، سب سے سچے نام حارث اور ہمام ہیں، اور بدترین نام حرب (اُجڑا ہوا) اور مرّہ (کڑوا، کسیلا) ہیں'' (أبو داؤد: ۵/۲۳۷، کتاب الأدب /باب تغيير الأسماء) والنسائي: (۶/۲۱۸، الخيل / ما يستحب من شية الخيل. والحديث ضعيف. وهو صحيح بدون زيادة «تسموا بأسماء الأنبياء» (صحيح الأدب المفرد للبخاري: رقم/ ۶۲۵).

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: «أَغْيَظُ رَجُلٍ عَلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَخْبَثُهُ رَجُلٌ تُسَمَّى مَلِكَ الْأَمْلَاكِ، لَا مُلْكَ إِلَّا لِلّٰهِ» ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالی کے پاس روزِ محشر سب سے بُرا اور مبغوض آدمی وہ ہوگا جسے شہنشاہ کے نام سے پکارا جاتا ہے، جب

کہ بادشاہت سوائے اللہ کے اور کسی کی نہیں'' (مسلم: رقم ۲۱۴۳).

بُرے ناموں کو بدل دینا چاہیئے:

عن عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہ أنه قال: «أَنَّ ابْنَةً لِعُمَرَ كَانَ يُقَالُ لَهَا عَاصِيَةُ، فَسَمَّاهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ جَمِيلَةَ» عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی ایک بیٹی تھی جس کا نام عاصیہ (نافرمان) تھا، آپ ﷺ نے اس کا نام بدل کر جمیلہ (خوب صورت) رکھ دیا'' (ترمذی، ابن ماجہ).

عن سعيد بن المسيب رحمه الله عن أبيه عن جدّه قال: «أَتَيْتُ رسول الله ﷺ فقال ما اسْمُكَ؟ قُلْتُ: حَزْنٌ، فَقَالَ: أَنْتَ سَهْلٌ، قَالَ: لَا أُغَيِّرُ إِسْمًا سَمَّانِيهِ أَبِي، قَالَ ابْنُ الْمُسَيِّبِ: فَمَا زَالَتْ تِلْكَ الْحَزُونَةُ فِينَا بَعْدُ» سعید بن مسیب اپنے باپ کے ذریعے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں: کہ وہ (سعید کے دادا) کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، آپ نے مجھ سے پوچھا: تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے کہا: میرا نام حزن (سختی، رنج اور غم) ہے. آپ ﷺ نے فرمایا: تم سھل (نرمی اور آسانی) ہو، میں نے کہا: میرے باپ نے میرا جو نام رکھا ہے میں اسے بدلنا نہیں چاہتا. سعید فرماتے ہیں: کہ (رسول اللہ ﷺ کی بات نہ ماننے سے، اور اس نام کی تاثیر سے) یہی سختی اور رنج ہماری زندگی میں ہمیشہ کے لئے آ گیا. (البخاری).

عن يحيى بن سعيد أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ لِرَجُلٍ: مَا اسْمُكَ؟ قَالَ: جَمْرَةُ، قَالَ: اِبْنُ مَنْ؟ قَالَ: اِبْنُ شِهَابٍ، قَالَ مِمَّنْ؟ قَالَ مِنَ الْحُرَقَةِ، قَالَ: أَيْنَ مَسْكَنُكَ؟ قَالَ بِحَرَّةِ النَّارِ، قَالَ بِأَيَّتِهَا؟ قَالَ بِذَاتِ لَظَى، قَالَ عُمَرُ: أَدْرِكْ أَهْلَكَ فَقَدْ هَلَكُوا وَاحْتَرَقُوا، فَكَانَ كَمَا قَالَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ (مؤطا إمام مالك) یحیٰ بن سعید کہتے ہیں: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے پوچھا: تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا: جمرہ (چنگاری) پوچھا: تمہارے باپ کا نام کیا ہے؟ اس نے کہا: شہاب (شعلہ) ہے، پوچھا: کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہو؟ کہا حرقہ (حرارت) سے، پوچھا: کہاں کے باشندے ہو؟ کہا: حرّة النار (سیاہ کنکریلی جھلسی ہوئی زمین) کا، فرمایا: یہ کونسے علاقے میں ہے؟ کہنے لگا: ذات لظی (آگ کی لپیٹ) میں، آپ نے جب اس کی یہ باتیں سنیں تو فرمایا: تم فوراً اپنے اہل وعیال کے پاس پہنچو، اس لئے کہ وہ ہلاک ہو گئے اور جل گئے ہیں، وہ جب اپنے علاقے میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ جیسا عمر رضی اللہ عنہ نے

فرمایا تھا ویسا ہی حادثہ پیش آیا۔

☆ان احادیث اور واقعات سے معلوم ہوا کہ بُرے ناموں کی بُری تاثیر ہوا کرتی ہے، اس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنی اولاد کا اچھا نام رکھے اس لئے کہ اچھے ناموں کی تاثیر بھی ان شاء اللہ اچھی ہوگی۔

☆ایسے نام بھی نہیں رکھنا چاہئے جن کے معانی تو صحیح ہوں لیکن اگر ان کی غیر موجودگی میں یہ کہہ دیا جائے کہ ''وہ نہیں ہے'' آدمی کو بُرا لگے اور ایک طرح کی بدشگونی ہو جائے، جیسا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: عن سمرة بن جندب رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «لَا تُسَمِّيَنَّ غُلَامَكَ يَسَارًا وَلَا رَبَاحًا وَلَا نَجَاحًا وَلَا أَفْلَحَ فَإِنَّكَ تَقُوْلُ: أَثَمَّ هُوَ ؟ فَلَا يَكُوْنُ، فَيَقُوْلُ: لَا» سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم اپنے بچے کا نام یسار (آسان) رباح (فائدہ) نجاح (کامران) اور اَفلح (کامیاب) نہ رکھا کرو، کیونکہ جب تم یہ کسی سے یہ پوچھو گے کہ: کیا وہ ہے؟ اگر وہ موجود نہ ہو تو وہ تمہیں جواب دے گا کہ ''نہیں'' ہے'' (رواہ مسلم: رقم/ ٢١٣٧)۔

☆ایسے ناموں سے بچنا چاہئے جن میں شرک پایا جاتا ہے، مثلاً: عبد النبی، عبد الرسول، عبد الکعبہ، عبد العزیٰ، عبد مناف وغیرہ۔

☆فرشتوں کے نام نہ رکھے جائیں، جیسے: جبریل، میکائیل، اسرافیل وغیرہ۔

☆شیطانی نام نہیں رکھنے چاہئیں، جیسے: خنزب، ولھان، اَعور، اَجدع وغیرہ۔

☆قرآنی سورتوں کے نام نہ رکھنا چاہئے، مثلاً: یٰس، طٰہٰ، حٰم وغیرہ، عام طور پر لوگوں میں مشہور ہے کہ یٰس اور طٰہٰ رسول اللہ ﷺ کے نام ہیں، اس تعلق سے نہ کوئی صحیح حدیث وارد ہے نہ حسن اور نہ ہی مرسل روایت اور نہ ہی کوئی اثر، بلکہ یہ بھی قرآن مجید کے دیگر حروف مقطعات، جیسے: الٓمٓ، حٰمٓ، الرٰ کی طرح ہی ہیں۔

☆ایسے ناموں سے بھی پرہیز کرنا چاہئے جن میں بے جا تکلف، تصنع اور اشتیاق پایا جاتا ہے، جیسے لڑکیوں کے نام تمنّا، آرزو، ارمان، حور، وغیرہ رکھنا۔

☆ایسے ناموں سے بھی باز رہیں جن عورتوں کے ناموں میں مردوں کے ناموں سے اور مردوں کے ناموں میں عورتوں کے ناموں سے مشابہت پائی جاتی ہے۔

☆اسی طرح ایسے نام جن میں غیر مسلموں کے ناموں کا شبہ ہوتا ہے نہ رکھے جائیں، لڑکوں کے

ناموں میں مثلاً: سورج، کرن وغیرہ اور لڑکیوں کے ناموں میں: قسمت، ریکھا، نیہا، وغیرہ۔

کنیت والے نام:

بچوں کے نام کنیت والے بھی رکھ سکتے ہیں، تاکہ ان میں بلند کرداری، اعلیٰ ظرفی اور علو ہمتی کا احساس پیدا ہو، جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ خُلُقًا، وَكَانَ لِي أَخٌ يُقَالُ لَهُ أَبُوْ عُمَيْرٍ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا جَاءَهُ يَقُوْلُ لَهُ: يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ؟ قَالَ الرَّاوِيُ: أَظُنُّهُ كَانَ فَطِيْمًا» انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ خلیق تھے، میرے ایک بھائی کا نام ابو عمیر تھا، جب کبھی آپ اس کے پاس آتے تو فرماتے: اے ابو عمیر! تمہارے مولے (ایک پرندہ جس سے وہ کھیلا کرتے تھے) کا کیا حال ہے؟ راوی کہتے ہیں: میرا خیال ہے کہ ابو عمیر دودھ پیتے بچے تھے'' (متفق علیہ)۔

☆کنیت کے لئے ضروری نہیں کہ آدمی بچے ہونے کا انتظار کرے، بچے نہ ہونے کے باوجود آدمی اپنی کنیت رکھ سکتا ہے، اس طرح کی بے شمار مثالیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملتی ہیں، مثلاً: ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنی کنیت سے ہی معروف ہیں جب کہ بکر نام کی آپ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھی ''ہریرہ'' نامی کوئی لڑکا نہ تھا، نہ ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کا کوئی لختِ جگر ''ذر'' کے نام کا ہے، انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو بچوں کی پیدائش سے قبل ہی ابو حمزہ کے نام سے پکارا جاتا تھا اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو سلیمان ہے جب کہ آپ کی اولاد میں ''سلیمان'' نام کا کوئی بیٹا نہیں تھا۔

☆اپنے قریبی رشتہ داروں کے بچوں کی طرف نسبت کرتے ہوئے بھی کنیت رکھی جا سکتی ہے، جیسا کہ امّ المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیت اُمّ عبد اللہ تھی، آپ نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت مانگی کہ انہیں اپنے بھانجے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی طرف نسبت کرتے ہوئے اپنی کنیت اُمّ عبد اللہ رکھنے کی اجازت دی جائے، آپ ﷺ نے انہیں اجازت عطا فرمائی، اسی وجہ سے آپ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو اپنے بچے کی طرح چاہتی تھیں۔

ختنہ:

ختنہ لغت میں اس زائد چمڑی کو کہتے ہیں جو مرد کے عضوِ تناسل کے سر پر رہتی ہے، اس زائد چمڑی کو کاٹ دینے سے نظافت اور پاکیزگی کا اہتمام ہوتا ہے، اس لئے کہ پیشاب، منی وغیرہ جب اس چمڑی میں رہ جائے تو گندگی اور بدبو پیدا کرتے ہیں، جس کے سبب انسان ذکر کے کینسر کا شکار بھی ہوسکتا ہے۔ اسلام دین ودنیا کی پاکیزگی کی تعلیم دیتا ہے، اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں، یہ الگ بات ہے کہ اس کے احکام کی بہت سی مصلحتوں تک انسانی ذہن کی رسائی نہیں ہوسکی، ختنہ کرنا ابراہیم علیہ السلام کی سنّت ہے، جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: ((إِنَّ إِبْرَاهِيمَ عليه السلام إِخْتَتَنَ وَهُوَ إِبْنُ ثَمَانِينَ سَنَةً)) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ابراہیم علیہ السلام نے اسّی سال کی عمر میں (بحکم الٰہی) اپنا ختنہ کرلیا“ (متفق علیہ).

چونکہ اللہ تعالیٰ نے جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی ملّت ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا ہے: ﴿ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا﴾ (پھر ہم نے وحی نازل کی کہ آپ ملتِ ابراہیم کی پیروی کیجیے، جو سب سے کٹ کر اللہ کے ہوگئے تھے) [النحل: ۱۲۳].

اسی لئے آپ ﷺ نے نہ صرف ختنہ کا حکم دیا بلکہ عملاً امّت کو اس کی تاکید فرمائی اور اسے انسانی فطرت میں سے ایک قرار دیا: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((أَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ، أَلْخِتَانُ، وَالإِسْتِحْدَادُ، وَقَصُّ الشَّارِبِ، وَتَقْلِيمُ الأَظَافِرِ، وَنَتْفُ الإِبِطِ)) ”پانچ باتیں انسانی فطرت میں سے ہیں: ۱- ختنہ کرنا ۲- زیرناف کے بال مونڈنا ۳- مونچھ کتروانا ۴- ناخن تراشنا ۵- اور بغل کے بال اکھاڑنا“.

(متفق علیہ)

دوسری روایت میں ہے: عن عمّار بن یاسر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ((مِنَ الْفِطْرَةِ: اَلْمَضْمَضَةُ، وَالإِسْتِنْشَاقُ، وَقَصُّ الشَّارِبِ، وَالسِّوَاكُ، وَتَقْلِيمُ الأَظَافِرِ، وَنَتْفُ الإِبِطِ، وَالإِسْتِحْدَادُ، وَالإِخْتِتَانُ)) عمّار بن یاسر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یہ تمام باتیں فطرت میں داخل ہیں: ۱- کلّی کرنا ۲- ناک میں پانی چڑھانا ۳- مونچھ کتروانا ۴- مسواک کرنا ۵- ناخن تراشنا ۶- بغل کے بال اکھاڑنا ۷- زیرناف کے بال مونڈنا ۸- ختنہ کرنا“ (رواہ احمد).

ختنہ کس عمر میں کیا جائے اس بارے میں علماء میں اختلاف ہے، صحیح بات یہی ہے کہ اگر لڑکا صحت مند اور تندرست ہو تو عقیقے کے دن ہی ختنہ کردینا چاہئے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے نواسوں کا کیا: عن جابر رضی اللہ عنہ قال: ((عَقَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ، وَخَتَنَهُمَا لِسَبْعَةِ أَيَّامٍ)) جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ”رسول اللہ ﷺ نے حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ اور ختنہ ساتویں دن کیا“.

(المعجم الصغیر للطبرانی: ۲/۱۲۲).

اگر بچے کی صحت ٹھیک نہیں ہے اور وہ کمزور ہے تو اس کے صحت مند اور طاقتور ہوجانے کے بعد بھی کیا جاسکتا ہے، علماء نے زیادہ سے زیادہ ختنہ کی عمر دس سال ذکر کی ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ دس سال تک انتظار کیا جائے، بلکہ ممکن حد تک اس معاملے میں جلدی کرنی چاہئے اور بچے کو گندگی وبدبو سے نجات دلانی چاہئے. بہت سے لوگ بچے کے ختنہ کے دن دعوتیں کرتے اور جشن مناتے اور فضول خرچی کرتے ہیں، اس طرح کی دعوتوں کا کوئی ثبوت رسول اللہ ﷺ اور صحابہ وتابعین سے نہیں ملتا، اس لئے ان تمام خرافات سے دور رہنا چاہئے.

باب سوم

اَولاد کے حقوق

اَولاد کے متعلق باپ کی ذمّہ داریاں:

اولاد کی تربیت میں باپ کی سب سے اہم ذمّہ داری ہے، اس لئے کہ باپ سے فطرةً اولاد ڈرتی اور لحاظ کرتی ہے، آپ ﷺ نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: «كُلُّكُم رَاعٍ وَكُلُّكُم مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالأَمِيرُ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَلٰى رَعِيَّتِه، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰى أَهْلِ بَيْتِه، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِه، فَكُلُّكُم رَاعٍ وَكُلُّكُم مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ» ''تم میں سے ہر ایک ذمّہ دار ہے اور اپنی ذمّہ داری کے متعلق پوچھا جائے گا، امیر اپنی رعیت کا، مرد اپنے اہل وعیال کا اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور بچوں کی ذمّہ دار ہے، اس طرح تم میں سے ہر شخص ذمّہ دار ہے اور اپنی ذمّہ داری کے متعلق پوچھا جائے گا''.

(متفق علیہ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما).

اس سے معلوم ہوا کہ اولاد کی دینی وایمانی تربیت باپ کی ذمّہ داری ہے اور اس تعلق سے وہ اللہ کے پاس جواب دہ ہے.

عن أبی موسی الأشعری رضی اللہ عنہ أن رسول الله ﷺ قال: «مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ نَحْلٍ أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ» ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کسی باپ نے اپنے بیٹے کو اچھے ادب سے زیادہ کوئی بہترین عطیہ نہیں دیا'' (ترمذی).

عن إبن عباس رضی الله عنهما عن رسول الله ﷺ أَنَّهُ قَالَ: «أَكْرِمُوا أَوْلَادَكُم وَأَحْسِنُوا أَدَبَهُم» عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم اپنی اولاد کی قدر کرو اور ان کی اچھی تربیت کرو'' (اِبن ماجہ).

عن علی رضی اللہ عنہ أَنَّهُ قَالَ: «عَلِّمُوا أَوْلَادَكُم وَأَهْلِيكُم الْخَيرَ وَأَدِّبُوهُم» علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اپنے اہل وعیال کو بھلائی کی تعلیم دو، اور انہیں ادب سکھلاؤ'' (اخرجه عبد الرزاق فی مسنده).

عن إبن عباس رضی الله عنهما عن رسول الله ﷺ أَنَّهُ قَالَ: «مِنْ حَقِّ الْوَلَدِ عَلَى الْوَالِدِ أَنْ

«يُحْسِنَ أَدَبَهُ وَيُحْسِنَ اسْمَهُ» رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بیٹے کا باپ پر یہ حق ہے کہ اس کا نام اچھا رکھے اور اسے بہترین ادب سکھائے'' (بیہقی).

عن أنس رضي الله عنه عن رسول الله ﷺ أنه قال: «الْغُلَامُ يُعَقُّ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ، وَيُسَمَّى، وَيُمَاطُ عَنْهُ الأَذَى، فَإِذَا بَلَغَ سِتَّ سِنِينَ أُدِّبَ، وَإِذَا بَلَغَ تِسْعَ سِنِينَ عُزِلَ عَنِ الْفِرَاشِ، فَإِذَا بَلَغَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ سَنَةً ضُرِبَ عَلَى الصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ، فَإِذَا بَلَغَ سِتَّةَ عَشْرَةَ سَنَةً زَوَّجَهُ أَبُوهُ، ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِهِ، وَقَالَ قَدْ أَدَّبْتُكَ وَعَلَّمْتُكَ، وَ أَنْكَحْتُكَ، وَأَعُوذُ بِاللهِ مِنْ فِتْنَتِكَ فِي الدُّنْيَا وَعَذَابِكَ فِي الآخِرَةِ» انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بچے کا ساتویں دن عقیقہ کیا جائے، اس کا نام رکھا جائے، اس کے بال مونڈ دئے جائیں، جب وہ چھ سال کا ہو جائے تو اسے ادب سکھایا جائے، جب نو سال کا ہو جائے تو اس کا بستر الگ کر دیا جائے، جب تیرہ سال کا ہو جائے تو نماز نہ پڑھنے پر مارا جائے، جب وہ سولہ سال کا ہو جائے تو باپ اس کی شادی کر دے، پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر کہے: میں نے تیری تربیت کی اور تجھے تعلیم دی، اور تیری شادی کر دی، اور اب میں تیری دنیوی آزمائش اور اخروی عذاب سے اللہ کی حفاظت طلب کرتا ہوں''.

(ابن حبان).

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص اپنے بچے کی نافرمانی کی شکایت لے کر آیا، آپ نے اس کے لڑکے کو بلایا اور اسے اپنے باپ کی نافرمانی اور اس کے حقوق سے لاپرواہی پر ڈانٹ پلائی، لڑکے نے پوچھا: امیر المؤمنین! کیا بیٹے کا باپ پر بھی کوئی حق ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں؟ اس نے کہا: اگر ہے تو آپ بتائیں؟ آپ نے فرمایا: «أَنْ يَنْتَقِيَ أُمَّهُ، وَيُحْسِنَ اسْمَهُ، وَيُعَلِّمَهُ الْقُرْآنَ» ''اس کے لئے ایک پاکیزہ ماں کا انتخاب کرے، اس کا نام اچھا رکھے اور اسے قرآن مجید سکھائے''. لڑکے نے کہا: ''امیر المؤمنین! میرے باپ نے ان تینوں حقوق میں سے ایک بھی ادا نہیں کیا، میری ماں ایک مجوسی کی سوڈانی لونڈی تھی، اور انہوں نے میرا نام جُعل (گوبر میں رہنے والا کالا کیڑا) رکھا، اور مجھے قرآن مجید کا ایک حرف بھی نہیں سکھایا'' عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر باپ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: «جِئْتَ إِلَيَّ تَشْكُو عُقُوقَ ابْنِكَ، وَقَدْ عَقَقْتَهُ قَبْلَ أَنْ يَعُقَّكَ، وَأَسَأْتَ إِلَيْهِ قَبْلَ أَنْ يُسِيءَ إِلَيْكَ» ''تم اپنے لڑکے کی نافرمانی اور اس کے برے سلوک کی شکایت لے کر آئے ہو، جب کہ تم نے اس کے حقوق کے بارے میں (رب کی) نافرمانی کی

اور اس سے پہلے کہ وہ تمہارے ساتھ برا معاملہ کرتا تم نے خود اسکے ساتھ برا سلوک کیا''.

(تربیۃ الأولاد فی الإسلام: ۷: ۱۳۷).

اولاد کے لئے والدین کی دعائیں:

والدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے اپنی اولاد کے حق میں دل کی گہرائیوں سے دعائیں کرتے رہیں، اس لئے کہ اولاد کے حق میں والدین کی دعا رد نہیں کی جاتی بالخصوص جب کہ وہ اپنی فرمانبردار اولاد سے خوش ہوں، اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ وہ اپنے اہل عیال کے لئے ہمیشہ دعائے خیر کرتے رہتے ہیں. ذیل میں چند قرآنی دعائیں ذکر کی جارہی ہیں جنہیں وقتاً فوقتاً انبیائے کرام اور صالحین نے اپنی اولاد کے لئے مانگی تھیں، ہمیں بھی چاہئے کہ اپنی ان کی بھلائی کے لئے ان دعاؤں کا اہتمام کریں:

۱- ابو الأنبیاء ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے رب العالمین سے گڑگڑا کر نیک اولاد کے لئے یہ دعا مانگی: ﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ﴾ (اے میرے رب! مجھے ایک نیک لڑکا دے، تو ہم نے انہیں ایک بردبار بیٹے کی خوشخبری دی) [الصافات: ۱۰۰، ۱۰۱].

۲- زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اس وقت یہ دعا مانگی جب کہ ان پر اولاد سے کُلّی مایوسی چھا چکی تھی، ایسے عالم میں فرماتے ہیں: ﴿قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ﴾ (کہا: اے میرے رب! مجھے تو اپنے پاس سے اچھی اولاد عطا فرما، بے شک تو دعا کو سننے والا ہے).

[آل عمران: ۳۸].

۳- اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن کا ارشاد ہے: ﴿وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا﴾ (اور جو دعا مانگتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کو آنکھوں کی ٹھنڈک بنا، اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا). [الفرقان: ۷۴].

۴- ابو الأنبیاء، خلیل اللہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بناء کعبہ کے مقدس ومبارک موقعہ پر جہاں اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعائیں مانگیں ساتھ ہی اپنی اولاد کے حق میں بھی کئی دعائیں کیں، قرآن کہتا

ہے: ﴿وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ۭ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٢٧﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ (اور (یاد کرو) جب ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی بنیاد اٹھارہے تھے، اور اسماعیل علیہ السلام بھی، اور دعا کرتے تھے کہ اے ہمارے رب! اس عمل کو ہماری طرف سے قبول فرمالے، بے شک تو بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے، اے ہمارے رب! ہمیں اپنا اطاعت گزار بنا، اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو اپنا اطاعت گزار بنا، اور ہمیں ہماری عبادت کے طریقے سکھادے، اور ہمیں بخش دے، بے شک تو بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے) [البقرہ: ۱۲۷، ۱۲۸].

اور اپنی دعا کے آخر میں رب العالمین سے بالخصوص باشندگانِ شہر مکّہ کی اصلاح وتربیت کے لئے امام کائنات شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو مانگا، حقیقت بھی یہی ہے کہ اس دعا کے بعد کسی اور دعا کی حاجت بھی نہیں رہتی. بقولِ شاعر:

سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر
اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دعا کے بعد

فرماتے ہیں: ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (اور اے ہمارے رب! انہی میں سے ایک رسول ان کی ہدایت کے لئے مبعوث فرما، جو تیری آیتیں انہیں پڑھ کر سنائے، اور انہیں قرآن وسنت کی تعلیم دے، اور انہیں پاک کرے، بے شک تو بڑا زبردست اور حکمت والا ہے) [البقرہ: ۱۲۹].

اس دعا کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے بھی پیغمبر بشمول ہمارے رسول جناب محمد ﷺ بھیجے وہ تمام کے تمام آپ کی ہی اولاد میں سے تھے.

۵- امام الحنفاء ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کی بت پرستی سے حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ سے خصوصی دعا فرمائی: ﴿وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿٣٥﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ﴾ (اور مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے بچالے، میرے رب! ان بتوں نے بہتوں کو گمراہ کیا ہے).

[ابراہیم: ۳۵، ۳۶].

شیخ ابراہیم تیمی نے کیا خوب بات کہی ہے: «مَن يَأمَنُ البَلاءَ بَعْدَ الخَلِيلِ علیہ السلام حِينَ يَقُولُ: ﴿وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿٣٥﴾﴾ كَمَا عَبَدَهَا أَبِي وَقَوْمِي» ”خلیل علیہ السلام کے بعد کون مبتلائے فتنہ ہونے کے ڈر سے آزاد رہ سکتا ہے؟ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ: (مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے بچائے رکھنا کہ ہم اس طرح بتوں کی پوجا کریں) جس طرح کہ میرے باپ اور میری قوم نے کی.

(تفسیر قرطبی ۹/ ۳۶۸ بحوالہ: ابراہیم علیہ السلام بحیثیت والد: ڈاکٹر فضل الٰہی).

۶- عام طور پر لوگ اپنی اولاد کو وہاں بساتے ہیں جہاں دنیوی وسائل واسباب کی کثرت ہو، پانی کی فراوانی ہو، اناج، سبزیاں اور پھل وافر مقدار میں ہوں، لیکن ابراہیم علیہ السلام کا معیارِ انتخاب یہ نہ تھا، انہوں نے اپنی اولاد کو وہاں آباد کیا جہاں پانی تھا نہ کھیتی، نہ دنیوی وسائل تھے نہ ہی سامانِ تعیش تھا. لیکن وہ مقام حرمت والے گھر کی جگہ تھی اور وہاں اولاد کے بسانے میں ان کا مقصود یہ تھا کہ وہ اللہ کے مقدس گھر میں نماز قائم کریں. دعا فرماتے ہیں: ﴿رَبَّنَآ اِنِّىْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْىِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ﴾ (اے ہمارے رب! میں نے اپنی بعض اولاد کو تیرے بیت حرام کے پاس ایک وادی میں بسایا ہے جہاں کوئی کھیتی نہیں ہے، اے ہمارے رب! میں نے ایسا اس لئے کیا ہے تاکہ وہ نماز قائم کریں، اس لئے تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف پھیردے، اور بطور روزی انہیں انواع واقسام کے پھل عطا کر، تاکہ وہ تیرا شکریہ ادا کریں) [ابراہیم: ۳۷].

ابراہیم علیہ السلام اپنے اس فیصلے میں ان باپوں سے یکسر مختلف تھے جو اپنی اولاد کے لئے صرف دنیوی مفادات کو پیش نظر رکھتے ہیں اور اس بات کو بالکل نظرانداز کردیتے ہیں کہ ان کے فیصلے سے ان کی اولاد کے دین، اخلاق اور آخرت کے بنانے اور بگاڑنے پر کیا اثرات مرتب ہوں گے.

ہمارے نبی کریم ﷺ نے اسی بارے میں پہلے ہی خبر دے رکھی ہے، آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: «مَن كَانَتِ الدُّنْيَا هَمَّهُ جَعَلَ اللهُ الفَقْرَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، وَفَرَّقَ عَلَيْهِ شَمْلَهُ، وَلَمْ يَأْتِهِ مِنْهَا إِلاَّ مَا قُدِّرَ لَهُ» ”جس کا مقصود صرف دنیا ہو اللہ تعالیٰ اس کی پیشانی پر فقر مسلّط کردیتے ہیں، اس کے معاملے کو بگاڑ دیتے ہیں اور دنیا اس کو اتنی ہی میسّر آتی ہے جو اس کے مقدر میں کی جاچکی ہے“ (ترمذی: ابواب صفۃ القیامۃ. رقم الحدیث/ ۲۵۸۳، اس حدیث کو علامہ البانی نے صحیح قرار دیا ہے. بحوالہ: ابو ابراہیم علیہ السلام بحیثیت والد: از ڈاکٹر فضل الٰہی).

۷- نیز دعا فرمایا: ﴿رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ﴾ (اے میرے رب! مجھے اور میری اولاد کو نماز کا پابند بنادے، اے ہمارے رب! اور میری دعا کو قبول فرمالے).

[ابراہیم: ۴۰].

۸- نیک بندے اپنی دعاؤں میں اپنے والدین کے ساتھ اپنی اولاد کو بھی نہیں بھولتے: ﴿رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ۚ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ (میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھے اور میرے ماں باپ کو دیا ہے، اور ایسے نیک اعمال کروں جنہیں تو پسند کرتا ہے، اور تو میری اولاد کو نیک چلن بنادے، میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں، اور بے شک میں مسلمانوں میں سے ہوں). [الأحقاف: ۱۵].

۹- والدین صبح وشام ایک مرتبہ یہ دعا ضرور پڑھیں تا کہ انہیں اپنے اہل وعیال کے متعلق عافیت ملے، کیونکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ مندرجہ بالا دعا ہمیشہ صبح وشام پڑھا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ وفات پا گئے.: «اَللّٰهُمَّ إِنِّی أَسأَلُکَ العَافِیَةَ فِی الدُّنیَا وَالآخِرَۃِ، اَللّٰهُمَّ إِنِّی أَسأَلُکَ العَفوَ وَالعَافِیَةَ فِی دِینِی وَدُنیَایَ وَأَهلِی وَمَالِی، اَللّٰهُمَّ استُر عَورَاتِی وَآمِن رَوعَاتِی، اَللّٰهُمَّ احفَظنِی مِن بَینِ یَدَیَّ وَمِن خَلفِی وَعَن یَمِینِی وَعَن شِمَالِی، وَمِن فَوقِی، وَأَعُوذُ بِعَظَمَتِکَ أَن أُغتَالَ مِن تَحتِی» ”اے اللہ! میں تجھ سے دنیا وآخرت میں عافیت کا سوال کرتا ہوں، اے اللہ! میں تجھ سے اپنے دین، اپنی دنیا، اپنے اہل وعیال اور مال ودولت میں بڑھوتری اور عافیت کا سوال کرتا ہوں، اے اللہ! میرے عیبوں پر پردہ ڈال دے، اور مجھے ڈر اور خوف میں امن عطا کر، اے اللہ! تو میری حفاظت فرما میرے سامنے سے، میرے پیچھے سے، میرے دائیں سے، میرے بائیں سے، اور میرے اوپر سے، اور میں تیری عظمت کی پناہ میں آتا ہوں اس بات سے کہ اچانک اپنے نیچے سے ہلاک کیا جاؤں“.

(الأدب المفرد، ابوداود، ابن ماجہ، مسند احمد، ابن حبان. الحاکم وصححہ الذہبی).

بچوں کے درمیان انصاف:

والدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ بچوں کے درمیان محبت میں انصاف اور مساوات سے کام لیں، کسی بچے میں عقل مندی دیکھی تو اسے تمام بچوں پر ترجیح دی، کوئی زیادہ خوب صورت ہے تو اس سے بے حد پیار کیا،

کسی کو اس لئے دھتکارا کہ وہ لڑکی ہے، یا چالاک وہوشیار نہیں ہے، یہ اولاد کے ساتھ ظلم ہے، اس سے اولاد کے درمیان آپس میں بغض اور عناد پیدا ہوجاتا ہے، یہ جذبہ انہی کبھی کبھی ایک دوسرے کا دشمن بنا دیتا ہے، وہ ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے بلکہ قتل کردینے تک کی سوچنے لگتے ہیں. یوسف علیہ السلام پر ان کے بھائیوں کا حسد بھی اسی قبیل سے تھا، جب انہوں نے محسوس کیا کہ یعقوب علیہ السلام، ہمارے مقابلے میں یوسف علیہ السلام سے زیادہ پیار کرتے ہیں، تب انہوں نے یوسف علیہ السلام کو راہ سے ہٹانے کی سازش کی قرآن کے بیان کے مطابق:

﴿لَقَدْ کَانَ فِیْ یُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیْنَ ۝ اِذْ قَالُوْا لَیُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓی اَبِیْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ۭ اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنِۣ ۝۸ اقْتُلُوْا یُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا یَّخْلُ لَکُمْ وَجْهُ اَبِیْکُمْ وَتَکُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِیْنَ ۝۹ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا یُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ یَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّیَّارَةِ اِنْ کُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ۝۱۰ قَالُوْا یٰٓاَبَانَا مَالَکَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰی یُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ۝۱۱ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا یَّرْتَعْ وَیَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۱۲ قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ یَّاْکُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۝۱۳ قَالُوْا لَئِنْ اَکَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝۱۴ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝۱۵ وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً یَّبْکُوْنَ ۝۱۶ۭ قَالُوْا یٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَکْنَا یُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَکَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ کُنَّا صٰدِقِیْنَ ۝۱۷ وَجَآءُوْ عَلٰی قَمِیْصِهٖ بِدَمٍ کَذِبٍ ۭ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَکُمْ اَنْفُسُکُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ ۭ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ﴾ (یوسف اور ان کے بھائیوں کے قصے میں پوچھنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں، جب انہوں نے کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کے نزدیک ہم سے زیادہ محبوب ہیں حالانکہ ہماری ایک جماعت ہے، بے شک ہمارے والد کھلی غلطی پر ہیں، تم سب مل کر یوسف کو قتل کردو، یا اسے کسی دور دراز جگہ ڈال دو، اس طرح تمہارے باپ کی پوری توجہ تمہاری طرف ہوجائے گی، اور اس کے بعد تم لوگ نیک بن جاؤ گے، ان میں سے ایک نے کہا: یوسف کو قتل نہ کرو، بلکہ اسے اندھے کنویں میں ڈال دو جہاں سے بعض گزرنے والے قافلے اسے نکالیں گے، اگر تم نے اس کے خلاف کچھ کرنے کی ٹھان ہی لی ہے، انہوں نے کہا: اے ابا! آپ یوسف کے بارے میں ہم پر بھروسہ کیوں نہیں کرتے ہیں، حالانکہ ہم یقیناً اس کے خیر خواہ ہیں، کل اسے ہمارے ساتھ جانے دیجئے تا کہ کھائے پیئے

اور کھیلے کودے، اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کریں گے، انہوں نے کہا: تمہارا اسے لے کر جانا مجھے مغموم بنا دے گا، اور ڈرتا ہوں کہ تم لوگ اس سے بے خبر رہو گے اور بھیڑیا اسے کھا جائے گا، بھائیوں نے کہا کہ اگر اسے بھیڑیا کھا گیا، حالانکہ ہماری ایک جماعت ہے، تو ہم یقیناً بہت بڑے خسارے میں رہیں گے، پس جب وہ لوگ اسے لے گئے اور طے کرلیا کہ اُسے اندھے کنویں میں ڈال دیں گے (تو انہوں نے ایسا ہی کیا) اور ہم نے یوسف پر وحی نازل کی کہ آپ انہیں (ایک دن) ان کی اس سازش کے بارے میں بتلائیں گے، حالانکہ وہ بے خبر ہوں گے، اور وہ رات کو اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے، کہا: اے ابا! ہم جا کر دوڑ کا مقابلہ کرنے لگے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تو بھیڑیا اسے کھا گیا، اور آپ ہم پر یقین نہیں کریں گے چاہے ہم سچے ہی ہوں، اور ان کی قمیض پر جھوٹا خون لگا لائے، یعقوب نے کہا: بلکہ تمہارے ذہنوں نے ایک سازش گھڑ لی ہے، پس مجھے اچھے صبر سے کام لینا ہے، اور جو کچھ تم بیان کررہے ہو اس پر اللہ سے ہی مدد مانگی ہے)[یوسف:۷-۱۸].

والدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور ان کے ساتھ انصاف کریں، اس سلسلے میں امّت کو رسول اللہ ﷺ کی ہدایات حسبِ ذیل ہیں:

عن النعمان بن بشير رضى الله عنهما أَنَّ أَبَاهُ أَتَى بِهِ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: «إِنِّيْ نَحَلْتُ ابْنِيْ هٰذَا غُلَامًا كَانَ لِيْ» فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: «أَكُلَّ وُلْدِكَ نَحَلْتَهُ مِثْلَ هٰذَا؟» فَقَالَ: «لَا» فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: «إِرْجِعْهُ» نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میرے والد مجھے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: ''میں نے اپنے اس لڑکے کو میرا ایک غلام عطیہ میں دیا ہے،، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم نے اپنے سارے لڑکوں کو اسی طرح دیا ہے؟'' انہوں نے کہا: نہیں، پھر آپ نے فرمایا: ''تم اپنا عطیہ لوٹا لو'' (متفق علیہ).

وفى رواية: فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: «أَفَعَلْتَ هٰذَا بِوُلْدِكَ كُلِّهِمْ؟ قال: لَا، قَالَ: «إِتَّقُوْا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا فِيْ أَوْلَادِكُمْ» فَرَجَعَ أَبِيْ فَرَدَّ تِلْكَ الصَّدَقَةَ». دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم نے اپنے تمام لڑکوں کے ساتھ ایسا ہی کیا ہے؟'' انہوں نے کہا: نہیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''(اولاد کے معاملے میں) اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف سے کام لو،، میرے باپ نے

وہ عطیہ لوٹا لیا'' (مسلم، حدیث: ۱۶۲۳).

وفى رواية: فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: «يَا بَشِيْرُ أَلَكَ وَلَدٌ سِوَى هٰذَا؟» قَالَ نَعَمْ، قَالَ: «أَكُلَّهُمْ وَهَبْتَ لَهُ مِثْلَ هٰذَا؟» قَالَ: لَا، قَالَ: «فَلَا تُشْهِدْنِيْ إِذًا، فَإِنِّيْ لَا أَشْهَدُ عَلٰى جَوْرٍ» ''ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے بشیر! کیا اس لڑکے کے علاوہ بھی تمہیں بچے ہیں؟'' انہوں نے کہا: ہاں ہیں، فرمایا: ''کیا تم نے تمام کو ایسے ہی دیا ہے؟'' کہا: نہیں دیا، فرمایا: ''جب تو تم مجھے اس معاملے میں گواہ نہ بناؤ، کیونکہ میں ظلم پر گواہ نہیں بن سکتا'' (متفق علیہ).

وفى رواية: فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: «أَشْهِدْ عَلٰى هٰذَا غَيْرِيْ» ثُمَّ قَالَ: «أَيَسُرُّكَ أَنْ يَّكُوْنُوْا إِلَيْكَ فِي الْبِرِّ سَوَاءً؟» قَالَ: بَلٰى، قَالَ: فَلَا إِذًا». دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس پر میرے علاوہ اور کسی کو گواہ بناؤ'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمہیں یہ اچھا نہیں لگتا کہ وہ تمام تمہارے ساتھ بھلائی کرنے میں برابر ہوں؟ کہا: ہاں اچھا لگتا ہے، فرمایا: ''جب تو نہیں'' (رواہ البخاری ومسلم والترمذی وأبوداؤد والنسائی ومالک فی الموطا).

عن أنس رضی اللہ عنہ قَالَ: «كَانَ رَجُلٌ جَالِسًا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَجَاءَهُ ابْنٌ لَهُ، فَأَخَذَهُ فَقَبَّلَهُ ثُمَّ أَجْلَسَهُ فِيْ حِجْرِهِ، وَجَاءَتْ إِبْنَةٌ لَهُ فَأَخَذَهَا إِلَى جَانِبِهِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: «أَلَا عَدَلْتَ بَيْنَهُمَا» يَعْنِيْ «ابْنَهُ وَابْنَتَهُ فِيْ تَقْبِيْلِهِمَا» انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں اس کا لڑکا آیا، اس نے اسے پیار کیا اور پھر اپنے گود میں بٹھا لیا، تھوڑی دیر بعد اس کی لڑکی آئی تو اس نے اسے اپنے پہلو میں بٹھا لیا، یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے ان دونوں کے درمیان انصاف تو نہیں کیا'' یعنی بیٹے کو پیار کرکے اور بیٹی کو پیار نہ کرکے''. (رواہ البزار والبیہقی).

بچوں سے محبت:

بچوں سے محبت وشفقت فطری چیز ہے، ماں کی اپنی اولاد سے محبت فطری اور مثالی ہے، مختلف موقعوں پر رسولِ اکرم ﷺ نے اس کی مثال دی ہے، ایک غزوہ کا واقعہ ہے: عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قَالَ: قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِسَبْيٍ، فَإِذَا امْرَأَةٌ مِنَ السَّبْيِ تَسْعٰى، إِذَا وَجَدَتْ صَبِيًّا فِي السَّبْيِ أَخَذَتْه، فَأَلْزَقَتْهُ

بِبَطْنِهَا فَأَرْضَعَتْه، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: «أَتَرَوْنَ هٰذِهِ الْمَرْأَةَ طَارِحَةٌ وَلَدَهَا فِي النَّارِ؟ قُلْنَا: لَا وَاللّٰهِ. فَقَالَ: لَلّٰهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهِ مِنْ هٰذِهِ بِوَلَدِهَا» عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ قیدی لائے گئے جن میں ایک عورت بھی تھی (جس کا دودھ پیتا بچہ جنگ میں اس سے بچھڑ گیا تھا) قیدیوں میں وہ جب بھی کسی بچے کو پاتی اسے لے لیتی اور اپنے سینے سے چمٹا کر دودھ پلاتی، آپ ﷺ نے (اس عورت کی یہ کیفیت دیکھی تو صحابہ رضی اللہ عنہم سے) فرمایا: کیا یہ عورت اپنے حقیقی بچے کو آگ میں پھینک سکتی ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اللہ کی قسم! ہرگز نہیں. آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ اپنے بچے پر جتنی مہربان ہے اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے“ (متفق علیہ).

لیکن کچھ باپوں کا اپنی اولاد سے رویّہ انتہائی خشک اور محبت وشفقت سے خالی رہتا ہے، وہ اپنے باپ ہونے کا صرف یہی ایک سب سے بڑا حق سمجھتے ہیں کہ بچوں کے ساتھ سختی سے نپٹا جائے اور ان کے ساتھ تلخ رویّہ اپنایا جائے، بسا اوقات والد کے اس معاندانہ رویّہ سے عاجز آ کر بچے پہلے تو احتجاج کرتے ہیں، جب احتجاج سے مطلب براری نہیں ہوتی تو پھر ”تنگ آمد بجنگ آمد“ کا مظاہرہ کرتے ہوئے بغاوت پر مائل ہو جاتے ہیں. بعد کے حالات تو اس قدر بدتر ہو جاتے ہیں کہ وہ باپ کے مقابلے میں ڈٹ کر کھڑے ہو جاتے ہیں بلکہ مار پیٹ سے بھی دریغ نہیں کرتے، اس طرح کے بچے جو اس قدر کشیدگی کے ماحول میں پرورش پاتے ہیں آگے چل کر معاشرہ کے لئے ایک مصیبت بن جاتے ہیں، رحم وکرم کے جذبات سے تو وہ عاری ہی رہتے ہیں ساتھ ہی ساتھ بُری صحبت اور بازاری لوگوں کے ساتھ میل جول انہیں مجرم بنا دیتا ہے، وہ اپنی زندگی کی ابتداء چھوٹے موٹے جھگڑوں اور چوریوں سے کرتے ہیں پھر رفتہ رفتہ اپنے علاقے کے غنڈے اور بدمعاش بن کر سارے معاشرے کے لئے دردِ سر بن جاتے ہیں. زمانۂ جاہلیت میں لوگ بچوں سے محبت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے اور چاہتے کہ بچوں سے جس قدر سختی کا برتاؤ کیا جا سکتا ہے کیا جائے، تاکہ بچہ آگے چل کر شقی القلب اور ظالم واقع ہو اور میدانِ جنگ میں اپنے دشمنوں کے ساتھ وہ قساوتِ قلبی کا مظاہرہ کرے کہ دیکھنے والوں کے رونگھٹے کھڑے ہوں، بدنصیبی سے اس پر فخر بھی کیا جاتا، رسول اللہ ﷺ کی پاک مجلس میں اس طرح کے لوگ مسلمان بننے کے لئے آتے اور آپ ﷺ کو بچوں کے ساتھ بے انتہا محبت وشفقت سے پیش آنے پر تعجب کرتے. اسی طرح کا ایک واقعہ ہے:

عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ، أَنَّهُ قَالَ: قَبَّلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ، وَعِنْدَهُ الْأَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ التَّيْمِيُّ جَالِسٌ، فَقَالَ الْأَقْرَعُ: إِنَّ لِي عَشْرَةٌ مِنَ الْوَلَدِ مَا قَبَّلْتُ مِنْهُمْ أَحَدًا، فَنَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: «مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ». ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو پیار کیا، آپ کی مجلس میں اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ موجود تھے، انہوں نے کہا: میرے دس لڑکے ہیں لیکن میں نے آج تک کسی کو پیار نہیں کیا. آپ ﷺ نے ان پر (افسوس کی) نظر ڈالتے ہوئے فرمایا: ”جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جائے گا“ (البخاری).

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: أَتُقَبِّلُوْنَ صِبْيَانَكُمْ، فَمَا نُقَبِّلُهُمْ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَوَ أَمْلِكُ لَكَ أَنْ نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ؟» اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ایک بدو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر (تعجب سے) کہنے لگا: کیا آپ لوگ اپنے بچوں کو پیار کرتے ہیں ہم تو ایسا نہیں کرتے؟ آپ ﷺ نے تعجب سے اسے دیکھتے ہوئے فرمایا: ”اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دل سے محبت کو نکال لے تو میں کیا کر سکتا ہوں“ الأدب المفرد للبخاری).

آپ ﷺ کا بچوں سے محبت کا عالم یہ تھا کہ اپنے نواسوں حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو اپنے گود میں لیتے، سینے سے چمٹا لیتے اور فرماتے: «أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أُحِبُّهُمَا فَأَحِبَّهُمَا» ”یا اللہ! میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت رکھ“. (ال بخاری: باب: مناقب الحسن والحسین رضی اللہ عنہما).

عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ قال: خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ طَائِفَةِ النَّهَارِ، لَا يُكَلِّمُنِيْ وَلَا أُكَلِّمُهُ، حَتّٰى أَتٰى سُوْقَ بَنِيْ قَيْنُقَاعَ، فَجَلَسَ بِفِنَاءِ بَيْتِ فَاطِمَةَ رضی الله عنها فَقَالَ: «أَثَمَّ لُكَعُ؟ أَثَمَّ لُكَعُ؟» فَحَبَسَتْهُ شَيْئًا، فَظَنَنْتُ أَنَّهَا تُلْبِسُهُ سِخَابًا أَوْ تُغَسِّلُهُ، فَجَاءَ يَشْتَدُّ حَتّٰى عَانَقَهُ وَقَبَّلَه، وَقَالَ: «أَللّٰهُمَّ أَحْبِبْهُ وَأَحِبَّ مَنْ يُّحِبُّه». ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ دن کے ایک حصّہ میں باہر تشریف لائے، میں آپ کے ساتھ تھا، ہم دونوں بالکل خاموش تھے، نہ آپ ﷺ نے مجھ سے کوئی بات کی اور نہ میں کچھ بولنے کی جرأت کر سکا، یہاں تک کہ آپ بنی قینقاع کے بازار آ کر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے صحن میں بیٹھ گئے اور فرمایا: ”چھوٹا کہاں ہے؟ چھوٹا کہاں ہے؟ لیکن انہیں فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کچھ دیر روک لیا، تو میں سمجھ گیا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا انہیں خوشبو کا ہار پہنا رہی ہیں یا نہلا دھلا رہی ہیں، پھر حسن رضی اللہ عنہ تیزی سے دوڑتے ہوئے آئے اور آتے ہی نبی

کریم ﷺ کے سینے سے لپٹ گئے، آپ ﷺ نے انہیں پیار کیا اور فرمایا: ''اے اللہ! تو اسے لوگوں کا محبوب بنا اور جو اس سے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت کر''۔

(متفق عليه . أخرجه البخاري في كتاب البيوع، باب : ما ذكر في الأسواق).

عن بريدة رضي الله عنه قال: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَخْطُبُ، فَجَاءَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ، وَعَلَيْهِمَا قَمِيصَانِ أَحْمَرَانِ، يَمْشِيَانِ وَيَعْثُرَانِ، فَنَزَلَ النَّبِيُّ ﷺ فَحَمَلَهُمَا، وَوَضَعَهُمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ: ﴿إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ نَظَرْتُ إِلَى هَذَيْنِ الصَّبِيَّيْنِ يَمْشِيَانِ وَيَعْثُرَانِ، فَلَمْ أَصْبِرْ حَتَّى قَطَعْتُ حَدِيثِي، وَرَفَعْتُهُمَا. بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، اتنے میں حسن اور حسین رضی اللہ عنہما آئے، دونوں سرخ قمیص زیب تن کئے ہوئے تھے، (قمیص کی لمبائی کی وجہ سے) چلتے ہوئے لڑکھڑا کر گر رہے تھے، آپ ﷺ سے رہا نہیں گیا، آپ منبر سے نیچے تشریف لائے اور انہیں اٹھا کر اپنے سامنے بٹھالیا پھر فرمایا ''بے شک تمہارے مال اور اولاد آزمائش ہیں'' میں نے ان دونوں بچوں کو دیکھا کہ وہ چلتے ہوئے لڑکھڑا کر گر رہے تھے تو مجھ سے صبر نہیں ہوسکا یہاں تک کہ مجھے اپنی بات کو روک کر انہیں اٹھانا پڑا (ترمذی).

آپ ﷺ بچوں کو اپنی مجلس میں شامل رکھتے بلکہ بچوں کو اپنے ساتھ سواری پر بٹھالیتے، بسا اوقات اپنے ساتھ منبر پر بٹھاتے، ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اپنے نواسے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو منبر پر بٹھایا اور کبھی انہیں اور کبھی لوگوں کو دیکھتے ہوئے فرمایا: «إِبْنِي هَذَا سَيِّدٌ، وَلَعَلَّ اللهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ» ''یہ میرا بیٹا سردار ہے، ہوسکتا ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرادے'' (حوالہ سابق).

اور یہ پیشین گوئی ۴۱ھ میں پوری ہوئی جبکہ آپ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر کے مسلمانوں کو ایک اور عظیم کشت وخون اور باہمی افتراق وانتشار سے نجات دلایا۔ حتّٰی کہ آپ ﷺ نے اپنی نواسی امامہ بنت ابوالعاص رضی اللہ عنہا کو حالت نماز میں بھی اٹھائے رہتے، عالم یہ ہوتا کہ حالت قیام میں کندھے پر سوار کرلیتے، جب حالتِ رکوع یا سجدہ میں جاتے تو اتار دیتے۔ (متفق علیہ عن ابی قتادہ رضی اللہ عنہ).

حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو اپنی پیٹھ پر سوار فرمالیتے اور اپنے ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل چلتے ہوئے

فرماتے: «نِعْمَ الْجَمَلُ جَمَلُكُمَا، وَنِعْمَ الْعِدْلَانِ أَنْتُمَا» ''تمہاری سواری کیا ہی بہترین ہے اور تم کتنے بہترین شہسوار ہو'' (الإصابة في تمييز الصحابة).

بچوں پر سے گزرتے تو انہیں سلام کیا کرتے، چھوٹے بچوں کو کھلاتے، زینب بنت ابوسلمہ رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کی زیر کفالت تھیں آپ علیہ السلام ان کے ساتھ کھیلا کرتے، انس رضی اللہ عنہ نے دس سال آپ کی خدمت کی لیکن کبھی یہ نہیں کہا کہ: ''یہ کام تم نے کیوں کیا؟ اور یہ کام کیوں نہیں کیا؟ کسی ناپسندیدہ کام پر بجائے ڈانٹنے کے محبت وشفقت سے سمجھاتے اور جس کام کا حکم دیتے اس کی حکمت ومصلحت بھی سمجھا دیتے، جس کی وجہ سے بچے آپ ﷺ سے بڑے مانوس ہوتے۔

انصاری بچیاں رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں آتیں اور خوشیوں کے موقعے پر دف بجا بجا کر آپ ﷺ کی تعریف میں اشعار پڑھتیں، جب کبھی آپ تعریف میں غلو محسوس فرماتے تو بڑے پیار سے منع فرماتے .ایک مرتبہ ایک بچی نے یہ مصرعہ پڑھا: «وَفِينَا رَسُولٌ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ» (ہم میں ایسے رسول ہیں جو کل پیش آنے والے حالات کو جانتے ہیں) آپ نے سنا تو فرمایا: «دَعِي هَذَا وَقُولِي مَا أَنْتِ تَقُولِينَ» ''یہ نہ کہو، بلکہ وہ کہو جو تم پہلے کہا کرتی تھی''.

محبت وشفقت کا یہی برتاؤ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا، وہ بھی ہر معاملے میں رسولِ اکرم ﷺ کا پرتو تھے، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے :عن عقبة بن الحارث رضي الله عنه قال: رَأَيْتُ أَبَا بَكْرٍ رضي الله عنه وَحَمَلَ الْحَسَنَ وَهُوَ يَقُولُ: بِأَبِي شَبِيهٌ بِالنَّبِيِّ، لَيْسَ شَبِيهٌ بِعَلِيٍّ، وَعَلِيٌّ يَضْحَكُ». عقبہ بن حارث کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے کندھے پر سوار کرالیا، اور فرمانے لگے: ''یہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مشابہ ہیں نہ کہ علی رضی اللہ عنہ کے، علی رضی اللہ عنہ یہ سن کر ہنسنے لگے''، (بخاري كتاب فضائل أصحاب النبي ﷺ باب : مناقب الحسن والحسين رضي الله عنهما).

باپ اپنے بچوں کو کن الفاظ سے خطاب کرے؟

قرآن مجید نے اپنے ماننے والوں کو اس کی بھی تعلیم دی ہے کہ باپ اپنے بچوں سے کن الفاظ سے مخاطب ہو اور اولاد کن الفاظ سے اپنے باپ کو خطاب کریں، قرآن مجید میں اس طرح کے کئی واقعات مذکور

ہیں جن میں اللہ کے نیک بندوں نے اپنی اولاد کو خطاب کیا اور انتہائی محبت وشفقت کے ایسے الفاظ سے کیا جن سے زیادہ محبت کے الفاظ کہیں نہیں مل سکتے. نوح علیہ السلام نے اپنے لڑکے کنعان کو طوفان میں آواز دیتے ہوئے کہا: ﴿وَنَادٰی نُوۡحُ ابۡنَهٗ وَكَانَ فِىۡ مَعۡزِلٍ يّٰبُنَىَّ ارۡكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنۡ مَّعَ الۡـكٰفِرِيۡنَ﴾ (اور نوح نے اپنے بیٹے کو آواز دی جو کشتی سے الگ کھڑا تھا، اے میرے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہوجاؤ، اور کافروں کے ساتھ نہ رہ جاؤ) [ہود:٤٢].

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿يٰبُنَىَّ اِنِّىۡۤ اَرٰى فِى الۡمَنَامِ اَنِّىۡۤ اَذۡبَحُكَ فَانْظُرۡ مَاذَا تَرٰى﴾ (میرے بیٹے! میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں، پس تم سوچو کہ تمہاری کیا رائے ہے) [الصافات:١٠٢].

یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿يٰبُنَىَّ لَا تَقۡصُصۡ رُءۡيَاكَ عَلٰٓى اِخۡوَتِكَ فَيَكِيۡدُوۡا لَـكَ كَيۡدًا‌ ؕ اِنَّ الشَّيۡطٰنَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ﴾ (میرے بیٹے! تم اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو مت بتاؤ، ورنہ تمہارے خلاف سازش کریں گے، بے شک شیطان انسان کا بڑا کھلا دشمن ہے).

[یوسف:٥].

لقمان حکیم رحمہ اللہ نے اپنے لڑکے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَاِذۡ قَالَ لُقۡمٰنُ لِابۡنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَىَّ لَا تُشۡرِكۡ بِاللّٰهِ ‌ؕ اِنَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِيۡمٌ﴾ (اور جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: اے میرے بیٹے! کسی کو اللہ کا شریک نہ بنا، بے شک شرک ظلم عظیم ہے) [لقمان:١٣]. نیز فرمایا: ﴿يٰبُنَىَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاۡمُرۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَانۡهَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَاصۡبِرۡ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ‌ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ﴾ (اے میرے بیٹے! نماز قائم کر، بھلائی کا حکم دے، اور برائی سے روک، اور تجھے جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کر، بے شک یہ سارے کام بڑے ہمت کے اور ضروری ہیں). [لقمان:١٧].

بچوں کی بیماری کا شرعی علاج:

اگر کوئی بچہ بیمار ہو یا نظر بد کا شکار ہو یا جن وشیاطین کی جانب سے تکلیف میں مبتلا ہو یا کسی عام جسمانی بیماری میں مبتلا ہو تو والدین کو چاہئے کہ وہ جسمانی علاج کے ساتھ ساتھ مندرجہ ذیل سورتوں اور دعاؤں کو خود

پڑھ کر بچے یا بچی کے جسم پر دم کریں، یا کسی کے ذریعے دم کروائیں، اللہ تعالی چاہے تو ضرور شفا حاصل ہوگی.

١- سورۃ الفاتحہ پڑھیں. (بخاری ومسلم).

٢- سورۃ الاخلاص، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھیں. (بخاری ومسلم).

٣- مریض کے جسم پر دائیں ہاتھ سے مسح کرتے ہوئے یہ دعا پڑھیں: «اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ أَذْهِبِ الْبَأْسَ وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا» "اے انسانوں کے رب! بیماری کو دور کردے شفا عطا فرما کیونکہ تو ہی شفا دینے والا ہے، تیری شفا کے سوا کوئی شفا نہیں ہے، ایسی شفا دے کہ کوئی بیماری باقی نہ چھوڑے" (بخاری ومسلم).

نظرِ بد کا علاج:

نظر بد کی تاثیر برحق ہے جیسا کہ بخاری ومسلم کی روایت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «اَلْعَيْنُ حَقٌّ».

عربی میں محاورہ ہے: «اَلْعَيْنُ يَجْعَلُ الرَّجُلَ فِي الْقَبْرِ وَالْإِبِلَ فِي الْقِدْرِ» یعنی "نظرِ بد ایک با صحت شخص کو قبر میں اور تنومند اونٹنی کو ہانڈی میں پہنچا دیتی ہے". اس لئے کسی خوب صورت چیز یا خوب صورت بچے کو دیکھیں تو «ما شاء اللّٰه» یا «مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ» کہیں. اگر بدنصیبی سے کوئی بچہ نظر بد کا شکار ہو گیا تو والدین مندرجہ ذیل دونوں دعاؤں کو تین مرتبہ پڑھ کر مریض پر دم کریں، اللہ چاہے تو ضرور شفا حاصل ہوگی. جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے لئے کیا تھا (بخاری ومسلم).

٤- «اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ» "میں اللہ تعالی کے تمام کلمات کے ذریعے حفاظت حاصل کرتا ہوں ہر شیطان اور ایذا دینے والے جانور اور ہر نظر لگانے والی آنکھ سے" (بخاری ومسلم).

٥- «بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيْكَ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَيْنِ حَاسِدٍ اَللّٰهُ يَشْفِيْكَ بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ» "میں اللہ کا نام لے کر تم پر دم کرتا ہوں، ہر اس چیز سے جو تمہیں تکلیف دے اور ہر شریر نفس کی شرارت سے یا نظر بد کے حسد سے، اللہ تمہیں شفا دے، میں اللہ کے نام سے تم پر دم کرتا

ہوں"(مسلم).

عام جسمانی تکلیف کا علاج:

اگر عام جسمانی تکلیف ہوتو درج ذیل دعائیں پڑھ کر تکلیف کے مقام پر دم کریں:

٦-«اَعُوْذُ بِاللّٰهِ وَ قُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا تَجِدُهٗ وَتُحَاذِرُهٗ»"میں اللہ کی عزت وقدرت کی پناہ طلب کرتا ہوں اس تکلیف سے جوتم محسوس کررہے ہواور جس کا تمہیں اندیشہ ہے"(مسلم، ترمذی).

٧-«اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ»"میں اللہ کے کلمات کاملہ کے ذریعے پناہ مانگتا ہوں ہراس برائی سے جواس نے پیدا کی ہے"(مسلم).

٨-«اَسْاَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَنْ يَّشْفِيَكَ»"میں اللہ عظیم سے دعا کرتا ہوں جو عرش عظیم کا مالک ہے کہ وہ تمہیں شفادے"(ترمذی وصححہ الألبانی).

نیند میں ڈرجائیں تو یہ دعا پڑھیں:

بچے اگر حالت نیند میں ڈرجائیں تو درج ذیل دعائیں پڑھ کران کے جسم پر دم کریں:

٩-«اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَشَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَنْ يَّحْضُرُوْنِ»"میں اللہ کے کلمات کاملہ کے ذریعے پناہ مانگتا ہوں اس کے غضب، عقاب اور اس کے بندوں کے شراور شیاطین کے وسوسوں اور ان کے میرے پاس حاضر ہونے کے شر سے"(ترمذی وحسنہ الألبانی).

١٠-«اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِىْ لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ وَّ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَ بَرَءَ وَذَرَءَ وَمِنْ شَرِّ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمِنْ شَرِّ مَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَمِنْ شَرِّ مَا يَلِجُ فِى الْاَرْضِ وَمِنْ شَرِّ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمِنْ شَرِّ فِتَنِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ طَارِقٍ اِلَّا طَارِقًا يَطْرُقُ بِخَيْرٍ يَا رَحْمٰنُ»"میں اللہ کے تمام کلمات کی پناہ میں آتا ہوں جن سے کوئی نیک اور بد تجاوز نہیں کرسکتا، تمام مخلوقات کے شر سے اور ہراس چیز کے شر سے جوآسمان سے اترتی اور آسمان پر چڑھتی ہے اور جو زمین میں داخل ہوتی اور زمین سے نکلتی ہے اور شب وروز کے تمام فتنوں سے اور رات کو آنے والے کے شر سے سوائے اس کے جو بھلائی کے ساتھ آئے. اے نہایت رحم کرنے والے!(احمد وصححہ الألبانی).

اولاد کی وفات پر:

اولاد والدین کے دل کا پھل ہوتی ہے اور انسان کے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ مرحلہ اولاد کی موت کا ہوتا ہے، بسا اوقات صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے، ایک عورت کو رسول کریم ﷺ نے اپنے بچے کی قبر پر آہ وزاری کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: «اِتَّقِى اللّٰهَ وَاصْبِرِىْ»"اللہ سے ڈرو اور صبر کرو". اس عورت نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا نہ تھا، کہنے لگی: «اِلَيْكَ عَنِّىْ، فَاِنَّكَ لَمْ تُصَبْ بِمُصِيْبَتِىْ»"آپ مجھ سے ہٹ جائیں، کیونکہ آپ کو مجھ جیسی مصیبت کا پالا نہیں پڑا، پھر آپ کو پتہ چلتا" آپ ﷺ وہاں سے چل دیئے، بعد میں کسی نے اس عورت کو خبر کیا کہ تو نے جس کے ساتھ گستاخی سے بات کی ہے وہ اللہ کے رسول تھے. وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی: اب میں صبر کرتی ہوں آپ ﷺ نے فرمایا: «اَلصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْاُوْلٰى»"پہلے ہی صدمہ پر صبر کرنے کا نام صبر ہے". (البخاری).

آپ ﷺ کی آنکھیں بچوں کی وفات پر اشکبار ہوجاتیں، آپ ﷺ اپنے چھوٹے فرزند ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت موجود تھے، بچہ موت کی تکلیف سے دوچار تھا، اس کی نبضیں ڈوب رہی تھیں، آپ ﷺ اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، بچے کو گود میں لئے ہوئے فرمارہے تھے: «اِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ، وَالْقَلْبُ يَحْزَنُ، وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا يُرْضِىْ رَبَّنَا، وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ»"آنکھیں اشکبار ہیں، دل غمگین ہے، لیکن زبان سے وہی بات کہیں گے جو ہمارے رب کو خوش کرنے والی ہو، اے ابراہیم! ہم آپ کی جدائی پر نہایت رنجیدہ ہیں"(البخاری).

عن أسامة بن زيد رضى الله عنهما قال: «أَرْسَلَتْ (زَيْنَبُ) بِنْتُ النَّبِيِّ ﷺ إِلَى أَبِيهَا أَنَّ ابْنِىْ قَدْ إِحْتَضَرَ فَاشْهَدْنَا، فَأَرْسَلَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ يُقْرِءُ السَّلَامَ، وَيَقُوْلُ: إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَعْطَى وَلَهُ مَا أَخَذَ، وَكُلُّ شَىْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ» فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ تُقْسِمُ عَلَيْهِ لَيَأْتِيَنَّهَا، فَقَامَ وَمَعَهُ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ، وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ، وَأُبَىُّ بْنُ كَعْبٍ، وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، وَرِجَالٌ رضي الله عنهم، فَرُفِعَ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ الصَّبِيُّ، فَأَقْعَدَهُ فِىْ حِجْرِهِ، وَنَفْسُهُ تَقَعْقَعُ، فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ، فَقَالَ سَعْدٌ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هٰذَا؟ فَقَالَ: «هٰذِهِ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا فِىْ قُلُوْبِ عِبَادِهِ» وَفِىْ رِوَايَةٍ: «وَإِنَّمَا يَرْحَمُ اللّٰهُ

مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ» اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: سیدہ زینب بنت رسول اللہ ﷺ نے آپ کے پاس خبر بھیجی کہ ان کے صاحبزادے کی وفات کا وقت قریب آچکا ہے اس لئے آپ حاضر ہوں. آپ ﷺ نے انہیں سلام کہتے ہوئے یہ پیغام بھیجا کہ: ''جو دیا ہے وہ اللہ کا ہے اور جو لیا ہے وہ بھی اللہ ہی کا ہے، اور ہر چیز کے لئے اس کے پاس ایک وقت مقرر ہے، اس لئے آپ صبر کریں اور اس صبر پر اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید رکھیں''. زینب رضی اللہ عنہا نے آپ کو قسم دیتے ہوئے ضرور آنے کے لئے کہلا بھیجا. آپ ﷺ کھڑے ہوئے، آپ کے ساتھ سعد بن عبادة، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت، اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی چل پڑے، (جب آپ ﷺ پہنچے تو) بچے کو آپ کی جانب بڑھایا گیا، آپ نے بچے کو اپنی گود میں بٹھایا، بچے کا عالم یہ تھا کہ اس کی سانسیں ٹوٹ رہی تھیں، یہ منظر دیکھ کر آپ علیہ السلام کی آنکھیں بہہ پڑیں، سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! یہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ رحمت ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھا ہے''. ایک اور روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ''اور اللہ تعالیٰ اپنے انہیں بندوں پر رحم کرتے ہیں جو دوسروں پر مہربانی کرتے ہیں'' (متفق علیہ). اسی لئے علاّمہ حالی رحمہ اللہ نے فرمایا:

کرو مہربانی تم اہلِ زمین پر   خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

نیز آپ ﷺ نے ان والدین کو جنت کی خوشخبری عطا فرمائی جو اس کربناک موقعہ پر صبر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی مشیّت پر راضی برضا رہتے ہیں: عن أنس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: «مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوتُ لَهُ ثَلَاثَةٌ لَمْ يَبْلُغُوا الْحِنْثَ إِلاّ أَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِ رَحْمَتِهِ إِيَّاهُمْ» انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس مسلمان کے تین نابالغ بچے فوت ہوجاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنی اس رحمت کے صدقے جو ان بچوں کے لئے ہے، اسے ضرور جنت میں داخل کرے گا'' (البخاری: ۳/ ۹۵، ۹۶).

عن أبی سعيد الخدری رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: «مَا مِنْكُنَّ مِنْ إِمْرَأَةٍ تُقَدِّمُ ثَلَاثَةً مِّنَ الْوَلَدِ إِلاَ كَانُوا لَهَا حِجَابًا مِنَ النَّارِ» فَقَالَتِ إِمْرَأَةٌ: وَإِثْنَيْنِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «وَإِثْنَيْنِ» ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (عورتوں سے) ارشاد فرمایا: تم میں سے جس عورت کے تین بچے وفات پاجاتے ہیں وہ اس کے لئے دوزخ سے آڑ بن جائیں گے'' ایک عورت نے کہا: اگر دو وفات پاجائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں دو بھی'' (متفق علیہ).

عن أبی موسی الأشعری رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: إِذَا مَاتَ وَلَدُ الْعَبْدِ قَالَ اللهُ لِمَلَا ئِكَتِهِ: «قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِی؟» فَيَقُولُونَ: «نَعَمْ» فَيَقُولُ: «قَبَضْتُمْ ثَمْرَةَ فُؤَادِهِ»؟ فَيَقُولُونَ: «نَعَمْ» فَيَقُولُ: «مَاذَا قَالَ عَبْدِی؟» فَيَقُولُونَ: «حَمِدَکَ وَاسْتَرْجَعَ» فَيَقُولُ اللهُ: «ابْنُوا لِعَبْدِی بَيْتًا فِی الْجَنَّةِ وَسَمُّوهُ بَيْتَ الْحَمْدِ» ابوموسیٰ الأشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب کسی بندے کا بچہ فوت ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہتا ہے: تم نے میرے بندے کے بچے کی جان لے لی؟ وہ کہیں گے ''ہاں'' پھر فرماتا ہے: تم نے اس کے دل کا پھل توڑ لیا؟ وہ کہیں گے: ''ہاں'' پھر فرمائے گا: ''میرے بندے نے کیا کہا''؟ وہ کہیں گے: ''اس نے تیری تعریف کی اور «إنّا لله وإنّا إليه راجعون» پڑھا. اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ''میرے بندے کے لئے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو''.

اولاد پر والدین کی نیکیوں کے اثرات:

اولاد پر والدین کے نیکیوں اور ان کی دعاؤں کے بڑے ہی خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں، اگر اولاد بھی والدین کے نقشِ قدم پر چلتی ہوئی نمازوں کی پابند اور دینی شعائر کی علمبردار بنتی ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا میں اولاد کو آباد و خوشحال رکھتے ہیں. جیسا کہ موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے واقعہ میں ارشادِ ربّانی ہے: ﴿وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَ يَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا﴾ (اور وہ دیوار اس شہر میں رہنے والے دو یتیم بچوں کی تھی، اور اس کے نیچے ان دونوں کا خزانہ تھا، اور ان کا باپ نیک آدمی تھا، تو تمہارے رب نے چاہا کہ وہ بھرپور جوان ہوجائیں اور اپنا خزانہ نکال لیں، یہ آپ کے رب کی ان کے لئے رحمت تھی، اور یہ سارے کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کئے ہیں. یہی تاویل ہے ان باتوں کی جن پر آپ صبر نہیں کرسکے) [الکھف: ۸۲].

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اثر انگیز خطاب فرمایا، جس سے لوگوں کی آنکھیں بہہ پڑیں، قوم میں سے کسی شخص نے آپ سے سوال کیا: ''اس وقت روئے زمین پر سب سے بڑا عالم کون ہے؟'' موسیٰ علیہ السلام نے یہ سوچتے ہوئے کہ وقت کا پیغمبر سب سے بڑا عالم ہوتا ہے، فرمایا: ''اس وقت دورِ حاضر کا سب سے بڑا عالم میں ہوں''. اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناگوار گزری کہ آپ نے ایسا کیوں

کہا؟ «اللہ أعلم» کیوں نہیں کہا؟ پھر حکم دیا کہ جہاں دو سمندر ملتے ہیں وہاں میرا ایک بندہ رہتا ہے جو آپ سے علم (کے چند گوشوں) کو زیادہ جاننے والا ہے، آپ ان سے علم سیکھیں. موسیٰ علیہ السلام اپنے ایک شاگرد یوشع بن نون کے ساتھ اس مقررہ مقام پر پہنچے جہاں خضر علیہ السلام سے آپ کی ملاقات ہوئی. خضر علیہ السلام نے آپ کو اس شرط پر اپنے ساتھ رکھنا منظور فرمایا کہ آپ انہیں کسی بات پر سوال نہیں کریں گے جب تک کہ وہ خود اس کی حقیقت نہ بیان کریں. جوابًا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿سَتَجِدُنِیٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ صَابِرًا وَّ لَآ اَعْصِیْ لَکَ اَمْرًا﴾ (آپ ان شاء اللہ مجھے صابر پائیں گے، اور میں آپ کی کسی بات کی نافرمانی نہیں کروں گا).

[الکہف: ۶۹].

دونوں ایک کشتی پر سوار ہوئے اور کشتی والوں نے انہیں بغیر کرایہ کے ہی سوار کرالیا، بیچ سمندر میں پہنچ کر خضر علیہ السلام نے کشتی میں سوراخ کردیا، اس پر موسیٰ علیہ السلام نے نکیر کی اور فرمایا: ''کیا آپ نے اس میں اس لئے شگاف ڈال دیا ہے کہ اس میں سوار لوگوں کو ڈبودیں؟ اس پر خضر علیہ السلام نے فرمایا: میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کرسکتے. اس پر موسیٰ علیہ السلام نے معذرت پیش کی، پھر دونوں چل پڑے یہاں تک کہ دونوں کی ایک لڑکے سے ملاقات ہوئی تو خضر علیہ السلام نے اسے قتل کردیا، اس پر موسیٰ علیہ السلام نے سخت احتجاج کرتے ہوئے کہا: ''آپ نے ایک بے گناہ کو بلاقصور ناحق قتل کردیا؟ آپ نے نہایت ناپسندیدہ حرکت کی''.
اس پر خضر علیہ السلام نے اپنی پرانی بات دُہرائی، جس پر آپ نے اس شرط پر معذرت پیش کی کہ اگر میں نے آئندہ اس طرح کا کوئی سوال آپ سے کیا تو آپ مجھے اپنی رفاقت سے الگ کردیں. پھر ایک بستی میں آئے اور وہاں کے باشندوں سے کھانا مانگا، لیکن قریہ کے باسیوں نے میزبانی سے انکار کردیا، پھر ان دونوں کو بستی میں ایک دیوار ملی جو گرنا ہی چاہتی تھی، خضر علیہ السلام نے اسے سیدھا کردیا. اس پر موسیٰ علیہ السلام نے ڈرتے ڈرتے کہا: اگر آپ چاہتے تو اس کام پر مزدوری لے لیتے (تاکہ کھانا خرید کر کھایا جاسکے) خضر علیہ السلام نے فرمایا: اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا یہی وقت ہے. پھر آپ نے ان واقعات کی تاویل بیان فرمائی جس پر موسیٰ علیہ السلام صبر نہیں کرسکے.

۱- کشتی کے بارے میں بیان فرمایا کہ وہ کچھ غریب لوگوں کی تھی جو سمندر میں محنت مزدوری کرتے اور ایک ساحل سے دوسرے ساحل تک لوگوں کو پہنچایا کرتے تھے، میں نے اس میں اس لئے سوراخ کردیا کہ

اس علاقے کا بادشاہ ایک ظالم آدمی تھا جو ہر عمدہ اور صحیح سالم کشتی کو ظلمًا ہتھیالیا کرتا تھا، اس لئے میں نے اسے عیب دار بنایا تاکہ وہ اسے نہ لے، اس طرح میں نے ان پر احسان کیا ہے ظلم نہیں.

۲- جہاں تک لڑکے کے قتل کا تعلق ہے وہ یہ کہ وہ لڑکا پیدائشی کافر تھا اور اس کے والدین صاحب ایمان تھے، مجھے ڈر لگا کہ یہ بالغ ہوکر کہیں اپنے والدین کو بھی کفر وسرکشی کی راہ پر نہ ڈال دے. اللہ تعالیٰ اس کے والدین کو اس کے عوض میں ایک ایسا لڑکا عطا فرمائے گا جو صلاح ونیکی اور گناہوں سے پاکی میں اس سے کہیں بہتر اور والدین کا مطیع وفرمانبردار ہوگا. اسطرح میں نے اسکے والدین پر ظلم نہیں احسان کیا.

۳- اور وہ دیوار جسے میں نے سیدھی کردی تھی شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی جس کے نیچے ان کا خزانہ مدفون تھا اور ان کا باپ نیک آدمی تھا، اس لئے آپ کے رب نے ان پر فضل وکرم کرتے ہوئے چاہا کہ دیوار کھڑی رہے تاکہ دونوں بڑے ہوکر اسے نکالیں اور مستفید ہوں. یہ کچھ میں نے کیا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا ہے اس میں میری اپنی رائے اور مرضی کا کوئی دخل نہیں. یہ ان باتوں کی تاویل ہے جن باتوں کو آپ برداشت نہیں کرسکے.

ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے عالم اسلام کے مشہور عالمِ دین ڈاکٹر محمد لقمان صاحب سلفی حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

۱- اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ باپ کی نیکی اولاد کی جانی ومالی حفاظت کا سبب بنتی ہے، بعض کہتے ہیں کہ ان دونوں یتیموں کے باپ نے ہی وہ مال دفن کیا تھا. بعض کا خیال یہ ہے کہ ان کے ساتویں یا دسویں پردادا نے مال دفن کیا تھا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ اپنے نیک بندوں کی اولاد کی کئی پشتوں تک حفاظت فرماتا ہے.

۲- ترمذی اور ابن مردویہ نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ صالح آدمی کی اولاد، اس کی اولاد کی اولاد، اس کے خاندان والوں اور اس کے اردگرد کے خاندانوں کی حفاظت فرماتا ہے، وہ ان کے درمیان جب تک ہوتا ہے سبھی اس کی وجہ سے اللہ کے حفظ وامان میں ہوتے ہیں''.

قرطبی نے سورۃ الأعراف کی آیت (۱۹۶) ﴿اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰہُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْکِتٰبَ ۖ وَھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ﴾ سے اس معنی پر استدلال کیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''بے شک میرا حامی وناصر وہ اللہ ہے جس نے یہ کتاب نازل کی ہے، وہ نیک لوگوں کی مدد کرتا ہے''. (تیسیر الرحمٰن لبیان القرآن: ۷۵۷، ۷۵۸).

۲- آخرت میں نیک اعمال کی کمی بیشی کے باوجود اللہ تعالیٰ اولاد کو والدین کے ساتھ نہ صرف جنّت میں داخلہ عطا فرماتے ہیں بلکہ انہیں ان کے والدین کے ساتھ جنت میں اکٹھا کر دیتے ہیں تا کہ اس سے ان کے والدین کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ﴾ (اور جولوگ ایمان لائے، اوران کی اولاد نے ایمان لاکر راہِ راست پر چلنے میں ان کی پیروی کی، ہم ان کی اولاد کو (جنت میں) اُن سے ملا دیں گے، اور اُن کے نیک اعمال میں ہم کوئی کمی نہیں کریں گے، ہر آدمی اپنے عمل کے بدلے گروی ہوگا) [الطور:۲۱].

باب چہارم

روحانی تربیت

ماں کا کردار:

جسمانی تربیت کے ساتھ ضروری ہے کہ بچوں کی دینی، اسلامی اوراخلاقی تربیت کی جائے، اس سلسلے میں ماں کا کردار باپ سے زیادہ اہم ہے کیونکہ بچے کی سب سے پہلی تربیت گاہ ماں کی آغوش ہے، بچہ، ماں کے ایک ایک قطرہ شیر کے ساتھ اس کے اخلاق وعادات کو بھی اپنے دل ودماغ میں اتارتا جاتا ہے. ماں اگر مؤمنہ اور مسلمہ اور پابند شریعت ہے تو بچے سے بھی یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ آئندہ چل کر صاحبِ ایمان اور پابندِ شرع ہوگا، اگر بد قسمتی سے ماں دین وایمان سے خالی اور آزاد خیال اور فیشن کی دلدادہ ہے تو اس سے پیدا ہونے والی نسل بھی فیشن پرست دین بیزار اور اسلامی تربیت سے عاری ہوگی.

صحابیات رضی اللہ عنھن اور اللہ تعالیٰ کی دیگر نیک بندیوں کے بے شمار واقعات ہیں کہ ان کی حُسنِ تربیت کی وجہ سے ان کی گودوں سے ایک ایسی نسل پیدا ہوئی جنہوں نے آدھی سے زیادہ دنیا کو علم وعرفان، حق وصداقت، عدالت وشجاعت اور اخلاص وللّٰہیت سے بھر دیا. دنیا ان مبارک ومقدس ہستیوں کو، جگر گوشۂ رسول ﷺ سیدنا حسن وحسین، اور عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، اور عبداللہ بن زبیر، امامِ مالک بن أنس، طارق بن زیاد، أحمد بن حنبل، محمد بن اسماعیل البخاری، شیخ عبد القادر جیلانی اور سلطان صلاح الدین أیوبی وغیرہم، رضوان اللہ ورحمتہ علیہم أجمعین کے ناموں سے جانتی ہے.

صحابیات رضی اللہ عنھن چھوٹے چھوٹے بچوں کو تک روزہ رکھواتیں اگر وہ بھوک سے رونے لگتے تو کھلونوں سے ان کے دل بہلاتیں (البخاری) عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک ایسا شخص لایا گیا جس نے ماہ رمضان المبارک میں شراب نوشی کی تھی، آپ نے اس پر حد جاری کی اور فرمایا: ''تجھ پر افسوس! تو نے اس مقدس ومبارک مہینے کے دن میں شراب پی رکھی ہے جبکہ میرے گھر کا ایک ایک بچہ روزہ رکھے ہوئے ہے''.

ماں کے لئے ضروری ہے کہ بچے جس وقت بولنا سیکھیں سب سے پہلے انہیں اپنے خالق ومالک ''اللہ'' کا مبارک ومقدس نام سکھائیں، پھر انہیں کلمۂ توحید «لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ» ترجمہ کے ساتھ یاد

کروائیں.

۲. بچہ جب تھوڑا سا سمجھنے لگے تو اس کی سمجھ کے مطابق اسے حلال اور حرام کی تعلیم دیں، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«إِعْمَلُوا بِطَاعَةِ اللّٰهِ وَاتَّقُوا مَعَاصِيَ اللّٰهِ، وَمُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِإِمْتِثَالِ الْأَوَامِرِ، وَإِجْتِنَابِ النَّوَاهِي، فَذٰلِكَ وِقَايَةٌ لَّهُمْ وَلَكُمْ مِنَ النَّارِ» ''اللہ کی اطاعت کرو اور اس کی نافرمانی سے باز رہو، اپنی اولاد کو احکاماتِ الٰہیہ کو بجالانے اور اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے دور رہنے کی تلقین کرو، اسی میں ان کے لئے اور تمہارے لئے بھی دوزخ کی آگ سے بچاؤ ہے'' (ابن جریر وابن منذر).

توحید کی تعلیم:

والدین کے لئے ضروری ہے کہ اپنی اولاد کو سب سے پہلے توحید کی تعلیم دیں، بچوں کی شروع سے ہی ایسی اسلامی تربیت کریں کہ زندگی کی آخری سانس تک موحد رہیں، ان کا عقیدہ توحید زندگی کے کسی بھی موڑ پر نہ لڑکھڑائے. بچوں کے ذہن پر ایام طفولیت سے ہی یہ نقش کردیں کہ جس ذات والا صفات کی ہم عبادت اور بندگی کرتے ہیں اس کا نام نامی اسمِ گرامی ''اللہ'' ذوالجلال ہے، وہ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے، اس جیسی کوئی چیز نہیں، اس کی بادشاہت میں کوئی شریک نہیں، ساری کائنات کا نفع اور نقصان، موت وحیات، بیماری اور شفا اس کے دستِ قدرت میں ہے، وہی ہے جو رزق دیتا ہے، اولاد دیتا ہے، زندگی اور موت کا مالک ہے، سب اس کے محتاج ہیں، وہ غنی ہے اور سب اس کے فقیر ہیں، جو کچھ بھی ملتا ہے اسی کے در سے ملتا ہے، وہی سب کا داتا ہے، وہ جسے دے اسے کوئی روک نہیں سکتا، جسے نہ دے اسے کوئی نہیں دے سکتا، غیب وحاضر کا جاننے والا، آسمانوں زمینوں کا خالق، مشکل کُشا اور دلوں کا پھیرنے والا وہی ہے. ہر قسم کی عبادت اسی کے لئے لائق وزیبا ہے. جیسا کہ ارشادِ باری ہے: ﴿اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ (تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے) [ھود: ۵۰].

لہٰذا جو شخص اللہ کی الوہیت کا اقرار بھی کرے اور ساتھ ساتھ اللہ کے علاوہ اس کی مخلوق کو رزق دینے والا، اولاد دینے والا، نفع ونقصان کا مالک، حاجت روا، مشکل کُشا، الغرض اللہ تعالیٰ کی خصوصیات میں اللہ کی مخلوق کو شریک بھی کرے تو ایسا شخص موحد نہیں کہلاسکتا، کیونکہ الوہیت وہ جامع وصف ہے جو تمام صفاتِ کمال

کو شامل ہے، لہٰذا توحید کی جامع تعریف یوں ہے: ''جو اوصاف اور اختیارات اللہ کے لئے خاص ہیں، ان میں اللہ کو تنہا اور یکتا ماننا''.

توحید کی اقسام:

توحید کی تین قسمیں ہیں: ۱- توحید رُبوبیت (کائنات کے تمام اختیارات صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ماننا). ۲- توحید اُلوہیت (عبادت کی تمام قسموں کو صرف اسی کے لئے مخصوص کرنا) ۳- توحید اسماء وصفات (اللہ تعالیٰ کے نام اور صفات کی خصوصیات کو اس کی شان کے مطابق اسی کے لئے خاص تسلیم کرنا).

توحید ربوبیت:

اللہ تعالیٰ کو تخلیق کائنات، حاکمیت اعلیٰ اور تدبیر کائنات میں یکتا اور تنہا تسلیم کیا جائے، دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ اپنی پوری کائنات کا خالق ومالک، رزّاق اور اکیلا ہی پوری کائنات کا نظام چلانے والا ہے، وہی حاکمِ مطلق ہے، کوئی اس کا وزیر، مُشیر اور شریک کار نہیں، وہی موت وحیات کا مالک اور وہی مختارِ کُل اور قادرِ مطلق ہے، جو چاہے، جب چاہے اور جیسے چاہے کرنے پر قادر ہے، اسے کوئی مجبور نہیں کرسکتا، وہ غنی ہے اور پوری کائنات اس کی محتاج ہے.

ارشادِ ربانی ہے: ﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ (کیا اللہ کے سوا اور کوئی پیدا کرنے والا ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے روزی پہنچاتا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے) [فاطر: ۳].

اور معبودانِ باطلہ کے اختیارات کی نفی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُۨ﴾ (بے حساب برکتوں والا ہے وہ اللہ) جس کے ہاتھ میں (سارے جہان کی) بادشاہی ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے) [الملک: ۱].

اور پوری کائنات کا نظام چلانے والا، مختارِ کُل، حاجت روا اور مشکل کشا بھی اللہ تعالیٰ ہے. کس قدر جامع ارشاد ہے: ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (آگاہ رہو کہ وہی سب کا پیدا کرنے والا ہے اور اسی کا حکم ہر جگہ نافذ ہے، اللہ رب العالمین کی ذات بہت ہی بابرکت ہے) [الأعراف: ۵۴].

توحیدِ اُلوہیت:

توحید الوہیت کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کسی قسم کی عبادت یا عبادت کا کوئی حصہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کیلئے مخصوص نہ کرے، خواہ وہ کوئی مقرب فرشتہ ہو یا نبی، یا کوئی اور نیک انسان ہو یا کوئی بھی دوسری مخلوق، اس لئے کہ عبادت خالق کا حق ہے اور تمام مخلوق اس کی عبادت گزار ہے، ارشادِ باری ہے:

۱-﴿اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ﴾ (کہ تم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو بے میں اس کی طرف سے تمہیں ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں)[ہود:۲].

۲-﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ (ہر حکم اور فیصلے کا مالک صرف اللہ ہے، اسی نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، یہی صحیح دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں)[یوسف: ۴۰].

۳-﴿وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ﴾ (اور آپ کے رب نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ لوگو! تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو)[الإسراء: ۲۳].

مذکورہ آیات مبارکہ سے واضح ہے کہ ہر قسم کی عبادت اللہ ہی کے لئے خاص ہے اور کسی قسم کی عبادت میں انبیاء علیہم السلام یا فرشتوں یا نیک لوگوں کو شامل کرنا جائز نہیں ہے.

اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے جو کہ اللہ کے حق الوہیت اور ربوبیت میں غیر اللہ کو شریک کرتے ہیں، فرمایا ہے: ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (ان لوگوں نے اپنے عالموں اور اپنے عابدوں کو اللہ کے بجائے معبود بنالیا)[التوبہ: ۳۱].

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر خود رحمت عالم ﷺ نے میرے سامنے بیان فرمائی، کہ جب وہ اسلام لانے کی غرض سے نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کے سامنے یہی آیت تلاوت فرمائی، عدی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: «إِنَّهُمْ لَمْ يَعْبُدُوهُمْ» ”وہ ان کی عبادت تو نہیں کیا کرتے تھے“ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیوں نہیں! جب ان کے علماء و بزرگان ان کے لئے حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دیتے تو وہ ان کی پیروی کیا کرتے تھے، یہی تو ان کی عبادت تھی“. گویا کہ نبی اکرم ﷺ نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات کے خلاف کسی کی بات پر عمل پیرا ہونے کو اس کی

عبادت قرار دیا ہے. اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آن ﷺ سے دریافت کیا کہ «أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللهِ ؟ قَالَ: أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ» ”اللہ کے ہاں کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا: کہ تو اللہ کا کسی کو شریک بنائے حالانکہ اس نے تجھ کو پیدا کیا ہے“ (بخاری و مسلم). (یہ اللہ کے ہاں سب سے بڑا گناہ ہے).

توحیدِ اسماء وصفات:

یعنی وہ اسماء حسنیٰ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے منتخب فرمائے ہیں اور جن جن صفاتِ کمال کے ساتھ اپنی ذاتِ بابرکات کو یا رسول اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو موصوف کیا ہے، ان کے بارے میں عقیدہ رکھا جائے کہ وہ تمام نام اچھے اور تمام صفاتِ بلند ہیں اور اللہ تعالیٰ کو ان میں یکتا و تنہا تسلیم کیا جائے اور جس طرح اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور صفاتِ باکمال کتاب اللہ اور حدیثِ پاک میں مذکورہ ہیں ان کی حقیقت کو اسی طرح تسلیم کیا جائے اور ہر قسم کی تأویل، تحریف، تعطیل، تمثیل اور تشبیہ سے گریز کیا جائے. ارشادِ باری ہے: ﴿لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾ (کوئی چیز اُس کے مانند نہیں، وہ خوب سننے والا اور دیکھنے والا ہے)[شوریٰ: ۱۱].

نیز فرمایا: ﴿فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (پس تم لوگ اللہ کے لئے مثالیں نہ بیان کرو، بے شک اللہ جانتا ہے اور تم لوگ (کچھ بھی) نہیں جانتے ہو)[النحل: ۷۴].

اولاد کو یہ ذہن نشین کرانا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق پر اور اس کی صفاتِ باکمال کو مخلوق کی صفات پر قیاس کرنا جائز نہیں، تاکہ آگے چل کر وہ راسخ العقیدہ اور موحد مسلمان بن کر اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو شرک سے بچا سکیں.

بچوں کے لئے چند ضروری آداب:

اسلام میں دعا اور ذکر واذکار کی خاص اہمیت ہے، بندہ مومن کی زبان ہر وقت اللہ کی یاد سے تر رہتی ہے، اسی لئے رسول ﷺ نے اپنی امّت کو ہر موقعے کی مناسبت سے متفرق اذکار اور دعائیں بتائی ہیں تاکہ اس سے اللہ کی یاد بھی باقی رہے اور انسان ہر قسم کے شر وفساد سے محفوظ رہے. ذیل میں چند دعائیں نقل کی جا رہی ہیں جن کا یاد ہونا چھوٹے بچوں کے لئے نہایت ہی ضروری ہے، والدین سے گذارش ہے کہ وہ اپنی اولاد کو یہ

دعائیں سکھائیں اور عملی طور پر انہیں اس کا پابند بنائیں، نیز تیسویں پارے کی آخری چھوٹی چھوٹی سورتیں اور آیۃ الکرسی اور دعائے قنوت وغیرہ حفظ کروائیں تا کہ بچپن ہی سے بچوں کے دلوں میں ایمان راسخ ہو جائے۔

کھانے پینے کے آداب:

۱- کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھوئیں۔

۲- پھر جب کھانا شروع کریں، تو یہ دُعا پڑھیں: «بِسْمِ اللّٰهِ» ''شروع اللہ کے نام سے'' (البخاری)۔

۳- اگر کھانے کے شروع میں «بِسْمِ اللّٰهِ» بھول جائیں اور کھانے کے دوران میں یاد آ جائے تو اس طرح پڑھ لیں: «بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ» ''اللہ کے نام سے اس کے اول اور اس کے آخر میں'' (ترمذی)۔

۴- کھانے میں عیب نہ نکالیں، اچھا لگے تو کھائیں ورنہ چھوڑ دیں اور یہی رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے (متفق علیہ)۔

۵- ٹیک لگا کر نہ کھائیں۔

۶- کسی کے گھر میں میں کھانا کھائیں تو میزبان کو ان الفاظ میں دعا دیں: «اَللّٰهُمَّ اَطْعِمْ مَنْ اَطْعَمَنِیْ وَاسْقِ مَنْ سَقَانِیْ اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لَهُمْ فِیْمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ» ''اے اللہ! جس نے مجھے کھلایا تو اسے کھلا اور جس نے مجھے پلایا تو اسے پلا۔ اے اللہ! تو نے انہیں جو کچھ دیا ہے اس میں برکت عطا کر اور انہیں بخش دے اور ان پر رحم فرما'' (مسلم)۔

۷- معدہ بھر کر نہ کھائیں بلکہ ایک حصّہ کھانے کے لئے اور ایک پانی کے لئے اور ایک حصّہ خالی رکھیں (احمد)۔

۸- سونے چاندی کے برتنوں میں نہ کھائیں۔

۹- اللہ کی نعمت کی قدر کرتے ہوئے اگر کھانے کا کوئی لقمہ نیچے گر جائے تو اس سے مٹی وغیرہ صاف کر کے کھالیں۔

۱۰- کھانے سے فارغ ہو کر یہ دعا پڑھیں:

کھانے کے بعد کی دُعا:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ هٰذَا وَرَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ» ''سب تعریفیں اس اللہ

کے لئے ہیں جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا، اور میری کسی بھی کوشش اور طاقت کے بغیر مجھے یہ کھانا عطا کیا''۔
(صحیح ترمذی ۳/۳۵۹)۔

۱۱- پانی دائیں ہاتھ سے پییں۔

۱۲- ایک ہی سانس میں اونٹ کی طرح نہ پییں۔

۱۳- بلکہ تین گھونٹ کر کے تین سانسوں میں پییں۔

۱۴- پینے سے پہلے «بِسْمِ اللّٰهِ» اور پینے کے بعد «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ» کہیں۔

۱۵- پانی میں پھونک نہ ماریں۔

۱۶- پانی بیٹھ کر پییں۔

دودھ پینے کی دُعا:

دودھ اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ اسے پی کر یہ دعا پڑھنی چاہئے: «اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ» ''اے اللہ! تو ہمیں اس میں برکت دے اور اس سے زیادہ عطا فرما'' (صحیح سنن ترمذی)۔

سونے کے آداب:

جب رات کو سونے کے وقت بستر پر آئیں تو ان آداب کو ملحوظ رکھیں:

۱- وضو کریں۔

۲- بستر پر لیٹنے سے پہلے بستر کو جھاڑیں۔

۳- سورۃ الاخلاص، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کو ایک ایک بار پڑھ کر جہاں تک ممکن ہو سکے جسم پر ہاتھ پھیریں اور ایسا تین بار کریں۔

۴- آیۃ الکرسی پڑھیں۔ (اسے سوتے وقت پڑھنے سے جان و مال کی حفاظت ہوتی ہے)۔

۵- ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمدللہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھیں (اسے پڑھنے سے دن بھر کی تھکان دور ہوتی ہے)۔

۶- جب سونے لگیں تو دائیں کروٹ لیٹ کر دایاں ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ کر یہ دُعا پڑھیں:

سوتے وقت کی دُعا:

«اَللّٰھُمَّ بِاسْمِکَ اَمُوْتُ وَاَحْیَا» ”اے اللہ! میں تیرے نام سے سو رہا ہوں اور تیرے ہی نام سے اٹھوں گا“ (بخاری مع الفتح ١١/٩٨).

سوکر جاگنے کے وقت کی دُعا:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ» ”تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہم کو زندگی بخشی، ہمیں مردہ کردینے کے بعد. اور اسی کی طرف جی اٹھنا ہے“.

(بخاری مع الفتح ١١/ ١١٣، مسلم ٤/ ٢٠٨٣).

قضائے حاجت کے آداب:

بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت اور داخل ہونے کے بعد ان آداب کو ملحوظ رکھیں:

١- یہ دُعا پڑھیں:

انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت الخلاء میں داخل ہونے کا ارادہ کرتے، تو فرماتے:

بیت الخلاء میں جاتے وقت کی دعا:

«اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ» ”اے اللہ! تحقیق میں تیری پناہ چاہتا ہوں، ناپاک جنوں اور ناپاک جنیوں سے“ (بخاری، مسلم).

ابوداود میں زید بن ارقم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بیت الخلاء جنوں اور شیطانوں کے حاضر ہونے کی جگہیں ہیں، اس لئے جب تم میں سے کوئی بیت الخلاء میں جائے تو کہے: ”میں خبیث جنوں اور جنیوں سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں.“ (ابوداود).

٢- بایاں پاؤں پہلے داخل کریں.

٣- زمین سے قریب ہوکر کپڑا اٹھائیں (ترمذی).

٤- پیشاب کے چھینٹوں سے بچیں، اس لئے کہ قبر میں زیادہ عذاب پیشاب سے نہ بچنے کی وجہ سے

ہوتا ہے (دارقطنی).

٥- کسی سے اس دوران ہرگز بات چیت نہ کریں، اس لئے کہ اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے.

٦- بیت الخلاء میں داخل ہوجانے کے بعد اللہ کا نام لینا، رسول اللہ ﷺ کا نام لینا، کوئی ذکرواذکار یا دعا وغیرہ پڑھنا ناجائز ہے.

٧- اپنی شرمگاہ کو داہنا ہاتھ ہرگز نہ لگائیں.

٨- بائیں ہاتھ سے گندگی صاف کریں.

٩- پھر ہاتھ کو صابن وغیرہ سے اچھی طرح صاف کریں.

١٠- پھر مندرجہ ذیل دعا پڑھیں:

بیت الخلاء سے نکلتے وقت کی دعا:

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ بیت الخلاء سے نکلتے تو یہ فرماتے: «غُفْرَانَکَ» ”پروردگار! تیری بخشش چاہتا ہوں“ (ترمذی).

چھینک اور جمائی لینے کے آداب:

١- چھینک لینے کے بعد «اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ» (تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں) کہیں.

٢- چھینک سننے والا «یَرْحَمُکَ اللہ» (اللہ تم پر رحم کرے) کہے.

٣- چھینکنے والا جواب میں کہے: «یَھْدِیْکُمُ اللہُ وَیُصْلِحُ بَالَکَ» (اللہ تمہیں ہدایت پہ رکھے اور تمہاری حالت درست کرے) (البخاری).

٤- چھینک لینے کے وقت منہ کو رومال یا کسی اور چیز سے ڈھانک لیں، تاکہ منہ کے ذرّات پھیلنے سے کسی کو اذیّت نہ ہو.

٥- تین مرتبہ چھینکنے کے بعد چھینک آئے تو پھر «اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ» کہنا اور اس کا جواب دینا ضروری نہیں ہے. (مسلم، ابوداود).

٦- اگر کسی نے چھینک لینے کے وقت «اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ» نہیں کہا تو اس کا جواب نہیں دینا چاہئے (مسلم).

۷- غیر مسلم چھینکے تو «یَرْحَمُکَ اللہ» نہیں، بلکہ «یَھْدِیْکَ اللہُ وَیُصْلِحَ بَالُکَ» کہنا چاہیے.

(ترمذی. ابوداود).

۸- جمائی آنے لگے تو حتی الامکان اسے روکنے کی کوشش کریں کیونکہ یہ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے (البخاری).

۹- جب جمائی آئے تو اپنا ہاتھ منہ پر رکھ دیں، اس لئے کہ منہ کو کھلا چھوڑ دینے سے اس میں شیطان داخل ہوتا ہے (مسلم).

۱۰- جمائی آئے تو منہ کھلا رکھ کر ہاہا کی آواز نہ نکالیں، اس سے شیطان ہنستا ہے (احمد، ترمذی).

سلام کے آداب:

سلام مسلمانوں کے لئے اللہ تعالی کی طرف سے ایک نعمت ہے اس میں دوسرے مسلمان بھائی کے لئے سلامتی، رحمت اور برکت کی دعا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی بے حد تاکید فرمائی ہے. ارشاد نبوی ہے: «لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا، وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا، أَوَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰی شَيْءٍ إِنْ فَعَلْتُمْ تَحَابَبْتُمْ ؟ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ» ”تم اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ ایمان نہ لاؤ. اور اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ ایک دوسرے سے محبت نہ کرو. کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں اگر تم نے اسے کیا تو آپس میں محبت کرنے لگو گے؟ تم آپس میں سلام کو پھیلاؤ اور رواج دو“ (مسلم).

مکمل سلام:

«اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَكَاتُهٗ» کرنے سے تیس نیکیاں ملتی ہیں، اور «اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللهِ" کہنے پر بیس نیکیاں اور «اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ» کہنے پر دس نیکیاں ملتی ہیں (ابوداود. ترمذی)

والدین سے التماس ہے کہ وہ اپنے بچوں کو سلام اور دیگر اسلامی آداب واطوار سکھائیں، اس کے لئے پہلے خود انہیں سلام کریں اور اس طرح بچوں کو اس کی عادت ڈالیں. دور حاضر میں انگریزی عادات واطوار کا عام رواج ہو گیا ہے، اور یہ وبا مسلم خاندانوں میں بھی در آئی ہے، بے شمار والدین اپنے بچوں کے منہ سے "Good Morning""Good Evening" کے الفاظ سن کر لٹو ہو جاتے ہیں، سلام کرنے کو وہ ایک دقیانوسی عمل سمجھتے ہیں. ایسے والدین اچھی طرح جان لیں کہ جو قوم اپنی تہذیب وثقافت اور دین وایمان کی

حفاظت نہیں کرتی، وہ پستی کے انتہائی عمیق غاروں میں گر جاتی ہے، ایسے لوگ پھر دین وایمان سے بھی آزاد ہو کر اپنی روشنی طبع کی بلا کا خود شکار ہو جاتے ہیں. ذیل میں سلام کے آداب درج کئے جا رہے ہیں، والدین سے عرض ہے کہ اپنے نونہالوں کو اس کی پابندی کرائیں:

۱- سلام بلند آواز سے کیا جائے تا کہ سنا جا سکے.

۲- یہودیوں کی طرح انگلیوں سے یا عیسائیوں کی طرح ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے اشارے نہ کئے جائیں (ترمذی).

۳- سوار پیدل کو.

۴- چلنے والا بیٹھے ہوئے کو.

۵- چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو (متفق علیہ).

۶- اور چھوٹا بڑے کو سلام کرے (بخاری).

۷- غیر مسلم سلام کرے تو جواب میں «وَعَلَيْكُمْ» کہیں.

۸- گھر میں داخل ہوں تو سلام کریں [النور: ۲۷].

۹- سلام کرنے والوں میں وہ شخص زیادہ بہتر ہے جو سلام میں پہل کرتا ہے.

گفتگو کے آداب:

زبان اللہ تعالی کی بہت بڑی نعمت ہے، اس سے انسان اپنے مافی الضمیر کو ادا کر سکتا ہے، انسان کی گفتگو اس کی شخصیت کا پتہ دیتی ہے، اگر وہ شائستہ گفتگو کرتا ہے تو اس سے اس کی تہذیب کا پتہ چلتا ہے، زبان سے نکلنے والے الفاظ اگر غلط یا تہذیب سے گرے ہوئے ہوں تو اس سے محبت کے بجائے نفرت، دشمنی پھیلتی ہے اور عموما لڑائی اور جھگڑے زبان کے آزادانہ استعمال کی وجہ سے ہی پیدا ہوتے ہیں. اسی لئے ایک طویل حدیث میں کئی اعمال کو ذکر کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو زبان سنبھال کر رکھنے کی تاکید فرمائی: «قَالَ : أَلَا أُخْبِرُكَ بِمِلَاكِ ذٰلِكَ كُلِّهِ ؟ قُلْتُ: بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللهِ! فَأَخَذَ بِلِسَانِهِ فَقَالَ: كُفَّ عَلَيْكَ هٰذَا. قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! وَإِنَّا لَمُؤَاخَذُوْنَ بِمَا نَتَكَلَّمُ بِهِ؟ فَقَالَ

ثَکِلَتْکَ أُمُّکَ وَهَلْ یَکُبُّ النَّاسَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوهِهِمْ إِلاَّ حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ؟» ''کیا میں تمہیں ان تمام اعمال کو کنٹرول کرنے والی چیز نہ بتلاؤں؟ میں نے کہا: یارسول اللہ! ضرور بتلائیں. آپ نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا: اس کو سنبھالے رکھو. میں نے کہا: یارسول اللہ! کیا ہم اپنی گفتگو پر بھی پکڑے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں تمہیں کھودے! لوگوں کو انکے منہ کے بل جہنم میں گرانے والی، ان کی زبان کی کمائی ہی تو ہے'' (ترمذی).

مثال مشہور ہے: ''زبان شیریں ملک گیریں'' زبان کو میٹھی رکھو، اور ملک (عوام کا دل) جیت لو. ذیل میں گفتگو کے چند آداب ذکر کئے جارہے ہیں، والدین اپنے التماس ہے کہ اپنے بچوں کو بات چیت کے ان اسلامی آداب کی تلقین کریں:

۱- دھیمے دھیمے گفتگو کریں، تیزی سے نہ کریں، حکیم لقمان نے اپنے لڑکے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا: ﴿وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۚ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ﴾ (اور اپنی آواز پست رکھ، بے شک بدترین آواز گدھوں کی آواز ہوتی ہے) [لقمان: ۱۹]. آپ ﷺ اس طرح گفتگو فرماتے کہ کوئی اگر آپ کے الفاظ گننا بھی چاہے تو وہ گن سکتا (متفق علیہ).

۲- گفتگو میں فصاحت وبلاغت دکھانے کے لئے پُر تکلّف الفاظ استعمال نہ کریں (ابوداود. ترمذی) اس سے لوگ گھن محسوس کرتے ہیں.

۳- لوگوں کی سمجھ کے معیار پر گفتگو کریں، (بخاری عن علی موقوفا) علمی طبقے میں علمی اور عوام کے درمیان عوامی سطح پر بات کریں.

۴- گفتگو مناسب ہو نہ بلکل مختصر نہ اتنی طویل کہ لوگ بوریت کا شکار ہوں، آپ ﷺ کی نماز اور خطبہ درمیانہ ہوا کرتا تھا (مسلم).

۵- جس سے گفتگو کریں اس کی جانب پوری توجہ مبذول کریں.

۶- مجلس میں تمام کی جانب توجہ کریں.

۷- کسی کی بات ختم ہونے تک دھیان سے سنیں اور درمیان میں نہ بولیں.

۸- مجلس میں جب کئی لوگ موجود ہوں تو کسی سے سرگوشی نہ کریں.

بچوں کے لئے چند ضروری دعائیں:

کپڑا پہننے کی دُعا:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ کَسَانِیْ مَا اُوَارِیْ بِهٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِیْ حَیَاتِیْ» ''سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے مجھ کو وہ چیز پہنائی جس سے میں اپنے ستر کو ڈھانکتا ہوں. اور اپنی زندگی میں اس سے زینت کرتا ہوں'' (ترمذی).

گھر سے نکلنے کی دُعا:

«بِسْمِ اللّٰهِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلاَّ بِاللّٰهِ» ''شروع اللہ کے نام سے. میں نے اللہ پر بھروسہ کیا. کوئی طاقت گناہ سے پھیرنے اور کوئی قوت نیکی کرنے کی، اللہ کی توفیق کے بغیر نہیں ہے'' (ابوداوٗد).

گھر میں داخل ہونے کی دعا:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَسْئَلُکَ خَیْرَالْمَوْلَجِ وَخَیْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَ بِسْمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا وَعَلَی اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَکَّلْنَا» ''یاالٰہی! میں تجھ سے گھر میں آنے کی بھلائی مانگتا ہوں. اور گھر سے نکلنے کی بھلائی بھی. ہم اللہ کے نام سے داخل ہوئے اور اللہ کا نام لے کر (باہر) نکلے. اور اپنے پروردگار اللہ پر ہم نے بھروسہ کیا'' (النسائی).

آئینہ دیکھنے کے وقت کی دُعا:

جب آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھیں، تو یہ دعا پڑھیں: «اَللّٰهُمَّ حَسَّنْتَ خَلْقِیْ فَحَسِّنْ خُلُقِیْ» ''یاالٰہی! تو نے میری صورت اچھی بنائی، پس تو میری سیرت بھی اچھی بنادے'' (ابن حبان).

اول رات چاند دیکھنے کے وقت کی دُعا:

جب پہلی رات کا چاند دیکھیں، پہلے اللہ اکبر کہیں، اور پھر یہ دعا پڑھیں: «اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهٗ عَلَیْنَا بِالْیُمْنِ وَالإِیْمَانِ وَالسَّلاَمَةِ وَالإِسْلاَمِ وَالتَّوْفِیْقِ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰهُ» ''یاالٰہی! اس چاند کو

ہم پر برکت اور ایمان اور سلامتی اور اسلام کے ساتھ چڑھا اور ہم کو اس چیز کی توفیق دے جس سے تو راضی اور خوش ہوتا ہے، اے چاند! میرا اور تیرا پروردگار اللہ ہے (ترمذی).

سجدۂ تلاوت کی دُعا:

«سَجَدَ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ» ''میرے چہرے نے اس ذات کے لئے سجدہ کیا جس نے اس کو پیدا کیا اور اس کو صورت بخشی اور اپنی قوت اور قدرت سے اس کے کان اور آنکھیں کھولیں.'' (ترمذی).

روزہ افطار کرنے کی دُعا:

روزہ افطار کرتے وقت یہ دعائیں پڑھیں:

(۱) «اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِرَحْمَتِکَ الَّتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ اَنْ تَغْفِرَلِیْ» ''اے اللہ! میں تیری اس رحمت کے ساتھ سوال کرتا ہوں، جو ہر چیز پر محیط ہے، تو مجھے بخش دے.'' (ابن ماجہ ۱/ ۵۵۷ اور حافظ نے الأذکار میں اسے حسن کہا ہے. دیکھئے: شرح الأذکار ۴/ ۳۴۲).

(۲) «اَللّٰهُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ» ''اے اللہ! میں نے تیری رضا کے لئے روزہ رکھا اور تیرے ہی عطا کردہ رزق کے ساتھ افطار کر رہا ہوں'' (ابوداوٗ).

روزہ افطار کرنے کے بعد کی دُعا:

«ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ» ''پیاس جاتی رہی اور رگیں تر ہو گئیں اور ثواب ثابت ہوا. اگر اللہ نے چاہا.'' (ابوداوٗد).

دعائے قنوت:

حسن بن علی رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے کچھ کلمات سکھائے کہ میں انہیں قنوت وتر میں کہا کروں (وہ کلمات یعنی دعاء قنوت یہ ہے جو وتر کی آخری رکعت میں قبل یا بعد رکوع پڑھتے ہیں: «اَللّٰهُمَّ اهْدِنِیْ فِیْمَنْ هَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَا أَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ فَإِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْکَ إِنَّهُ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ (وَلَا

یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ) تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَ تَعَالَیْتَ» ''یا الٰہی! مجھ کو ہدایت کر ان لوگوں کے زمرہ میں جنہیں تو نے ہدایت دی. اور مجھے عافیت میں رکھ ان لوگوں کی جماعت میں جنہیں تو نے عافیت دی اور میری کارسازی کر ان لوگوں میں جن کی تو نے کارسازی کی اور برکت دے میرے لئے اس چیز میں جو مجھے تو نے عطا کی اور مجھے اس چیز کی برائی سے بچا جو تو نے مقرر کی. کیونکہ تو جو چاہے حکم کرتا ہے اور تجھ پر کسی کا حکم نہیں چل سکتا. بیشک جسے تو دوست رکھے وہ ذلیل نہیں ہو سکتا. اور وہ عزت نہیں پا سکتا جسے تو دشمن رکھے. اے ہمارے رب! تو بابرکت ہے اور بلند ہے.'' (ابوداوٗد، نسائی، ابن ماجہ، احمد، دارمی، قوسین کے الفاظ بیہقی کے ہیں).

آیۃ الکرسی:

﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ﴾ (اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور تمام کائنات کی تدبیر کرنے والا ہے، اسے نہ اونگھ آتی ہے، اور نہ نیند، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اسی کی ملکیت ہے، کون ہے جو اُس کی جناب میں بغیر اُس کی اجازت کے کسی کے لئے شفاعت کرے، وہ تمام وہ کچھ جانتا ہے جو لوگوں کے سامنے اور ان کے پیچھے ہے، اور لوگ اُس کے علم میں سے کسی بھی چیز کا احاطہ نہیں کرتے ہیں، سوائے اُتنی مقدار کے جتنی وہ چاہتا ہے، اس کی کرسی کی وُسعت آسمانوں اور زمین کو شامل ہے، اور ان کی حفاظت اُس پر بھاری نہیں، وہی بلندی اور عظمت والا ہے) [البقرہ: ۲۵۵].

عبادات کا حکم:

بچوں کو رب العالمین کی عبادت کا حکم دینا چاہئے، ان کی عمر اور فہم کے مطابق انہیں نماز اور روزے کی تاکید کرتے رہنا چاہئے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْهَا ۭ﴾ (اور آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے، اور خود بھی اس کی پابندی کیجئے) [طہ: ۱۳۲]. اسماعیل ذبیح اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کی خصوصیت سے اللہ تعالیٰ نے اس لئے تعریف فرمائی ہے کہ وہ اپنے بال بچوں کو نماز اور زکاۃ کی تاکید

کرتے تھے. فرمانِ باری ہے:﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۚ
وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا﴾ (اور آپ قرآن میں اسماعیل کا ذکر
کیجئے، وہ وعدہ کے بڑے سچے تھے، اور رسول و نبی تھے، اور اپنے گھر والوں کو نماز و زکاۃ کا حکم دیتے تھے، اور
وہ اپنے رب کے نزدیک بڑے پسندیدہ تھے)[مریم: ۵۴، ۵۵]. نیز فرمان ہے:﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا
اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ (اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال
کو جہنم کی آگ سے بچاؤ). [التحریم: ۶].

لقمان حکیم رحمہ اللہ نے اپنے لڑکے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:﴿وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ
يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ (جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے
ہوئے کہا: اے میرے بیٹے! کسی کو اللہ کا شریک نہ بنا، بے شک شرک ظلم عظیم ہے)[لقمان: ۱۳]. نیز
فرمایا:﴿يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ
عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ
فَخُوْرٍ﴾ (اے میرے بیٹے! نماز قائم کر، بھلائی کا حکم دے، اور برائی سے روک، اور تجھے جو تکلیف پہنچے اس
پر صبر کر، بے شک یہ سارے کام بڑے ہمت کے اور ضروری ہیں. اور لوگوں سے اپنا چہرہ پھیر کر بات نہ کر، اور
زمین میں اکڑ کر نہ چل، بے شک اللہ ہر اس شخص کو پسند نہیں کرتا ہے جو اکڑ کر چلنے والا فخر کرنے والا ہوتا ہے).
[لقمان: ۱۷، ۱۸].

یعقوب علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت اپنی اولاد کو جمع کر کے انہیں یہ وصیت فرمائی:﴿اَمْ كُنْتُمْ
شُهَدَاۗءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ۭ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَاۗىِٕكَ
اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰــهًا وَّاحِدًا ښ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ (کیا جب یعقوب کی موت قریب تھی تو تم
لوگ وہاں موجود تھے؟ جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم لوگ کس کی عبادت کرو گے؟
انہوں نے کہا کہ ہم آپ اور آپ کے آباء ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کے معبود، ایک اللہ کی عبادت کریں
گے، اور ہم اسی (ایک اللہ) کی اطاعت گزار رہیں)[البقرہ: ۱۳۳].

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: عن عبد الله بن عمرو بن العاص عن رسول الله ﷺ أنه قال:

«مُرُوا أَوْلَادَكُم بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ، وَفَرِّقُوا فِي
الْمَضَاجِعِ» عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اپنے بچوں
کو جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو نماز کا حکم دو، دس سال عمر کو پہنچ جائیں تو انہیں نماز نہ پڑھنے پر مارو اور ان
کے بستر الگ کر دو'' (ابوداود بسند حسن).

وضو اور غسل کا طریقہ:

وضو کے لئے طریقہ صحیح احادیث کی روشنی میں پیشِ خدمت ہے، والدین سے گذارش ہے کہ اپنی اولاد
کو مندرجہ ذیل طریقہ پر وضو کی تعلیم دیں.

۱-مسواک کرنا:

وضو سے پہلے مسواک کرنا مستحب ہے، یہ نبی اکرم ﷺ کی محبوب سنت ہے. ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں اپنی امت کے لئے مشکل نہ جانتا تو انہیں ہر نماز سے پہلے مسواک کرنے کا حکم
دیتا'' (البخاری).

۲-نیّت کرنا:

وضو سے پہلے دل میں وضو کی نیت کرنی چاہئے، کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے'' (بخاری ومسلم).

۳-تسمیہ:

وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو بسم اللہ نہیں پڑھتا اس کا وضو
نہیں ہے'' (ترمذی، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ).

نوٹ: اگر ابتدا میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو جب یاد آئے اسی وقت پڑھ لینے سے وضو صحیح
ہوگا، اگر وضو کی جگہ باتھ روم کے اندر ہو تو داخل ہونے سے پہلے وضو کی نیت سے بسم اللہ پڑھ لینا کافی ہوگا.

۴-دونوں ہاتھ کلائی کے جوڑ تک تین مرتبہ دھوئیں.

۵-دائیں ہاتھ میں پانی لے کر تین مرتبہ کلّی کریں اور تین مرتبہ ہی ناک میں اچھی طرح پانی

چڑھائیں اور بائیں ہاتھ سے ناک صاف کریں۔

٦- تین مرتبہ چہرے کو پیشانی کے بالوں کی جڑوں سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک اور دائیں کان سے بائیں کان تک دھوئیں اور داڑھی کا خلال کریں۔

٧- دایاں ہاتھ کہنی سمیت تین مرتبہ دھوئیں اور پھر بایاں ہاتھ کہنی سمیت تین مرتبہ دھوئیں۔

٨- پھر ہاتھوں کو پانی سے تر کر کے سر کا مسح کریں (دونوں ہاتھ سر کے اگلے حصہ سے شروع کر کے پیچھے گدی تک لے جائیں اور پھر پیچھے سے آگے اسی جگہ لے آئیں جہاں سے مسح شروع کیا تھا)۔

٩- پھر کانوں کا مسح اس طرح کریں کہ شہادت کی انگلیاں دونوں کانوں کے سوراخوں میں داخل کریں اور ان سے کانوں کے اندر والے حصے کا مسح کریں اور انگوٹھوں کے ساتھ کانوں کی پشت (یعنی باہر والے حصہ) کا مسح کریں۔

نوٹ:

1. سر اور کانوں کا مسح ایک ہی بار کیا جائے گا۔

2. کانوں کے مسح کے لئے نیا پانی لینا ضروری نہیں ہے کیونکہ کان سر ہی کا حصہ ہیں۔

3. گردن کا مسح کرنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے اس بارے میں جو روایت مشہور ہے اس کے متعلق امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ بالاتفاق ضعیف ہے۔

١٠- پھر دایاں پاؤں ٹخنوں سمیت تین بار اور پھر بایاں پاؤں ٹخنوں سمیت تین مرتبہ دھوئیں اور انگلیوں کا خلال کریں (بخاری ومسلم)۔

وضو کے بعد کی دعائیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی اچھی طرح وضو کرے پھر یہ دعا پڑھے: «اَشْهَدُ اَنْ لاّ اِلٰهَ اِلاّ اللّٰهُ وَحْدَهُ لاَشَرِيْکَ لَهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ» ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں و میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندہ اور رسول ہیں''(مسلم) پھر پڑھیں: «اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِی مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ» ''اے اللہ! مجھے توبہ کرنے اور پاک صاف رہنے والوں میں کر'' (ترمذی)۔ تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جس

سے چاہے داخل ہو جائے۔

غُسلِ جنابت کا طریقہ:

١- دل میں غسل کی نیت کریں اور حمام سے باہر بسم اللہ پڑھ لیں۔

٢- اپنے ہاتھوں کو تین مرتبہ دھوئیں۔

٣- استنجاء کریں۔

٤- وضو کریں لیکن پاؤں نہ دھوئیں۔

٥- دونوں ہاتھوں کی انگلیاں پانی سے تر کر کے بالوں کی جڑوں کو تر کریں، یعنی سر اور داڑھی کے بال۔

٦- سر کی دائیں طرف سے شروع کرتے ہوئے پانی کے تین چلّو بھر کر سر پر ڈالیں۔

٧- پورے بدن پر پانی بہائیں اور حتی الامکان تمام اعضاء کو مل کر دھوئیں اور انگلیوں کا خلال کریں۔

٨- پھر اپنی جگہ سے ہٹ کر تین تین مرتبہ دونوں پاؤں کو دھوئیں، اس کے بعد نماز کے لئے وضو کرنے کی حاجت نہیں بلکہ غسل ہی کافی ہوگا (بخاری ومسلم)۔

نماز کا صحیح طریقہ:

نماز دین کا ستون اور اسلام کا اہم رکن ہے، کلمۂ شہادت کے اقرار کے بعد نماز قائم کرنے کی سب سے زیادہ تاکید کی گئی ہے، ابتدا شعور سے ہی نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے، نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''قیامت کے روز اعمال میں سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا'' (ابوداؤد)۔

نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو نماز ادا کرنے کا طریقہ سکھایا اور انہیں حکم دیا: «صَلُّوْا کَمَا رَأَيْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ» ''تم اسی طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز ادا کرتے ہوئے دیکھتے ہو'' (البخاری)۔

پیارے رسول ﷺ کی پیاری نماز کا طریقہ جو کہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے پیشِ خدمت ہے، والدین سے گزارش ہے کہ اپنے نونہالوں کو اسی طریقے پر نماز ادا کرنے کی عادت ڈالیں تا کہ وہ اس اہم عبادت کو سنّت کے مطابق ادا کریں۔

(۱) استقبالِ قبلہ:

نمازی کے لئے ضروری ہے کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو (بخاری ومسلم) دورانِ نماز آنکھیں کھلی اور نظر سجدہ کی جگہ پر ہونی چاہئے (بیہقی حاکم).

(۲) نیت کرنا:

دل میں نیت کرے کہ وہ کونسی نماز اور کتنی رکعت پڑھنا چاہتا ہے، کیونکہ "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے" (بخاری ومسلم). نیز زبان سے نیت کرنا کہ "اتنی رکعت نماز فرض، اللہ تعالیٰ کے لئے فلاں کے پیچھے، منہ طرف قبلہ کے" وغیرہ نبی ﷺ اور آپ کے کسی صحابی اور فقہائے کرام سے ثابت نہیں ہے بلکہ یہ بدعت ہے.

(۳) تکبیرِ تحریمہ:

دل میں نماز کی نیت کر کے "اللہُ اکبر" کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر یا کانوں کی لو کے برابر تک اس طرح اٹھائیں کہ ہاتھوں کی انگلیاں کھلی ہوئی ہوں اور ہتھیلیاں قبلہ رُخ ہوں.

(۴) سینہ پر ہاتھ باندھنا:

نبی اکرم ﷺ تکبیرِ تحریمہ کے بعد دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر اس طرح رکھتے کہ ایک ہاتھ کا جوڑ دوسرے کے جوڑ پر ہوتا اور انہیں سینہ مبارک پر رکھتے جیسا کہ صحیح ابن خزیمہ میں ہے: «کَانَ یَضَعُھُمَا عَلَی الصَّدْرِ» "نبی پاک ﷺ اپنے ہاتھ مبارک سینہ اطہر پر باندھتے تھے".

(۵) دعائے استفتاح:

نمازی سینہ پر ہاتھ باندھ کر سب سے پہلے دعائے استفتاح یا ثناء پڑھے. نبی اکرم ﷺ مندرجہ ذیل دعا پڑھا کرتے تھے:

(۱) «اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَّ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اَللّٰھُمَّ نَقِّنِیْ مِنَ الْخَطَایَا کَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰھُمَّ اغْسِلْ خَطَایَایَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ» "اے اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان دوری ڈال دے، جس طرح تو نے مشرق اور مغرب میں دوری ڈالی ہے. اے اللہ! مجھے گناہوں سے ایسا صاف کردے جس طرح سفید کپڑا میل سے صاف کیا جاتا ہے اے

اللہ میرے گناہ پانی، برف اور اولوں سے دھودے" (متفق علیہ).

(۲) «سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَا اِلٰہَ غَیْرُکَ» "اے اللہ! تو پاک ہے اپنی تعریف کے ساتھ، تیرا نام بابرکت ہے، اور بلند ہے تیری شان اور تیرے سوا کوئی سچا معبود نہیں" (احمد، ترمذی).

تعوذ:

دعائے استفتاح کے بعد «اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ» "میں اللہ تعالیٰ کے ذریعہ مردود شیطان سے پناہ مانگتا ہوں" پڑھے.

تسمیہ:

اس کے بعد ﴿بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ (میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بے حد رحم کرنے والا ہے) پڑھے (بخاری ومسلم).

سورۃ الفاتحہ:

اس کے بعد سورۃ الفاتحہ پڑھے کیونکہ یہ نماز کا رکن ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: «لَاصَلَاۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ» "جو نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی" (بخاری ومسلم) نیز سورۃ فاتحہ ایک ایک آیت کر کے پڑھنی چاہئے.

آمین:

سورۃ فاتحہ کے اختتام پر آمین کہیں، اگر اکیلے ہوں یا سرّی نمازوں (جن میں قرأت آہستہ ہوتی ہے جیسے ظہر اور عصر میں، امام کے پیچھے ہوں تو آمین آہستہ کہیں، اگر نماز جہری ہو (جس میں قرأت بلند آواز سے کی جاتی ہے جیسا کہ فجر، مغرب اور عشاء وغیرہ) تو خواہ آپ امام ہوں یا مقتدی بلند آواز سے آمین کہیں.

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ﴿غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ﴾ پڑھا اور پھر بلند آواز سے آمین کہی (ترمذی، ابوداؤد).

عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ میں نے دو سو صحابہ کرام کو دیکھا کہ بیت اللہ میں جب امام ﴿وَ لَا

الضَّآلِّیْنَ﴾ کہتا تو سب بلند آواز سے آمین کہتے (بیہقی).

دوسری سورت ملانا:

نمازی اگر اکیلا نماز ادا کر رہا ہو یا خود امام ہو تو اسے پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی دوسری سورت بھی پڑھنی چاہیئے. (بخاری ومسلم) یعنی ﴿بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ پڑھ کر کوئی بھی دوسری سورت پڑھے، اگر نماز جہری ہو تو اس میں مقتدی کو امام کے پیچھے صرف سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہیئے اور کوئی سورت نہیں پڑھنی چاہیئے (البخاری).

رکوع:

قرأت سے فارغ ہو کر «اَللّٰهُ اَكْبَرُ» کہتے ہوئے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر تک اس طرح اٹھائیں کہ ہتھیلیاں کندھوں کے برابر اور ہاتھوں کی انگلیاں کانوں کی لو کے برابر ہوں اور رکوع میں چلے جائیں.
(بخاری ومسلم).

رکوع میں دونوں ہاتھ گھٹنوں پر اس طرح رکھیں جیسا کہ گھٹنوں کو پکڑ رکھا ہو، اپنے بازوؤں کو پہلوؤں سے الگ رکھیں اور کمر کو اس طرح سیدھا رکھیں کہ اگر اس پر پانی بھی ڈالا جائے تو اس پر ٹھہر جائے اور سر کو کمر کے برابر رکھیں نہ بہت نیچے جھکائیں اور نہ اوپر اٹھائیں (بخاری مسلم).

رکوع کی تسبیحات:

اطمینان کے ساتھ رکوع کریں اور کم از کم تین مرتبہ مندرجہ ذیل تسبیحات پڑھیں:

(۱) «سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ» "پاک ہے میرا عظمت والا رب" (مسلم).

(۲) «سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِکَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِی» "اے اللہ! تو پاک ہے، یا رب اور ہم تیری حمد بیان کرتے ہیں، اے اللہ مجھے بخش دے" (بخاری ومسلم).

رکوع سے اُٹھنا:

رکوع سے اٹھتے وقت کہے: «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ» "اللہ نے تعریف کرنے والے کی تعریف سن لی" (بخاری ومسلم).

اور دونوں ہاتھ اسی طرح کندھوں کے برابر تک اُٹھائے جس طرح رکوع کو جاتے وقت اُٹھائے تھے.
(بخاری ومسلم).

قومہ کی دعا:

رکوع کے بعد بالکل سیدھے کھڑے ہو کر یہ دُعا پڑھنی چاہیئے: «رَبَّنَا وَ لَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُبَارَکًا فِیْهِ» "اے ہمارے رب تیرے لئے سب تعریفیں ہیں بہت زیادہ، پاکیزہ کلمات جن میں برکت دی گئی ہے" (البخاری).

اگر مقتدی ہو یعنی امام کے پیچھے ہو تو اسے «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ» کہنے کی ضرورت نہیں بلکہ وہ «رَبَّنَا وَ لَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُبَارَکًا فِیْهِ» ہی کہے گا، لیکن اگر اکیلا ہو یا امام ہو تو اس کے لئے "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" کہنا ضروری ہے.

سجدہ:

قومہ کے بعد «اَللّٰهُ اَکْبَرُ» کہہ کر سجدہ کے لئے جھکیں اور زمین پر پہلے ہاتھ رکھیں اور بعد میں گھٹنے (ابن خزیمہ، دار قطنی) اور سات اعضاء پر سجدہ کریں یعنی ناک اور پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں زمین کو چھوئیں (بخاری ومسلم). ہاتھوں کی انگلیاں کھلی اور ساتھ ملی ہوئی ہوں، بازو پہلوؤں سے اور پیٹ رانوں سے الگ ہو، پاؤں کی ایڑیاں ملی ہوئی ہوں اور انگلیاں قبلہ رخ ہوں اور نہایت اطمینان کے ساتھ سجدہ کیا جائے (بخاری ومسلم. ابوداؤد).

سجدے کی دُعائیں:

سجدے میں کم از کم تین مرتبہ یہ دعائیں پڑھیں:

(۱) «سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی» "پاک ہے میرا رب بلندیوں والا" (احمد، ابوداؤد).

(۲) «سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِکَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ» "پاک ہے تو اے اللہ! اے ہمارے رب! اور اپنی تعریف کے ساتھ اے اللہ مجھے بخش دے" (البخاری).

دو سجدوں کے درمیان:

اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدے سے اٹھیں اور اپنے بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر سیدھے بیٹھ جائیں اور دائیں پاؤں کو اسی طرح کھڑا رکھیں جس طرح سجدے میں تھا اور دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر رکھیں اور یہ دعا پڑھیں «اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَعَافِنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَ ارْفَعْنِیْ» ”اے اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے ہدایت دے اور میری کمی کو پورا کردے اور مجھے عافیت بخش اور مجھے روزی عطا کر اور مجھے بلند کر“.

(ابوداؤد- ترمذی، ابن ماجہ).

دوسرا سجدہ:

اس کے بعد اللہ اکبر کہہ کر اسی طرح دوسرا سجدہ کریں جیسا پہلے کیا تھا.

جلسہ استراحت:

دوسرے سجدے کے بعد دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے سے پہلے سیدھا بیٹھ جانا چاہئے اسے جلسۂ استراحت کہتے ہیں، سیدھے بیٹھ کر ہاتھوں پر وزن دے کر اس طرح اٹھیں کہ پہلے گھٹنے زمین سے اوپر اٹھائیں اور بعد میں ہاتھ (البخاری- ابوداؤد).

دوسری رکعت:

دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہو کر سینے پر ہاتھ باندھ لیں اور سورۂ فاتحہ سے قرأت شروع کریں، باقی رکعت پہلی رکعت کی طرح مکمل کریں.

درمیانی تشہد:

دو رکعت سے زائد نماز میں دوسری رکعت کے بعد تشہّد کرنا واجب ہے سوائے نمازِ وتر کے، کیونکہ تین رکعت وتروں میں دو رکعت کے بعد تشہد کرنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے.

دوسری رکعت کے دوسرے سجدے سے اُٹھ کر دایاں پاؤں کھڑا رکھتے ہوئے بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر سیدھے بیٹھ جائیں اور دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر اس طرح رکھیں کہ شہادت کی انگلی اوپر اٹھی ہوئی ہو اور باقی انگلیاں بند ہوں اور بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھیں اور اس کی انگلیاں کھلی اور قبلہ رُخ ہوں (بخاری و مسلم) اور

اس دوران «اَلتَّحیَّاتُ ”پڑھیں:

«اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہُ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ اَشْھَدُ اَن لاَّ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ»

”میری تمام تر قولی، بدنی اور مالی عبادات صرف اللہ کے لئے ہیں اے نبی ﷺ آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی رحمتیں اور برکتیں ہوں، ہم پر بھی اور اللہ کے دوسرے نیک بندوں پر سلامتی ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں اور بے شک محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں“ (بخاری و مسلم).

نوٹ:

١. تشہد میں انگلی اٹھا کر رکھنا یا مسلسل حرکت دیتے رہنا دونوں طرح جائز ہے.

٢. درمیانی تشہد میں اگر کوئی درودِ پاک پڑھنا چاہے تو جائز ہے ایسا کرنے پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا.

تیسری رکعت:

درمیانی تشہد سے اللہ اکبر کہتے ہوئے تیسری رکعت کے لئے اٹھیں اور رفع الیدین کریں یعنی دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر تک اٹھائیں جیسا کہ ابتدائے نماز میں کیا تھا پھر سینہ پر ہاتھ باندھ کر سورۂ فاتحہ پڑھیں پھر رکوع کریں پھر سجدے اور اسی طرح چوتھی رکعت مکمل کریں.

آخری تشہّد:

آخری رکعت مکمل کر کے اسی کیفیت میں بیٹھیں جس میں درمیانی تشہد کے وقت تھے، التحیات اور دوسرا کلمہ پڑھیں، اس کے بعد درودِ ابراہیمی پڑھیں:

«اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْد، اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍوَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْد» ”اے اللہ! رحمت فرما محمد ﷺ پر اور آپ کی آل پر، جس طرح تو نے رحمت فرمائی ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی آل پر، بے شک تو تعریف والا اور بزرگی والا ہے، اے اللہ! تو برکت نازل فرما محمد ﷺ پر اور آپ کی آل پر، جیسا تو نے برکت فرمائی ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر، بے شک تو

تعریف والا اور بزرگی والا ہے" (البخاری). پھر یہ دعائیں یا ان میں سے کوئی ایک دعا پڑھے:

(۱) «اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ» "اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں عذابِ قبر سے اور تیری پناہ میں آتا ہوں دجّال کے فتنہ سے اور تیری پناہ میں آتا ہوں موت اور حیات کے فتنہ سے اور اے اللہ میں گناہ اور قرض سے تیری پناہ مانگتا ہوں" (بخاری ومسلم).

(۲) «اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَلاَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلاَّ اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ» "اے اللہ! بے شک میں نے اپنی جان پر بہت زیادہ ظلم کیا اور تیرے سوا کوئی گناہوں کو بخشنے والا نہیں، پس تو اپنی جناب سے مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما بے شک تو ہی بخشنے والا مہربان ہے" (بخاری ومسلم).

سلام:

پہلے دائیں طرف چہرہ گھماتے ہوئے «اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہ» کہیں اور پھر بائیں طرف چہرہ گھماتے ہوئے «اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہ» کہیں.

نماز سے فراغت کے بعد:

(۱) نماز سے فراغت کے بعد بلند آواز سے «اَللّٰہُ اَکْبَرُ» "اللہ بہت بڑا ہے" کہیں (بخاری ومسلم).

(۲) پھر تین مرتبہ «اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ» "میں اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں" کہنا چاہیے.

(۳) اور پھر «اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَا ذَالْجَلَالِ وَالْإِکْرَامِ» "اے اللہ تو "السّلام" ہے تیری ہی طرف سے سلامتی ہے، اے ذوالجلال والا کرام تو بڑا ہی برکت والا ہے".

(البخاری ومسلم).

(۴) اور پھر یہ دعا پڑھنی چاہیے: «رَبِّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَ شُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ» "اے میرے پروردگار! اپنا ذکر کرنے اور شکر بجالانے اور اچھی عبادت کرنے میں میری مدد فرما".

(ابوداود، نسائی).

(۵) «لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِیْکَ لَهُ، لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَيْءٍ قَدِیْرٌ، اَللّٰهُمَّ لاَمَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلاَ مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلاَ یَنْفَعُ ذَالْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ» "اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہت ہے اور اسی کے لئے تمام تعریفات اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! تیری عطا کو کوئی روکنے والا نہیں اور جس سے تو روک لے اسے کوئی عطا کرنے والا نہیں اور کسی دولت مند کو اس کی دولت تیرے عذاب سے نہیں بچاسکتی" (بخاری ومسلم).

(۶) «لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهُ لاَشَرِیْکَ لَهُ، لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَيْءٍ قَدِیْرٌ، لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰهِ، لاَاِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَلاَ نَعْبُدُ اِلاَّ اِیَّاهُ، لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ، لاَاِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَلَوْ کَرِهَ الْکَافِرُوْنَ» "اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں، اسی کی بادشاہت ہے اور اسی کے لئے ہیں تمام تعریفیں، اور وہی ہر چیز پر قادر ہے، گناہوں سے رُکنا اور عبادت کی توفیق ملنا اللہ کی طرف سے ہے، اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں، ہر قسم کی فضل ونعمت کا وہی مالک اور ہر اچھی تعریف اسی کے لئے ہے، اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، ہم صرف اسی کا دین اپناتے ہیں اگر چہ کافر بُرا ہی کیوں نہ منائیں" (مسلم).

اس کے بعد ۳۳/مرتبہ «سُبْحَانَ اللّٰهِ»، ۳۳/مرتبہ «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ»، ۳۴/مرتبہ «اَللّٰهُ اَکْبَرُ» اور آیۃ الکرسی پڑھیں، اس کے بعد قرآنِ مجید کی آخری تین سورتیں؛ سورۃ الإخلاص، الفلق اور الناس پڑھیں، بالخصوص فجر اور مغرب کی نماز کے بعد.

اللہ کی مراقبت کا احساس:

تربیت اولاد میں ضروری ہے کہ بچوں کو اس بات کا احساس دلایا جائے کہ وہ جس معبودِ حقیقی کی عبادت کرتے ہیں، وہ ہمیشہ ان کے ساتھ ہے، ان کی ہر حرکت کو دیکھ رہا ہے اور اس کو قیامت کے دن کے لئے محفوظ کر رہا ہے، کوئی نیکی اس سے مخفی نہیں اور نہ ہی کوئی بُرائی، چاہے وہ کتنے ہی پردوں کے اندر چھپ کر کی جائے، اس لئے تم ہمیشہ اسی سے ڈرو اور اسی سے امید رکھو، جو کچھ مانگنا ہو اسی سے مانگو، اس کے علاوہ اور کوئی داتا نہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: عن عبد الله بن عباس رضی الله عنهما قال: کُنْتُ خَلْفَ النَّبِیِّ ﷺ یَوْمًا،

فَقَالَ: «يَا غُلَامُ ! إِنِّی أُعَلِّمُکَ كَلِمَاتٍ :إِحفَظِ اللّٰهَ يَحفَظْكَ،إِحفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَکَ،وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ، وَاعْلَمْ لَوْ أَنَّ الأُمَّةَ إِجْتَمَعَتْ عَلٰى أَنْ يَنفَعُوکَ بِشَیْءٍ لَمْ يَنْفَعُوکَ إِلاَّ بِشَیْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَکَ، وَإِجْتَمَعُوْا عَلٰى أَنْ يَضُرُّوکَ بِشَیْءٍ لَمْ يَضُرُّوکَ إِلاَّ بِشَیْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْکَ، رُفِعَتِ الأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ».وفی رواية :«إِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَکَ، تَعَرَّفْ إِلَى اللّٰهِ فِی الرَّخَاءِ يَعْرِفْکَ فِی الشِّدَّةِ، وَاعْلَمْ أَنَّ مَا أَصَابَکَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَکَ،وَمَاأَخْطَأَکَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَکَ، وَاعْلَمْ أَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ، وَأَنَّ الْفَرَجَ مَعَ الْكَرْبِ، وَأَنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا» عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کے پیچھے تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے لڑکے! میں تمہیں کچھ باتیں سکھاتا ہوں: تم اللہ تعالیٰ کو یاد رکھو (اس کے حقوق اور احکامات پر عمل کرکے اور اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچ کر) تو وہ تمہیں یاد رکھے گا، تم اللہ کو یاد رکھو تو اسے اپنے سامنے پاؤ گے. جب تم کچھ مانگو تو اللہ تعالیٰ سے ہی مانگو، جب مدد طلب کرو تو اللہ ہی سے مدد طلب کرو. یہ بات اچھی طرح جان لو کہ اگر ساری قوم مل کر بھی تمہیں کسی چیز کا فائدہ کرنا چاہے تو تمہارا اتنا ہی فائدہ کرسکتی ہے جتنا کہ اللہ نے تمہارے لئے مقرّر کر رکھا ہے. اگر ساری قوم مل کر بھی تمہیں نقصان پہنچانا چاہے تو اتنا ہی پہنچاسکتی ہے جتنا کہ اللہ نے تمہاری قسمت میں لکھ رکھا ہے، تقدیر لکھنے والے قلم اٹھالے گئے اور صحیفے خشک ہوگئے. (جو ہونا تھا وہ لکھ دیا گیا اب اس میں ادل بدل نہیں ہوسکتا)“ (ترمذی). دوسری روایت میں یوں ہے: ”تم اللہ کو یاد رکھو تو اسے اپنے سامنے پاؤ گے. آرام اور راحت کے زمانے میں اللہ سے جان پہچان رکھو تو تمہیں مصیبت کے زمانے میں پہچانے گا. یاد رکھو! تم سے جو چُوک گیا وہ کبھی تمہیں ملنے والا نہ تھا، جو تمہیں ملا ہے وہ کبھی چوکنے والا نہ تھا. یاد رکھو! اللہ کی مدد صبر کے ساتھ ہے، اور کشادگی مصیبت کے ساتھ ہے اور یہ بھی یقین جانو کہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے“ (مسند عبد بن حمید).

اگر بچوں میں والدین اللہ تعالیٰ کے مراقبے کا احساس پیدا کریں تو بچے نہ صرف آئندہ زندگی میں برے کاموں سے دور رہیں گے بلکہ دوسروں کو بھی روکنے والے بن جائیں گے، جیسا کہ گزشتہ اوراق میں گزر چکا ہے کہ ایک ماں نے جب اپنی بیٹی کو دودھ میں پانی ملانے کے لئے کہا تو اس نے یہ کرارا جواب دیتے ہوئے اس کام کو کرنے سے انکار کردیا کہ: ”اگرچہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نہیں دیکھ رہا ہے لیکن عمر کا رب تو ضرور

دیکھ رہا ہے، اس لئے میں یہ کام نہیں کرسکتی“.

اسی طرح کا ایک اور واقعہ عمر رضی اللہ عنہ سے متعلق ہے. عبداللہ بن دینار کہتے ہیں: ”میں عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ کے لئے روانہ ہوا، راستے میں ایک چرواہا ایک پہاڑی کی ڈھلوان سے اترتا ہوا نظر آیا، عمر رضی اللہ عنہ نے اسے آزمانے کے لئے کہا: «يَا رَاعِیْ ! بِعْنِیْ شَاةً مِنْ هٰذِهِ الْغَنَمِ» ”اے چرواہے! ان بکریوں میں سے ایک مجھے فروخت کردے“ اس نے کہا: ”میں مالک نہیں غلام ہوں“ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”کوئی بات نہیں، مجھے فروخت کرکے اپنے مالک سے کہہ دے کہ اس بکری کو بھیڑیئے نے کھالیا“ اس پر چرواہے نے کہا: «فَأَيْنَ اللّٰهُ» ! تو پھر اللہ کہاں ہے؟ عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے، اور اس کے ساتھ چل کر اس کے مالک سے بات کی اور اسے خرید کر آزاد کردیا اور فرمایا: «أَعْتَقَتْکَ فِی الدُّنْيَا هٰذِهِ الْكَلِمَةُ، وَأَرْجُوْ أَنْ تُعْتِقَکَ فِی الآخِرَةِ» ”تیرے ایک لفظ نے تجھے دنیا میں غلامی سے نجات دلایا ہے اور مجھے امید ہے کہ یہی لفظ آخرت میں بھی تجھے دوزخ کے عذاب سے نجات دلائے گا“.

امام غزالی رحمہ اللہ إحیاء العلوم میں لکھتے ہیں: ”اِمام یونس بن عبید رحمہ اللہ کپڑوں کا کاروبار کرتے تھے، آپ کی دوکان میں مختلف قسم کے لباس، چادریں اور جوڑے تھے، ان میں سے کچھ کی قیمت چارسو درہم اور کچھ کی دوسو رہم تھی، آپ نماز پڑھنے کے لئے مسجد جاتے ہوئے دوکان میں اپنے بھتیجے کو چھوڑا اور اسے تمام کی قیمتیں بھی سمجھادیں، اس دوران ایک بدو شخص آیا، اس نے چارسو درہم کا ایک جوڑا مانگا، لڑکا چالاک تھا اس نے اسے دوسو درہم والا جوڑا دکھایا، اس نے اسے پسند کرلیا اور خوشی خوشی چارسو درہم ادا کرکے چلا گیا، راستے میں اسے یونس بن عبید مل گئے، انہوں نے اس کپڑے کو پہچان لیا جو ان کی دوکان سے خریدا گیا تھا، آپ نے اس بدو سے پوچھا: تم نے اسے کتنے میں خریدا؟ کہا: چارسو درہم میں. آپ نے فرمایا: یہ دوسو درہم سے زیادہ کا نہیں ہے، اس لئے تم اسے واپس کرآؤ، اس نے کہا: یہ ہمارے ہاں پانچ سو درہم کا ملتا ہے اور میں نے اسے اپنی خوشی سے خریدا ہے، آپ نے فرمایا: میرے ساتھ واپس چلو، اس لئے کہ دین میں خیر خواہی کا مقام دنیا اور اس میں جو کچھ ہے اس سے بہتر ہے، پھر آپ اپنی دوکان پر آئے اور اسے دوسو درہم واپس کیا، اپنے بھتیجے کو خوب ڈانٹا پھٹکارا، اس سے جھگڑا کیا اور فرمایا: «أَمَا اسْتَحْيَيْتَ؟ أَمَا اتَّقَيْتَ اللّٰهَ؟ تَرْبَحُ مِثْلَ الثَّمَنِ وَتَتْرُکَ النُّصْحَ لِلْمُسْلِمِيْنَ» ”کیا تمہیں ذرا بھی شرم نہیں آئی؟ کیا تم میں کچھ بھی اللہ کا خوف نہیں؟ اصل قیمت کے برابر فائدہ کھاتے ہو اور

مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی نہیں کرتے ؟''۔

افسوس ایمانداری کی یہ تابناک مثالیں کتابوں میں ہی باقی رہ گئی ہیں، رہا مسلم معاشرہ، وہ ''مسلمانی در کتاب ومسلمانان در گور'' (اسلام کتابوں میں اور مسلمان قبروں میں) کی زندہ مثال بن کر ساری دنیا میں زوال وذلت کی انتہا کو پہنچ چکا ہے ﴿اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ﴾۔

❀❀❀

باب پنجم

اخلاقی تربیت

بُری حرکتوں سے باز رکھنا:

تربیتِ اولاد میں ضروری ہے کہ بچوں سے محبت اور شفقت رکھتے ہوئے انہیں غلط کاموں اور حرکتوں اور باتوں سے روکیں، اس لئے کہ بچوں کی بعض عادتیں اگرچہ کہ ان کے بچپن میں بری نہیں لگتیں، بلکہ اس پر تو بعض ماں باپ عش عش کر اٹھتے ہیں، اور انہیں اس بدتمیزی پر اپنے بے جا پیار سے نوازتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچے کے دل میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ یہ واقعی کوئی اچھا کام ہے جس پر مجھے شاباشی مل رہی ہے، آگے چل کر وہ لڑکا اسی بگاڑ کے راستے پر چل پڑتا ہے، پھر اپنے ماں باپ اور معاشرے کے لئے ایک ناسور بن جاتا ہے، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلاَّ یُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهِ اَوْ یُنَصِّرَانِهِ اَوْ یُمَجِّسَانِهِ كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِیْمَةُ بَهِیْمَةً جَمْعَاءَ فَهَلْ تُحِسُّوْنَ فِیْهَا مِنْ جَدْعَاءَ؟» ثُمَّ یَقُوْلُ ابو هريرة رضی اللہ عنہ: ﴿فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا﴾...... الآیة ''ہر پیدا ہونے والا فطرت (فطرت سے مراد تمام سلف صالحین اور اہلِ علم کے نزدیک اسلام ہے) پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے ماں باپ اُسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں، جیسے کہ جانور اپنی ماں کے پیٹ سے صحیح سالم پیدا ہوتا ہے کیا تم اس میں کسی کو کان یا ناک کٹا پاتے ہو؟ پھر ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے ﴿فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا﴾ (یہ اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا) تلاوت فرمائی (البخاری: کتاب الجنائز حدیث: ۱۳۸۵، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، کتاب التفسیر، حدیث: ۴۷۷۵، مسلم: کتاب القدر: ۲۲، ۲۳، ابوداود: کتاب السنۃ، حدیث: ۴۷۱۴، مسند احمد: ۲/ ۳۱۵، ۳۹۳، ۲۷۵، ۲۳۳، مؤطا امام مالک: ۱/ ۲۴۲)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچوں کو ان کی فطری سادگی سے ہٹانے میں والدین کا زبردست کردار رہتا ہے لیکن آپ ﷺ نے اپنے قول وعمل سے اہلِ دنیا کو بچوں کے تربیت کے اسلوب سکھا دئے: عن عمرو بن أبي سلمة رضي الله عنهما قال: «كُنْتُ غُلَامًا فِيْ حَجْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَكَانَتْ يَدِیْ تَطِيْشُ فِي الصَّفْحَةِ، فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَا غُلَامُ! سَمِّ اللّٰهَ، وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ»

فَمَازَالَتْ تِلْکَ طِعْمَتِی بَعْدُ» عمر بن ابی سلمۃ رضی اللہ عنہما (آپ امّ المؤمنین امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے فرزند ہیں، رسول اللہ ﷺ سے اپنی والدہ کے نکاح کے بعد آپ ﷺ کی ہی زیرِ نگرانی پرورش پائی) کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کی پرورش میں تھا، کھاتے ہوئے میرا ہاتھ سارے برتن میں گھومتا تھا، آپ علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: ''اے لڑکے! اللہ کا نام لو (بسم اللہ کہو) اپنے داہنے ہاتھ سے کھاؤ، اور اپنے قریب سے کھاؤ'' (متفق علیہ) اس کے بعد سے میرے کھانے کا وہی طریقہ ہو گیا (جو آپ ﷺ نے بتلایا).

عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ أنه قال: أَخَذَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ رضی الله عنهما تَمْرَةً مِنْ تَمْرِ الصَّدَقَةِ، فَجَعَلَهَا فِیْ فِيهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «كَخٍ، كَخ، إِرْمِ بِهَا، أَمَا عَلِمْتَ إِنَّا لَا نَأْكُلُ الصَّدَقَةَ» ''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے زکاۃ کے کھجوروں میں سے ایک کھجور لی اور اپنے منہ میں ڈال لی، آپ ﷺ نے انہیں (ڈانٹتے ہوئے) فرمایا: ''تھوک دو تھوک دو، اسے پھینک دو، کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہم زکاۃ کا مال نہیں کھاتے'' (متفق علیہ).

جھوٹ سے نفرت دلانا:

والدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کو جھوٹ سے نفرت دلائیں اور انہیں یہ تعلیم دیں کہ جھوٹ ایک کبیرہ گناہ ہے، اور خود بھی بچوں سے جھوٹ نہ بولیں اور نہ ان سے جھوٹ کہلوائیں، کیونکہ اس کی برائی کے لئے یہی کافی ہے کہ اسلام نے اسے منافقین کی عادتوں میں سے ایک قرار دیا: عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضی الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ: «أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا: إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ» عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس میں تین خصلتیں ہیں وہ پکّا منافق ہے، اور جس میں ان میں سے ایک خصلت ہے اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے جب تک کہ وہ اسے نہ چھوڑ دے: ١- جب امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، ٢- بات کرے تو جھوٹ بولے، ٣- جب عہد کرے تو بے وفائی کرے، ٤- جب جھگڑا کرے تو گالی بکے'' (متفق علیہ).

بچوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھائی جائے کہ جھوٹ بولنے سے آدمی اللہ تعالیٰ کے پاس بھی جھوٹے

لوگوں میں ہو جاتا ہے: عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: «إِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ، فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِیْ إِلَى الْفُجُورِ، وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِیْ إِلَى النَّارِ، وَلَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتَّى يُكْتَبُ عِنْدَاللّٰهِ كَذَّابًا» عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم جھوٹ سے بچو، کیونکہ جھوٹ برائیوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اور برائیاں دوزخ کی راہ دکھلاتی ہیں، آدمی ہمیشہ جھوٹ کہتا اور جھوٹ کی تلاش میں رہتا ہوا اللہ تعالیٰ کے پاس کذّاب (بہت بڑا جھوٹا) لکھا جاتا ہے'' (متفق علیہ).

عموماً یہ دیکھا جاتا ہے کہ باپ خود اپنے طرزِ عمل سے بچوں کو جھوٹ کی تعلیم دیتا ہے، اگر کسی شخص سے اسے ملنا نہ ہو اور وہ گھر پر آ جائے تو بچوں سے کہلواتا ہے کہ: ''ابّا جان گھر پر نہیں'' یہ معصوم سمجھتے ہیں کہ ایسا کہنا بھی کوئی اچھا فن ہے پھر وہ اسی فن کا مظاہرہ اپنے والدین اور دیگر لوگوں سے کرتے ہیں. مائیں عموماً اپنے بچوں کو ترغیب دینے کے لئے کئی طرح سے جھوٹ بولتی ہیں، لیکن قربان جائیئے انسانیت کے مربیء اول اور مرشدِ کامل ﷺ کی ذاتِ گرامی پر کہ آپ نے بچوں سے ترغیباً جھوٹ کہنے کو بھی اللہ تعالیٰ کے پاس حقیقی جھوٹ کے برابر قرار دیا: وعن عبد الله بن عامر رضی اللہ عنہ قال: دَعَتْنِیْ أُمِّیْ يَوْمًا، وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَاعِدٌ فِیْ بَيْتِنَا، فَقَالَت: هَا تَعَالَ أُعْطِكَ، فَقَالَ لَهَا رسول الله ﷺ: «مَا أَرَدْتِ أَنْ تُعْطِهُ؟ قَالَتْ: أَرَدْتُ أَنْ أُعْطِيَهُ تَمْرَةً، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَمَا إِنَّكِ لَوْ لَمْ تُعْطِيهِ شَيْئًا كُتِبَتْ عَلَيْكِ كِذْبَة». عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک دن میری ماں نے مجھے بلاتے ہوئے کہا: تم آؤ تو میں تمہیں ایک چیز دیتی ہوں. اس وقت رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر میں تشریف رکھتے تھے، آپ ﷺ نے میری ماں سے کہا: ''اگر وہ آ جائے تو تم اسے کیا دینا چاہتی تھیں؟ انہوں نے کہا: ''میں اسے ایک کھجور دینا چاہتی تھی'' تب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم اسے بلا کر کچھ نہ دیتیں تو تمہارے نامۂ اعمال میں ایک جھوٹ لکھا جاتا''.

(ابو داؤد بیہقی).

والدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کو اسلاف کی سچائی کے واقعات سناتے رہیں تاکہ ان میں بھی اس عادت کو اپنانے کا جذبہ پیدا ہو جائے.

ایک سچے لڑکے کا واقعہ:

مشہور عالمِ ربّانی شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”میں نے اپنی زندگی کی شروعات ہی سچائی سے کی، وہ اس طرح کہ میں حصولِ علم کی خاطر جیلان سے بغداد چل پڑا، میری والدہ نے مجھے اخراجات کے لئے چالیس دینار دیئے اور مجھ سے ہر حال میں سچ بولنے کا وعدہ لیا، جب ہم ہمدان کی سرزمین میں پہنچے تو ڈاکوؤں کی ایک جماعت نے ہم پر حملہ کر کے سارے قافلے والوں کو لوٹ لیا، ایک ڈاکو میرے پاس آیا اور پوچھا: تیرے پاس کیا ہے؟ میں نے کہا: ”میرے پاس چالیس دینار ہیں“ اس نے سمجھا میں اس کے ساتھ مذاق کر رہا ہوں، وہ مجھے چھوڑ کر نکل گیا، دوسرا آیا، اس نے بھی وہی سوال کیا، میں نے اسے بھی وہی جواب دیا، وہ مجھے لے کر اپنے سردار کے پاس آیا، اس نے مجھ سے پوچھا، تو میں نے وہی جواب دیا اور ساتھ ہی وہ جگہ بھی بتلا دی جہاں یہ دینار سلے ہوئے تھے، ڈاکوؤں کے سردار نے مجھ سے پوچھا: ”تم نے سچ کیوں کہا؟ میں نے کہا: ”میری ماں نے چلتے وقت مجھ سے عہد لیا تھا کہ میں ہر حال میں سچ کہوں، اگر میں جھوٹ کہتا تو میری ماں کے ساتھ کئے ہوئے عہد کی خیانت ہو جاتی“ میری بات سن کر سردار پر رقت طاری ہوئی اور اس نے اپنا سر پیٹ لیا اور کپڑے پھاڑ لئے اور چیخ کر کہا: ”ایک تو ہے کہ اپنی ماں سے کئے ہوئے عہد کی خلاف ورزی کرنے سے ڈرتا ہے اور ایک میں ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے عہد میں خیانت کرتے ہوئے نہیں ڈرتا؟ پھر اس نے لوٹی ہوئی چیزوں کو واپس کرنے کا حکم دیا اور کہا: ”میں آج سے اس پیشے سے آپ کے ہاتھ پر توبہ کرتا ہوں“ یہ دیکھ کر اس کے ساتھیوں نے کہا: ”تو آج تک ڈاکے میں ہمارا سردار تھا اور آج توبہ میں بھی ہمارا سردار بن گیا“ غرضیکہ تمام ڈاکو سچائی کی برکت سے نکوکار بن گئے (تربیۃ الأولاد فی الإسلام).

شہادتِ حق کا ایک نمونہ:

مولانا سیّد ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب ”انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر“ میں لکھتے ہیں: ”انگریزی عملداری کی ابتدا کا واقعہ ہے کہ ضلع مظفر نگر کے قصبہ کاندھلہ میں ایک جگہ پر ہندو اور مسلمانوں میں تنازعہ ہوا کہ یہ ہندوؤں کا معبد ہے یا مسلمانوں کی مسجد؟ انگریز مجسٹریٹ نے فریقین کے بیانات سننے کے بعد مسلمانوں سے تخلیہ میں پوچھا کہ کیا ہندوؤں میں کوئی ایسا شخص ہے جس کی صداقت پر آپ

اعتماد کر سکتے ہیں اور جس کی شہادت پر فیصلہ کر دیا جائے؟ انہوں نے کہا: ”ہمارے علم میں ایسا کوئی شخص نہیں“ ہندوؤں سے پوچھا تو انہوں نے کہا: ”یہ بڑی آزمائش کا موقعہ ہے، معاملہ قومی ہے، لیکن پھر بھی ایک مسلمان بزرگ ہیں جو کبھی جھوٹ نہیں بولتے، شاید وہ اس موقعہ پر بھی سچی ہی بات کہیں“ یہ بزرگ مفتی الٰہی بخش صاحب (تلمیذ شاہ عبد العزیز صاحب خلیفہ سیّد احمد شہید) کے خاندان کے ایک بزرگ تھے، مجسٹریٹ نے ان کے پاس چپراسی بھیج کر عدالت میں طلب کیا، انہوں نے فرمایا: ”میں نے قسم کھائی ہے کہ فرنگی کا منہ کبھی نہ دیکھوں گا“ مجسٹریٹ نے کہا: ”آپ میرا منہ نہ دیکھیں، لیکن تشریف لے آئیں، معاملہ اہم ہے، اور آپ کے یہاں تشریف لائے بغیر فیصلہ نہیں ہو سکتا“ وہ بزرگ تشریف لائے اور پیٹھ پھیر کر کھڑے ہو گئے، معاملہ ان کی خدمت میں عرض کیا گیا اور دریافت کیا گیا کہ آپ کا اس بارے میں کیا علم ہے؟“ ہندوؤں اور مسلمانوں کی نگاہیں ان کے چہرے پر ہیں اور کان ان کے جواب پر لگے ہوئے تھے، جس پر اس اہم معاملے کا فیصلہ ہونا ہے. ان بزرگ نے فرمایا: ”صحیح بات تو یہ ہے کہ جگہ ہندوؤں کی ہے، مسلمانوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں“. عدالت کا فیصلہ ہو گیا، جگہ ہندوؤں کو مل گئی، مسلمان مقدمہ ہار گئے، لیکن اسلام کی اخلاقی فتح ہوئی، صداقت اور اسلامی اخلاق کے ایک مظاہرے نے چند گز زمین کھو کر بہت سے غیر مسلم انسانوں کے ضمیر اور دل و دماغ جیت لئے، بہت سے ہندو اسی دن ان کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے (کتاب مذکور: ص ر ۳۶۰).

چوری اور دھوکہ دہی سے اجتناب:

والدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کو چوری، دھوکہ دہی اور اس طرح کی مذموم عادات سے دور رکھیں اور ان میں ہمیشہ یہ احساس پیدا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی ہر حرکت کو دیکھ رہا ہے، یوں تو اس طرح کی رذیل برائیاں ایسے معاشرے میں پائی جاتی ہیں جو دینی اور معاشی طور پر پس ماندہ ہو، جہاں صرف شکم سیری مقصد حیات بنا ہوا ہو، کیونکہ اس جیسی خبیث عادات کے لئے ایک مومن معاشرہ میں کوئی جگہ نہیں. اللہ نہ کرے، اگر بچہ یا بچی سے چوری کا عمل سرزد ہو گیا، والدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ بچے کو سمجھائیں، اور انہیں اس چیز کو جس سے چرایا ہے واپس کرا دیں، اگر وہ اس سے باز نہ آئیں تو انہیں سزا دیں، تاکہ اس قبیح عمل پر بچوں کی کبھی کوئی حوصلہ افزائی نہ ہو.

رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ ہمارے لئے بہترین اسوہ ونمونہ ہے، اس طرح کا ایک واقعہ آپ ﷺ کے زمانہء مبارکہ میں پیش آیا تھا کہ خاندانِ قریش کے ایک معزز قبیلہ بنی مخزوم کی ایک عورت نے جس کا نام فاطمہ تھا چوری کا ارتکاب کیا، اوراس کا معاملہ رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا، بنی مخزوم کے لوگ چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اس سے اغماض کر جائیں، تاکہ اس عورت کا ہاتھ کاٹے جانے کی وجہ سے بنی مخزوم اور قبیلہ قریش کی جو بدنامی ہوگی اس سے وہ بچ جائیں، چونکہ آپ ﷺ کا تعلق بھی قبیلہ قریش سے ہی تھا اس لئے وہ چاہتے تھے کہ آپ علیہ السلام اپنے خاندان کے وقار کو مدنظر رکھتے ہوئے چشم پوشی سے کام لیں.

لیکن کسی میں یہ ہمت نہیں تھی کہ منہ اٹھائے رسول اکرم ﷺ سے اس طرح کی بات کریں، اس لئے انہوں نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو سفارشی بنا کر آپ کی خدمت میں روانہ کیا. اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے آپ ﷺ سے اس معاملے میں سفارش کی اور چشم پوشی کی درخواست کی، آپ ﷺ ان پر سخت غضبناک ہوئے اور فرمایا: «أَتَشْفَعُنِی فِی حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ ؟» ”کیا تم حدود اللہ میں مجھ سے سفارش کرتے ہو؟“ پھر آپ ﷺ نے تمام لوگوں کو جمع کیا اور خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: «یَا أَیُّهَا النَّاسُ! إِنَّمَا أَهْلَکَ مَنْ قَبْلَکُمْ بِهٰذَا، إِذَا سَرَقَ فِیْهِمُ الضَعِیْفُ أَقَامُوْا عَلَیْهِ الْحَدَّ وَإِذَا سَرَقَ فِیْهِمُ الشَّرِیْفُ تَرَکُوْه، وَأَیْمُ اللّٰهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ یَدَهَا، ثُمَّ أَمَرَ فَقُطِعَ یَدُهَا» ”لوگو! تم سے اگلی امتیں اسی لئے برباد کردی گئیں کہ جب ان میں کوئی گراپڑا شخص چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے اور جب یہی کام کوئی بڑے گھر کا آدمی کرتا تو اسے چھوڑ دیتے تھے. اللہ کی قسم! اگر محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) بھی چوری کرتی تو میں اس کے ہاتھ کو کاٹ دیتا. پھر آپ ﷺ نے اس عورت کو طلب کیا اور اس کا ایک ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا.

(البخاری. کتاب الحدود).

بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ اس عورت کے خاندان والوں نے جن کے مال کو اس نے چرایا تھا انہیں راضی کرلیا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ہم نے اسے معاف کردیا تو آپ بھی درگزر فرمادیں. آپ ﷺ نے فرمایا: اب اس کا وقت گزرگیا، یہ موقعہ، معاملہ میرے سامنے پیش ہونے سے پہلے تھا، اب جب کہ معاملہ میرے پاس آ گیا ہے تو سوائے حد قائم کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں. عائشہ فرماتی ہیں: پھر اس عورت نے اپنے اخلاق کو سنوارا اور نیک ہوگئی، وہ کبھی کبھی میرے گھر آتی اور ضرورت بیان کرتی تو میں اس کی ضرورت رسول اللہ ﷺ کہہ کر پوری کرادیتی تھی (البخاری).

اسلام نے معاشرہ سے اس عادت بد کو دور کرنے کے لئے سخت سزائیں مقرر کی ہیں، چور چاہے مرد ہو یا عورت اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا. فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ (چور اور چورنی کے ہاتھ کاٹ لو، ان کے کئے کا بدلہ اور اللہ کی طرف سے عذاب کے طور پر، اللہ بڑی عزت والا، بڑی حکمت والا ہے) [المائدہ:۳۸].

چور سے بڑی سزا ڈاکو کے لئے مقرر کی، ڈاکہ کے ساتھ قتل بھی شامل ہوجائے تو قرآن نے اس کے لئے سخت ترین سزا کا اعلان فرمایا: ﴿اِنَّمَا جَزٰۗؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ (جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں، اور زمین میں فساد پھیلانے میں لگے رہتے ہیں، ان کا بدلہ یہ ہے کہ انہیں قتل کردیا جائے، یا انہیں سولی پر چڑھادیا جائے، یا اُن کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں، یا انہیں جلاوطن کردیا جائے، یہ رسوائی ان کے لئے دنیا میں ہے، اور آخرت میں انہیں عذاب عظیم دیا جائے گا) [المائدہ:۳۳].

عموماً چوری کی دو وجوہات ہوتی ہیں: ۱- غریبی اور مفلسی ۲- فضول خرچی. ان دونوں پر ہم نے اولاد میں بگاڑ کے اسباب اور علاج کے باب میں بحث کی ہے.

علمی مجالس میں حاضری:

بچے فطرۃً شرمیلے ہوتے ہیں، بچہ جب چار ماہ کا ہوتا ہے تو اسی وقت سے وہ لوگوں کو پہچاننا شروع کردیتا ہے اور اس میں شرم کا مادہ محسوس کیا جاسکتا ہے، جب وہ ایک سال کا ہوجاتا ہے تو اس کا شرمانا واضح ہوجاتا ہے، مثلاً کسی سے شرماتا ہے تو اس سے منہ موڑ لیتا یا پیٹھ پھیر لیتا ہے، یا آنکھیں بند کرکے شرم کا اظہار کرتا ہے. جب بچوں کو الگ تھلگ رکھا جائے اور انہیں دوسرے بچوں سے نہ ملنے دیا جائے، یا رشتہ داروں کی مجالس میں نہ شریک کیا جائے تو ان میں شرم کا مادہ برقرار رہتا ہے جو آگے چل کر ان کی شخصیت کو نہ صرف بگاڑ سکتا ہے بلکہ ان میں احساسِ کمتری پیدا کرکے زندگی کے ہر میدان میں ناکام کرسکتا ہے. اس لئے والدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے بچوں کو دوسروں سے ملنے جلنے اور ہنسنے بولنے اور تبادلۂ خیالات کرنے کا موقع

فراہم کریں. دوستوں کی مجلس، رشتہ داروں کی محفل، خوشی اور غمی کے تمام اجتماعات میں اپنے ساتھ بچوں کو بھی شریک کریں، بالخصوص ایسی پُر وقار دینی مجلسوں، علمائے کرام کی محفلوں اور دینی اجتماعات میں اپنے بچوں کو ساتھ رکھیں تا کہ ان میں بھی دین کا شعور جاگے، خود اعتمادی بڑھے اور ان میں ہر شخص کے سامنے حق بات کہنے کا جذبہ پیدا ہو اور ان پُر وقار مجلسوں کی بدولت بچوں میں بھی وقار اور تمکنت پیدا ہو.

رسول اللہ ﷺ کی مجلس سے زیادہ اور کونسی مجلس مبارک ہوسکتی ہے؟ لیکن آپ ﷺ کی مجلسوں میں نوخیز بچے بھی شریک ہوتے اور اپنے ظرف کے مطابق آپ ﷺ کے اقوال وافعال سے دین حاصل کرتے، بلکہ دین کا ایک بڑا حصّہ انس بن مالک، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم جیسے نوخیز صحابہ کرام کے ذریعے امّت تک پہنچا. اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی مبارک مجلسوں کی چند جھلکیاں درجِ ذیل ہیں:

١-آپ ﷺ نے اپنی ایک مبارک مجلس میں لوگوں سے ایک سوال کیا: «إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا، وَإِنَّهَا مِثْلُ الْمُسْلِمِ، فَحَدِّثُونِي مَا هِيَ؟» ''بتلاؤ کہ وہ کون سا درخت ہے جو سدا بہار ہے جس پر کبھی ''پت جھڑ'' نہیں آتا؟''، اور وہ (اپنی افادیت میں) مسلمان کی طرح ہے، لوگ جنگل کے درختوں کے متعلق غور کرنے لگے، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جو اس مجلس میں سب سے چھوٹے اور نابالغ تھے، فرماتے ہیں: ''میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے، لیکن جب میں نے دیکھا کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما جیسی شخصیتیں خاموش ہیں تو میں بھی شرما کر خاموش رہ گیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ کھجور کا درخت ہے'' پھر میں نے اپنے دل کی بات اپنے والد عمر رضی اللہ عنہ کو بتلائی تو آپ نے فرمایا: «لَئِنْ تَكُونَ قُلْتَهَا أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَكُونَ لِي حُمْرُ النَّعَمِ» ''جانِ پدر! اگر یہ بات بتانے والے تم ہوتے تو یہ (عزّت) میرے لئے کئی سُرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہوتی'' (البخاری: کتاب العلم).

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے لڑکے کا حوصلہ بڑھایا کہ اگر یہ بات اس مقدس مجلس میں تم بتلائے ہوتے یہ میرے لئے زبردست روحانی خوشی کا باعث ہوتی.

٢-عن سهل بن سعد الساعدى رضی اللہ عنہ أنّ رسول الله ﷺ أُتِيَ بِشَرَابٍ، فَشَرِبَ مِنْهُ، وَعَنْ يَمِينِهِ غُلَامٌ وَعَنْ يَسَارِهِ أَشْيَاخٌ. فَقَالَ لِلْغُلَامِ: «أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أُعْطِيَ هٰؤُلَاءِ؟» فَقَالَ الْغُلَامُ: «لَا وَاللهِ، لَا أُوثِرُ بِنَصِيبِي مِنْكَ أَحَدًا» رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں ایک (دودھ کا) پیالہ پیش کیا گیا، آپ

ﷺ نے اس سے تھوڑا پیا، آپ کے داہنی جانب ایک لڑکا تھا اور بائیں جانب عمر رسیدہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے. آپ ﷺ نے اس لڑکے سے فرمایا: ''اگر تم اجازت دو تو میرا بچا ہوا دودھ ان لوگوں کو دوں؟'' لڑکے نے جواب دیا: ''اللہ کی قسم! ہرگز نہیں، آپ کے دستِ مبارک سے ملا ہوا حصّہ، کسی کو دینا مجھے ہرگز گوارہ نہیں''. (مسلم).

حق گوئی کا مظاہرہ کرنے والے یہ لڑکے، آپ ﷺ کے چچیرے بھائی، حبر الأمّت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تھے، جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا فرمائی تھی: «أَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَعَلِّمْهُ التَّأْوِيلَ» ''اے اللہ! تو اسے دین کی سمجھ اور تاویل کا علم عطا فرما'' (مسلم).

٣-ایک مرتبہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا گزر ایک ایسے راستے سے ہوا جہاں انصار ومہاجرین کے کچھ بچے کھیل رہے تھے، انہیں میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بھی تھے. بچوں نے جب عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا بھاگ کھڑے ہوئے، لیکن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اسی جگہ ڈٹے رہے. عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: ''دوسرے بچوں کے ساتھ تم کیوں نہیں بھاگے؟'' تو انہوں نے جواب دیا: «لَسْتُ جَانِيًا فَأَفِرُّ مِنْكَ، وَلَيْسَ فِي الطَّرِيقُ ضِيقٌ» ''میں مجرم نہیں ہوں کہ آپ کو دیکھ کر بھاگوں اور نہ ہی راستہ تنگ ہے کہ میں آپ کو راہ دوں''.
(تربیۃ الأولاد فی الإسلام: ص / ٣٠٥).

جرأت وبے باکی کا یہ مظاہرہ کرنے والے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، حواری رسول زبیر بن عوام اور آپ ﷺ کی نسبتی بہن اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے لختِ جگر اور ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مہاجرین کے ہاں پیدا ہونے والے پہلے بچے ہیں، ٢ھ میں پیدا ہوئے، عبادت، فصاحت اور شجاعت میں ضرب المثل تھے، آگے چل کر بلادِ اسلامیہ، حجاز، نجد، مصر، عراق اور ایران اور تمام مشرقی علاقوں کے حکمران بنے اور ٧٣ھ میں حجاج بن یوسف کی فوجوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے مکہ مکرمہ میں شہید ہوئے. رضی اللہ عنہ.

٤-عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو باوجود نوعمری کے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنی شوریٰ کی مجلسوں میں بدری صحابہ کرام کے ساتھ بٹھاتے تھے، ایک مرتبہ ایک صاحب نے اظہار خفگی کرتے ہوئے کہا کہ یہ لڑکا ہماری مجلسوں میں کیوں آتا ہے؟ جب کہ اس جیسے تو ہمارے بچے ہیں. عمر نے کہا: ''آپ جانتے ہیں کہ یہ لڑکا مخصوص مقام رکھتا ہے'' ایک بار انہوں نے بدری صحابہ کے ساتھ مجھے بلایا، میں سمجھ گیا کہ آپ نے ضرور کچھ

دکھانے کے لئے ہی بتایا ہے. پھر انصار اور مہاجرین کے بدری شیوخ سے آپ نے پوچھا: ﴿إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ﴾ کے مفہوم کے متعلق آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟ بعض لوگ خاموش رہے اور بعض نے کہا کہ اس میں فتح ونصرت ملنے کے بعد حمد واستغفار کا حکم ہے. پھر آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''ابن عباس! بتلاؤ تمہارا کیا خیال ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''میرے خیال سے اس میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کی نشانی ہے، اسی لئے اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو حمد واستغفار کا حکم دیا ہے'' یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہاں یہی میرا بھی خیال ہے.'' (البخاری).

اس واقعے میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک ذی علم مگر نوعمر لڑکے کی تائید کی بلکہ اس کے علم وحکمت کی وجہ سے اپنی مجلس شوری کا ممبر بھی بنایا. اس لئے والدین کے لئے ضروری ہے کہ اپنی اولاد کو ان کی عقل وفہم کے مطابق اہمیت دے کر انہیں مشوروں میں شریک رکھیں.

گالی گلوچ:

بچوں میں یہ بُرائی عام ہے، بالخصوص ایسے معاشرے میں جو دین وتہذیب سے بچھڑا ہوا ہے اس برائی کو برائی بھی نہیں سمجھا جاتا، بچوں میں یہ عادت دو طرح سے در آتی ہے: ۱- والدین سے. ۲- بری صحبت کے ذریعے.

۱- اگر والدین اپنی زبانوں پر قابو نہیں رکھتے اور وہ اپنی اولاد کے سامنے ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے اور فحش اور ننگی گالیوں کا تبادلہ کرتے ہیں تو پھر اولاد پر بھی اس کا اثر پڑنا شروع ہو جاتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ شاید یہ الفاظ جو ہمارے ماں باپ کی زبان سے ہمہ وقت نکلتے رہتے ہیں بُرے نہیں ہیں، پھر وہ بھی بے جھجک انہیں گالیوں کی ریہرسل شروع کر دیتے ہیں، شروع شروع میں جب بچے چھوٹے رہتے ہیں ان کی معصوم زبان سے یہ گالیاں بعض والدین کو بڑی پیاری پیاری لگتی ہیں اور وہ انہیں سن سن کر بڑے خوش ہوتے ہیں، لیکن یہی بچے جب بڑے ہو کر اپنے والدین کو گالی بکنا شروع کرتے ہیں، تب والدین کو احساس ہوتا ہے کہ ان کی غلط تربیت نے اپنا رنگ دکھا دیا ہے.

۲- بُری صحبت: بُرے لڑکے عموماً بازاروں، کلبوں، گلیوں، نکڑوں اور شاہراہوں کی پیداوار ہوتے ہیں، جب بچہ اپنا زیادہ وقت ان جگہوں پر صرف کرنے لگتا ہے تو پھر ان سے وہ ان گندی گالیوں اور فحش کلمات

کو سیکھتا ہے اور وہ انہی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے بُرے اخلاق اور بُری تربیت پر پروان چڑھنے لگتا ہے، والدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ان مقامات سے حتی الإمکان بچانے کی کوشش کریں، اور بچوں کو بات کرنے کا طریقہ، ادب وتہذیب کا سلیقہ سکھائیں، اور انہیں بزرگوں، والدین اور اپنے سے چھوٹوں کو مخاطب کرنے کے الفاظ سکھائیں، کیونکہ بچوں کو علم وادب، حُسنِ کلام اور تہذیب وشائستگی سکھانے سے بعض اوقات بچے وہ کارنامے انجام دیتے ہیں جنہیں انجام دینے کی بڑوں میں ہمت نہیں ہوتی، تاریخ میں اس طرح کے کئی واقعات مذکور ہیں، جن میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے:

ہشام بن عبد الملک کے زمانے میں مختلف علاقوں میں سخت قحط پڑا، خلیفہء وقت سے مدد مانگنے کے لئے ایک قبیلہ دار الخلافہ دمشق آیا، جب خلیفہ سے بات کرنے کا وقت آیا تو خلیفہ کے رعب داب اور جاہ وجلال کے آگے کسی میں بات کرنے کی تو کیا، اس کا سامنا کرنے کی بھی ہمّت نہیں ہوئی. انہوں نے ہشام کو دیکھتے ہی راہِ فرار اختیار کی. یہ صورتِ حال دیکھ کر'' درواس بن حبیب'' نامی ایک بچہ جس کی عمر چودہ سال کی تھی، آگے بڑھا اور خلیفہ سے بات کرنے کی جراءت کی. ہشام بن عبد الملک نے یہ دیکھ کر کہ ایک بچہ مجھ سے بات کرنے کی کوشش میں ہے تو اپنے دربان سے کہا: ''اب تو مجھ سے بات کرنے کے لئے بچے بھی آنے لگے'' یہ سن کر درواس نے کہا: ''امیر المومنین! مجھ سے بات کرنے میں آپ کے لئے تو کوئی عار نہیں البتہ آپ سے گفتگو کرنے سے مجھے شرف حاصل ہو جائے گا''. یہ سن کر ہشام نے کہا: کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ اس بچے نے کہا: «يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ! أَصَابَتْنَا ثَلَاثُ سِنِينَ: فَسَنَةٌ أَذَابَتِ الشَّحْمَ وَسَنَةٌ أَكَلَتِ اللَّحْمَ، وَسَنَةٌ نَقَّتِ الْعَظْمَ، وَفِي أَيْدِيْكُمْ فُضُوْلُ أَمْوَالٍ إِنْ كَانَتْ لِلّٰهِ فَفَرِّقُوْهَا عَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الْمُسْتَحِقِّيْنَ لَهَا، وَإِنْ كَانَتْ لِعِبَادَ اللّٰهِ فَعَلَامَ تَحْبِسُوْنَهَا عَنْهُمْ؟ وَإِنْ كَانَتْ لَكُمْ فَتَصَدَّقُوْا بِهَا عَلَيْهِمْ، فَإِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ، وَلَا يُضِيْعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ» ''امیر المومنین! ہم تین سال سے قحط سالی کے شکار ہیں. پہلے سال نے ہماری چربی پگھلا دی، دوسرے سال نے ہمارا گوشت کھا لیا، اور تیسرے سال کے قحط نے ہماری ہڈیوں کے گودے کو بھی ختم کر ڈالا. آپ کے پاس زائد مال پڑا ہوا ہے، اگر یہ اللہ تعالی کا ہے تو اسے اس کے مستحق بندوں پر نثار کر دیں، اگر اس کے بندوں کا ہے تو پھر ان سے آپ نے کیوں روکے رکھا ہے؟ اگر آپ کا ہے تو اس سے ان ستم زدوں پر صدقہ کر دیں، اس لئے کہ اللہ تعالی صدقہ کرنے والوں کو ثواب عطا

فرماتا ہے اور وہ احسان کرنے والوں کی نیکیوں کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔

یہ سن کر ہشام بن عبد الملک زیرِ لب بڑبڑایا کہ اس لڑکے نے میرے لئے بچنے کی کوئی راہ نہیں چھوڑی، پھر خزانچی کو حکم دیا کہ ایک لاکھ درہم اس آفت زدہ قبیلے کو دے دئے جائیں اور ایک لاکھ درہم اکیلے ورداس کو، ورداس نے یہ سن کر کہا: ''امیر المومنین! میرے اس انعام کو بھی میرے قبیلے کی رقم میں شامل کر دیا جائے، اس لئے کہ مجھے خدشہ ہے کہ امیر المومنین کی دی ہوئی یہ رقم ان کو کافی نہیں ہوگی''، ہشام نے کہا: ''اگر تمہاری اپنی کوئی ضرورت ہو تو بیان کرو'' ورداس نے کہا: ''میں اپنے ہی قبیلے کا ایک فرد ہوں، ان کی حاجت ہی میری بھی حاجت ہے، ان سے ہٹ کر میری اپنی کوئی ضرورت نہیں''۔

والدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ بچپن سے ہی اپنی اولاد کے دلوں میں سب وشتم اور گالی گلوج سے نفرت پیدا کریں اور انہیں رسول اللہ ﷺ کے وہ فرمودات یاد کرائیں جو اس برائی کی مذمت میں ہیں:

۱-«سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ» مسلمان کو گالی دینا بے دینی ہے اور اس سے لڑائی اور جنگ کرنا کفر ہے'' (متفق علیہ)۔

۲-«إِنَّ مِنْ أَكْبَرِ الْكَبَائِرِ أَنْ يَلْعَنَ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ، قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ! كَيْفَ يَلْعَنُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ: يَسُبُّ الرَّجُلُ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ أَبَاهُ، وَيَسُبُّ أُمَّهُ فَيَسُبُّ أُمَّهُ» ''بڑے گناہوں میں سے ایک بڑا گناہ یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اپنے باپ کو برا بھلا کہے، آپ ﷺ سے پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ کوئی اپنے باپ کو کیسے برا بھلا کہے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ دوسرے کے باپ کو گالی دیتا ہے تو اس کے جواب میں دوسرا شخص بھی اس کے باپ کو گالی دے گا، وہ کسی کی ماں کو گالی دے گا تو وہ بھی اس کی ماں کو گالی دے گا'' (رواہ البخاری واحمد)۔

۳-«إِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللهِ لَا يُلْقِي لَهَا بَالًا يَهْوِي بِهَا فِي جَهَنَّمَ» ''کوئی بندہ اپنی زبان سے اللہ کو ناراض کرنے والا ایک لفظ ایسا کہہ دیتا ہے، جس کی اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی، لیکن اس کی وجہ سے وہ جہنم میں گرادیا جاتا ہے (البخاری)۔

۴-«وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ إِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ» ''لوگ اوندھے منہ جہنم میں اپنی زبانوں کی کمائی کی وجہ سے ہی گرائے جاتے ہیں'' (ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، احمد)۔

۵-«لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا اللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيِّ» ''مومن طعنے باز، لعنت بھیجنے والا، فحش گو اور بے ہودہ نہیں ہوتا'' (ترمذی)۔

منشیات کا استعمال:

والدین کے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ صورت حال یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو منشیات کا عادی پائیں، آج منشیات کا استعمال روز مرہ کا معمول بن گیا ہے، تقریبا ۸۰٪ مرد منشیات کا استعمال، حُقّہ، سُگار، بیڑی، سگریٹ، تمباکو، زردہ، نسوار، گُل، شراب، ہیروئن، چرس، بھنگ اور افیون کی شکل میں کرتے ہیں، دور حاضر میں منشیات فروشی ایک نفع بخش تجارت کا روپ دھار چکی ہے، شراب، سگریٹ فروخت کرنے والی کمپنیاں اس طرح کے اشتہارات پیش کرتے ہیں کہ جنہیں دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ مرد کی مردانگی کا راز انہی منشیات کے استعمال میں ہے، خیر سے حکومت بھی ٹیکس کے ذریعے اپنی آمدنی بڑھانے کے لئے کمپنیوں کو کھلی چھوٹ دے دی ہے کہ وہ اپنی مرضی کے اشتہارات ریڈیو اور ٹی وی اور وال پوسٹرس (Wall Posters) پر پیش کریں، جب نو عمر لڑکے اس طرح کے اعلانات دیکھتے ہیں تو ان کے دل میں اسے ایک دو مرتبہ آزمانے کا شدید جذبہ پیدا ہوتا ہے، بالخصوص جب وہ اپنے والد، دادا، چچا، بڑے بھائی یا اور کسی سرپرست کو دیکھتے ہیں کہ وہ کش پر کش لگائے جا رہے ہیں تو انہیں یہ احساس ہوتا ہے کہ شاید یہ کوئی اتنی قبیح چیز نہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے یہ بزرگ بڑے ہی اطمینان اور آزادی سے اس کا استعمال کر رہے ہیں، بسا اوقات یہی شبہ انہیں منشیات کے استعمال پر جری کرتی ہے، پھر غلط صحبت اس کے لئے دو آتشہ کا کام کرتی ہے، پھر اولاد منشیات کی عادی ہو جاتی ہے۔

سگریٹ نوشی:

تمباکو نوشی دینی اور دنیوی ہر لحاظ سے نقصان دہ ہے، شریعت نے ہر اس چیز کو حرام قرار دیا جو انسان کے اخلاق کو بگاڑ دے اور عقل کو پراگندہ کر دے، اسی لئے اللہ تعالی نے ہمارے لئے ''طیّبات'' یعنی پاکیزہ چیزیں حلال فرمائی ہیں اور ''خبائث'' بری اور گندی چیزیں حرام وناجائز قرار دی ہیں: ﴿وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ (اور ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور خبیث اور

گندی چیزوں کو حرام کرتے ہیں)[الأعراف:۱۵۷].

تمباکو نوشی کے نقصانات:

تمباکو نوشی سے افراد و معاشرے کو بے شمار نقصانات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، جس سے نہ صرف اسے استعمال کرنے والے دوچار ہیں بلکہ اس کا نقصان ان لوگوں کو بھی اپنی ہلاکت آفرینی میں شامل کر لیتا ہے جو سگریٹ کے دھواں سے آلودہ فضا میں سانس لیتے ہیں، بلکہ ان لوگوں کا شمار تمباکو نوشی نہ کرتے ہوئے بھی تمباکو نوشوں میں ہی شمار ہوں گے، اس کو اصطلاح میں (Passive Smoking) یعنی غیر ارادی سگریٹ نوشی کہا جاتا ہے.

تمباکو کی تباہ کاری کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ تمباکو سے پیدا شدہ امراض کی وجہ سے ہر سال بیالیس لاکھ افراد موت کا شکار ہو جاتے ہیں، جب کہ ناگاساکی اور ہیروشیما پر جو ایٹم بم گرائے گئے تھے اس سے ڈھائی لاکھ افراد لقمۂ اجل بنے تھے. یعنی تمباکو سے سالانہ ہلاک ہونے والوں کی نسبت ایٹم بم سے مرنے والوں کی تعداد سولہویں حصّے سے بھی کم ہے. تمباکو سے پھیپھڑے، نرخرے، منہ، آنت، مثانہ وغیرہ کینسیر کا شکار ہو جاتے ہیں، سب سے زیادہ قلب کے امراض پیدا ہوتے ہیں، تمباکو ذہن کو کمزور اور اعصاب میں کھنچاؤ، نظر میں کمی اور قوت سماعت کی کمزوری پیدا کر دیتا ہے، سر چکرانے لگتا ہے، قوت ہاضمہ خراب، اور قوت مردانگی متاثر ہو جاتی ہے. صرف برصغیر میں صرف تمباکو کے مختلف طریقوں سے استعمال کرنے کی وجہ سے سالانہ دس لاکھ سے زیادہ افراد مختلف بیماریوں کا شکار ہو کر مر جاتے ہیں.

انڈین کونسل آف میڈیکل ریسرچ کے مطابق پان مسالہ، گٹکا اور اس قسم کی وہ تمام اشیاء جو مارکیٹ میں فروخت ہوتی ہیں موت کے پھندے ہیں، ٹاٹا انسٹیوٹ آف فنڈامنٹل ریسرچ نے ملکی سطح پر منہ اور حلق کے کینسر کے کئی لاکھ مریضوں کا جائزہ لینے کے بعد انکشاف کیا کہ یہ تمام کینسر پان مسالے اور گٹکے کے استعمال سے ہوتے ہیں، مردوں کے مقابلے میں عورتوں کو زیادہ ہی ان نقصانات سے دوچار ہونا پڑتا ہے، تمباکو نوشی سے عورتوں کی ماہواری گڑبڑ ہو جاتی ہے اور ماں کی تمباکو نوشی سے جنین کی حرکت قلب بالکل اسی طرح متاثر ہوتی ہے جس طرح کہ ایک بالغ دل کی حرکت غیر معمولی طور پر بڑھتی ہے تمباکو نوش عورت کے بچے ذہنی طور پر معذور پیدا ہوتے ہیں اور تمباکو اسقاط حمل کا سبب بھی بنتا ہے، امریکہ میں ۱۹۹۳ء میں پچاس

ہزار عورتوں کو تمباکو نوشی کی وجہ سے اسقاط حمل ہو گیا تھا. (ماہنامہ البلاغ بمبئی شمارہ اپریل ۲۰۰۳ء).

والدین اگر اس عادت قبیحہ سے اپنی اولاد کو بچانا چاہتے ہیں تو ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود اس برائی سے بچیں، اور کسی بھی فرد کو چاہے وہ مہمان بھی کیوں نہ ہو اپنے گھر میں سگریٹ نوشی کی اجازت نہ دیں، بچوں کو دوکان سے اسے خرید کرلانے کے لئے پیسے نہ دیں، انہیں نماز، مسواک اور تلاوت قرآن کا عادی بنائیں.

شراب خوری:

شراب ایک نشہ آور چیز کا نام ہے، عربی میں اس کو «خمر» کہتے ہیں، یعنی جس کے استعمال سے عقل وہوش کام کرنا چھوڑ دیں، اللہ نے اس کو ناپاکی اور گندگی قرار دیا ہے. اس کا پینا نہایت ہی بری عادت ہے، اس سے بہت سی برائیاں پیدا ہوجاتی ہیں، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اسے ''اُمّ الخبائث'' (تمام برائیوں کی جڑ) کا نام دیا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: «الْخَمْرُ جِمَاعُ الإِثْمِ، وَالنِّسَاءُ حِبَالُ الشَّيْطَانِ، وَحُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ» ''شراب تمام گناہوں کا مجموعہ ہے اور عورتیں شیطان کی رسّیاں ہیں (یعنی شیطان عموماً انہی کے ذریعے اپنے شکار کو پھانستا ہے) اور دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے'' (ترغیب وترہیب).

عموماً وہ بچے اس عادت بد کا شکار ہوتے ہیں جو سگریٹ نوش ہیں اور والدین کی نگرانی سے دور رہتے ہیں، پھر اشرار اور فجّار لوگوں کی صحبت انہیں دھیرے دھیرے ہر فساد و برائی کی طرف لے چلتی ہے، دو چار بار کے انکار کے بعد پھر وہ دوستوں کے اصرار پر دو چار گھونٹ پی ہی لیتے ہیں، پھر رفتہ رفتہ اس کے عادی بن کر والدین کے لئے سوہان روح ہو جاتے ہیں، والدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ بچوں کے سامنے اس برائی کی مذمت میں واردشدہ قرآنی آیات اور احادیث رسول ﷺ سناتے رہیں، تاکہ بچپن سے ہی ان کے دل میں اس برائی کے خلاف نفرت پیدا ہو ذیل میں شراب کی مذمت میں واردشدہ چند آیات واحادیث درج کی جارہی ہیں:

۱- ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ﴾ (اے اہل ایمان! بے شک

شراب اور جوا، اور وہ پتھر جن بتوں کے نام سے جانور ذبح کیے جاتے ہیں، اور فال نکالنے کا تیر ناپاک ہیں، اور شیطان کے کام ہیں، پس تم ان سے بچو شاید کہ تم کامیاب ہو جاؤ، بے شک شیطان شراب اور جوا کی راہ سے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض پیدا کرنا چاہتا ہے، اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دینا چاہتا ہے، تو کیا تم لوگ (اب) باز آجاؤ گے) [المائدہ: ۹۰،۹۱].

۲- عن عمر بن الخطاب ؓ قال قال رسول اللہ ﷺ: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَجْلِسْ عَلَى مَائِدَةٍ يُدَارُ عَلَيْهَا الْخَمْرُ» ''جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو ہرگز اس دستر خوان پر نہ بیٹھے جس میں شراب کے دور چلائے جا رہے ہوں'' (مسند احمد).

۳- «كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ خَمْرٍ حَرَامٌ» ''ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر طرح کی شراب حرام ہے'' (مسلم).

۴- «مَا أَسْكَرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ» ''جس کے زیادہ پینے سے نشہ آئے اس کا تھوڑا پینا بھی حرام ہے'' (ترمذی). اس میں ان کی تردید ہے جو نشہ آنے تک پینے کو جائز سمجھتے ہیں.

۵- «لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ» ''کوئی زانی زنا کاری کے وقت مومن نہیں ہوتا، اور نہ ہی شراب پینے والا اسے پیتے وقت مومن ہوتا ہے'' (البخاری). (اس سے اس حالت میں ایمان نکال لیا جاتا ہے).

۶- شراب کو دوائی کے طور پر بھی استعمال کرنے کو حرام قرار دیا گیا: «إِنَّ اللهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاؤُكُمْ فِيمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ» ''اللہ تعالیٰ نے اپنی حرام کردہ چیزوں میں تمہارے لئے شفا نہیں رکھا ہے'' (بخاری عن ابن مسعود).

۷- رسول اللہ ﷺ نے شراب کے متعلق دس لوگوں پر لعنت بھیجی: ''۱. شراب کشید کرنے والے، ۲. کرانے والے، ۳. پینے والے، ۴. شراب اٹھانے والے، ۵. جس کے پاس شراب لے جائی جائے، ۶. اس کو پلانے والے، ۷. اس کو بیچنے والے، ۸. اس کی قیمت کھانے والے، ۹. اسے خریدنے والے، ۱۰- اور جس کے لئے خریدی گئی ہو'' (ترمذی، ابن ماجہ: عن انس بن مالک ؓ).

۸- عمر بن خطاب ؓ نے منبر رسول ﷺ سے لوگوں کے درمیان اعلان فرمایا: «الْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ» ''شراب وہ ہے جس سے عقل میں فتور آئے'' (متفق علیہ).

۹- عن أم سلمة رضي الله عنها زوج النبي ﷺ أنها قالت: «نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ كُلِّ مُسْكِرٍ وَمُفْتِرٍ» ام المؤمنین امّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے ہر نشہ آور اور عقل میں فتور پیدا کرنے والی چیز سے روکا ہے'' (احمد، ابوداود).

مندرجہ بالا دونوں حدیثوں کی رو سے ہر قسم کی منشیات (مخدّرات)، شراب ہی کے زمرے میں آتی ہیں، بلکہ شراب سے کہیں زیادہ ان کا نقصان مسلّم ہے، اس لئے کہ یہ انسانی عقل پر شراب سے کہیں زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں، اسے استعمال کرنے کے بعد انسان دور کی چیز قریب اور قریب کی دور محسوس کرتا ہے، اپنے اوہام وخیالات میں جن کا حقیقت سے دور دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا مست ومگن ہوتا ہے، اور خیالات کی وادیوں میں اس طرح کھو جاتا ہے کہ اپنے آپ کو اور دین ودنیا تمام کو فراموش کر دیتا ہے، اسی لئے شیخ الإسلام امام ابن تیمیہ اور قرافی رحمہما اللہ نے حشیش وغیرہ کے حرام ہونے پر اجماع نقل کیا ہے اور اس کے حلال سمجھنے والے کو کافر کہا ہے. آج ہر ملک کے نوجوانوں کے لئے ہیروئن اور افیون کا استعمال ایک مسئلہ بنا ہوا ہے، نوخیز لڑکے اور لڑکیاں اس برائی میں زیادہ مبتلا ہو رہی ہیں، بلکہ کئی ایک ممالک میں طبعی موت مرنے والوں کے مقابلے میں ان کی تعداد زیادہ ہے جو حشیش، چرس، بھنگ، اور افیون کی زائد خوراک لینے کی وجہ سے مر رہے ہیں، کئی مسلمان ممالک میں یہ فتنہ بڑے شدّ ومدّ سے سر اٹھایا ہوا ہے، چند ممالک نے اس مسئلہ پر خصوصی توجہ مبذول کی ہے اور اس کے لئے خصوصی وزارت قائم کی ہے اور ان منشیات کو رواج دینے والوں کے لئے سخت قوانین بنائے ہیں. سعودی عرب نے منشیات اسمگلروں کے لئے سزائے موت کا قانون بنایا ہے، لیکن اس کے باوجود وہاں ہر ہفتہ ایسے لوگ پکڑے اور سر عام قتل کیے جا رہے ہیں جو منشیات کو پھیلا رہے ہیں، موت کا خوف بھی انہیں اس غلط دھندے سے باز آنے نہیں دیتا.

شرابی کے لئے اسلام نے سخت تعزیری سزائیں مقرر کی ہیں، جو ۴۰ر تا ۸۰ر کوڑوں پر مشتمل ہیں، اس کے علاوہ حکومت مناسب سمجھے تو منشیات کے استعمال کرنے اور انہیں رواج دینے والوں کے لئے جرمانہ، قید وغیرہ کی سزائیں دے سکتی ہے.

والدین سے التماس ہے کہ اپنے بچوں پر نگرانی رکھیں، ان کے گھر سے باہر سرگرمیوں، ملنے جلنے والوں، سکول وکالج کے یاروں دوستوں پر نظر رکھیں، انہیں ہر ممکن طریقے سے شریر اور خبیث افراد کی صحبت

سے بچائیں، ان کے دلوں میں اللہ کا خوف پیدا کریں، مسجد کی عادت ڈالیں، نماز اور تلاوت قرآن کی تلقین کرتے رہیں اور ساتھ ہی ان کی ہدایت کے لئے اللہ رب العالمین سے دعا کرتے رہیں۔

کفّار کی مشابہت سے پرہیز:

موجودہ دور میں ایک عام سی وبا جو چل پڑی ہے وہ یہ کہ بلا سوچے سمجھے ہر نئی چیز کی تقلید کی جائے اور «کُلُّ جدیدٍ لَذیذٌ» "ہر نئی چیز لذیذ ہوتی ہے" کے مقولے پر صدفی صد عمل آوری ہے، اس اکیسویں صدی میں ہر جوان اور بوڑھا، بچی اور بچہ، مرد وزن سب اسی کے شکار نظر آتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دین اور ضمیر کو فراموش کردیا گیا، اچھے اخلاق، اور اسلامی روایات کو دقیانوسیت سمجھ کر پسِ پشت ڈال دیا گیا، چند لمحات کی لذّت، ذلیل کرنے والی شہوت، اور حرام خواہشات پر ہماری نوجوان نسل سر کے بل دوڑ پڑی، کتنے ایسے ہیں جو حیا باختہ رقص وسُرود کو ترقی کی علامت سمجھ رہے ہیں، کتنے ایسے ہیں جو مرد وزن کے اختلاط کو دنیا کے ہر میدان میں آگے بڑھنے کا واحد ذریعہ قرار دے رہے ہیں، اور کتنے بے چارے ایسے ہیں کہ اعلیٰ کارکردگی، بلند ہمّتی، محنت وکاوش کے سارے میدانوں کو چھوڑ کر صرف مغربی تہذیب وتمدن کی اندھی تقلید کو ہی معراج کمال جان رہے ہیں، اس طرح کے لوگوں سے، ہم کہیں گے کہ ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی:

کر بلبل وطاؤس کی تقلید سے توبہ
بلبل فقط آواز ہے طاؤس فقط رنگ

اس گندی تہذیب کو جن نوجوان لڑکے اور لڑکیوں نے اپنایا، وہ اپنی مردانگی اور نسوانیت سے ہاتھ دھو بیٹھے، لڑکوں نے اپنی چال میں لچک پیدا کی اور گفتار میں شیرینی، لباس میں چھچھورے پن کو طاری کرلیا، بال بڑھالئے، اور لڑکیوں کی طرح نازنخرے دکھانے میں ہی اپنا کمال جاننے لگے، ادھر صنف نازک نے اپنی نزاکت چھوڑ دی اور وہ چست جاموں، بے باک نگاہوں کے ساتھ مردوں کے کندھے سے کندھا ملاتے ہوئے، زندگی کے ہر میدان میں رواں دواں ہوگئی، حیاوشرم کو تج ڈالا، اور عفّت وعصمت کی تار وپود بکھیر دئے، اور اس بے حیائی اور آوارگی پر اتر آئی کہ مرد کو اس صنف سے ہی گھن آنے لگی، یورپ اور امریکہ جہاں یہ وبا عام ہے مرد بجائے عورتوں کے مردوں، یا صراحتاً زنخوں سے شادیاں کرنے لگے اور عورتیں عورتوں سے، بعض امریکہ اور یورپ کے ممالک میں اس کے لئے خصوصی قانون بنائے گئے، جہاں ان کو قانوناً میاں بیوی

تسلیم کیا گیا، اس ذلیل ترین قانون سے انسانیت کی ذلّت اور رسوائی میں اب کونسی کسر باقی رہ گئی ہے؟ عائلی نظام اس قدر درہم برہم ہوکر رہ گیا ہے کہ نہ باپ بیٹی کے رشتہ کا تقدس باقی رہ گیا ہے، نہ بہن بھائی کے محترم رشتے کا، انسانیت کے حق میں اس سے بھی زیادہ شرمناک اور خبر کیا ہوسکتی ہے کہ امریکہ اور یورپ میں ۷۰٪ سے زائد لڑکیاں خود اپنے ہی باپ، چچا، بھائی اور ان جیسے دیگر قریبی رشتہ داروں کی ہوس کا شکار ہوجاتی ہیں، اور ہم ہیں کہ ان ممالک کے نقش قدم کی پیروی میں ہی دنیا کی ساری کامیابیاں تلاش کررہے ہیں۔

جب کہ ہمارے آقا جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو یہود، نصاریٰ، مجوس اور کفّار کی مشابہت سے منع فرمایا ہے، بلکہ مخالفت کا حکم دیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

۱-«خالِفُوا الْمُشْرِكِينَ، حُفُّوا الشَّارِبَ وَاعْفُوا اللُّحَى» "مشرکین کی مخالفت کرو، مونچھ پست کرواور داڑھی بڑھاؤ" (متفق علیہ)۔

۲-«جُزُّوا الشَّارِبَ وَأَرْخُوا اللُّحَى، وَخَالِفُوا الْمَجُوسَ» "مونچھوں کو کاٹو، داڑھی بڑھاؤ اور مجوس کی مخالفت کرو" (رواہ مسلم)۔

۳-«لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِنَا، لَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ وَلَا بِالنَّصَارَى» "وہ شخص ہم مسلمانوں میں سے نہیں جو غیروں کی مشابہت اختیار کرتا ہے، تم یہود اور نصاریٰ کی مشابہت سے بچو" (ترمذی)

۴-«مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ» "جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہیں میں شمار ہوگا"۔
(ابوداؤد)۔

بلکہ آپ ﷺ نے اسے قیامت کی ایک علامت قرار دیا کہ امتِ مسلمہ ان گمراہ یہود ونصاریٰ کی تقلید کرے گی:

۵-«لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ وَحَذْوَ الْقُذَّةِ بِالْقُذَّةِ، قَالُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: فَمَنْ؟» "تم ضرور اپنے سے پہلی امتوں کے نقشِ قدم پر اس مشابہت سے چلو گے جس طرح کہ ایک جوتا دوسرے جوتے اور ایک کان دوسرے کان کے مشابہ ہوتا ہے، صحابۂ کرام نے کہا: کیا یہود ونصاریٰ کے نقشِ قدم پر؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ نہیں تو پھر کون؟" (بخاری ومسلم)۔

اللہ تعالیٰ نے امت اسلامیہ کو خیر امت قرار دیا، وہ ساری دنیا کے اقوام پر اپنا اثر ڈال سکتی ہے، لیکن اثر

قبول نہیں کرسکتی، اور اسی کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے. فرمانِ الٰہی ہے: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ (اے مسلمانو!) تم بہترین لوگ ہو، جو انسانوں کے لئے پیدا کئے گئے ہو، بھلائی کا حکم دیتے ہو، بُرائی سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو). [آلِ عمران:۱۱۰].

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جنگِ قادسیہ کے موقعہ پر ایرانی کمانڈر ''رستم'' نے ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: «مَا جَاءَ بِكُمْ؟» تمہیں کون سی چیز یہاں لے آئی ہے؟ ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: «اَللّٰهُ إِبْتَعَثَنَا لِنُخْرِجَ الْعِبَادَ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ إِلٰى عِبَادَةِ اللّٰهِ وَمِنْ ضِيقِ الدُّنْيَا إِلٰى سَعَتِهَا وَمِنْ جَوْرِ الْأَدْيَانِ إِلٰى عَدْلِ الإِسْلَامِ» ''اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس لئے بھیجا ہے کہ ہم اس کے بندوں کو بندوں کی بندگی سے اللہ کی عبادت کی طرف لائیں، اور دنیا کی تنگی سے انہیں اس کی وسعت اور کشادگی عطا کریں اور ادیان کے ظلم وستم سے بچا کر انہیں اسلام کے انصاف کی طرف رہنمائی کریں'' (البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر: ج/۳).

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفّار ومشرکین کے مقابلے میں ہمیشہ حالتِ جنگ میں رہنے کا حکم دیا. فرمان الٰہی ہے: ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ﴾ (اور کافروں کے مقابلے کے لئے ہر ممکن طاقت اور فوجی گھوڑوں کو تیار کرو، جن کے ذریعہ تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو مرعوب کروگے اور دوسرے دشمنوں کو بھی جو ان کے علاوہ ہے، جنہیں تم نہیں جانتے ہو انہیں اللہ جانتا ہے) [الأنفال:۶۰].

یہ صرف قوت ودفاع کے مقابلے کی ہی بات نہیں بلکہ امتِ اسلامیہ پر ضروری ہے کہ وہ ہر محاذ پر چاہے وہ معاشی ہو یا اقتصادی، سائنسی ہو یا فوجی، ثقافتی اور تہذیبی، دینی ہو یا دنیوی، باطل اقوام سے ہر میدان میں سخت مقابلہ کرے اور اس چومکھی جنگ میں انہیں ہر محاذ پر پسپا کرنے کی کوشش کرے.

البتّہ وہ علوم جن سے سائنس، ٹکنالوجی، طبّی، علوم وفنونِ حرب اور اس کے وسائل غیر مسلم اقوام سے سیکھے جاسکتے ہیں، کیونکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾ میں داخل ہیں، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کا حکم دیا ہے: «اَلْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَإِذَا وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا» ''حکمت کی بات مومن کا گم شدہ خزانہ ہے،

جہاں بھی اسے پائے گا وہ اس کا زیادہ حق دار ہوگا'' (ترمذی). اس لئے ضروری ہے کہ «خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدَرَ» کے اصول کے تحت ہر اچھی چیز سے فائدہ اٹھایا جائے اور ہر بری چیز سے دامن بچایا جائے.

شجاعت اور بہادری:

والدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے بچوں کو باہمت، جفاکش، شجاع اور بہادر بنائیں، اس مقصد کے حصول کے لئے انہیں ان تمام جائز کھیلوں کی اجازت دیں، اسلام ان تمام کھیلوں کی اجازت دیتا ہے جس سے جسم کو صحت حاصل ہوتی ہو اور جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری ہوتی ہو، جیسے: گھوڑ سواری، نیزہ بازی، تیر اندازی، کُشتی اور تیراکی وغیرہ، رسول اللہ ﷺ نے ان کی خود ترغیب دی ہے:

عن أبی هريرة رضی الله عنه قال خرج النبی ﷺ وقوم من أسلم يَرْمُوْنَ، فَقَالَ: «إِرْمُوْا بَنِي إِسْمَاعِيْلَ! فَإِنَّ أَبَاكُمْ كَانَ رَامِيًا. إِرْمُوْا وَأَنَا مَعَ ابْنِ الْاَدْرَعِ، فَأَمْسَكَ الْقَوْمُ قِسِيَّهُمْ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَنْ كُنْتَ مَعَهُ غَلَبَ، فَقَالَ: إِرْمُوْا وَأَنَا مَعَكُمْ كُلِّكُمْ» ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا گزر قبیلۂ بنو اسلم پر سے ہوا جو تیر اندازی میں مصروف تھے، آپ نے انہیں دیکھ کر فرمایا: ''اے اولادِ اسماعیل! تم تیر اندازی کرو، اس لئے کہ تمہارے باپ (اسماعیل علیہ السلام) بہترین تیر انداز تھے، تم تیر پھینکو، میں ابن الأدرع کے ساتھ ہوں. لوگوں نے اپنی کمانیں جھکا لیں اور کہا: اے اللہ کے رسول! آپ جس کے ساتھ ہوں گے وہی جیتے گا. آپ ﷺ نے فرمایا: تم تیر اندازی کرو میں تم سب کے ساتھ ہوں''.

(صحیح ابن حبّان: ۱/۵۴۸).

ان تمام کھیلوں پر بچوں کی ہمّت افزائی کرنی چاہئے، ان کی نشو نما رسول اللہ ﷺ، آپ کے اہلِ بیت اور کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کی محبت پر کرنی چاہئے، نیز انہیں صحابہ کرام کی شجاعت و بہادری، تابعین عظام کی جان نثاری اور دیگر اسلامی فاتحین کی ہمت وجوانمردی کے واقعات سنائے جائیں تاکہ آئندہ چل کر ان کے دلوں میں اسلامی غیرت، جہاد اور اس کے وسائل کے حصول کی تڑپ اور کلمۂ حق کو بلند کرنے کا جذبہ پیدا ہو. سعد بن اُبی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «كُنَّا نُعَلِّمُ أَوْلَادَنَا مَغَازِيَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كَمَا نُعَلِّمُهُمُ السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْآنِ» ''ہم اپنے بچوں کو رسولِ اکرم ﷺ کے جہادی واقعات ایسے سکھاتے تھے جیسے کہ انہیں قرآن سکھاتے تھے''.

عمر رضی اللہ عنہ آباء کو تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں: «عَلِّمُوا أَوْلَادَكُمُ الرِّمَايَةَ وَالسِّبَاحَةَ، وَمُرُوهُمْ فَلْيَثِبُوا عَلَى الْخَيْلِ وَثْبًا». ''تم اپنے بچوں کو تیر اندازی اور تیرا کی سکھاؤ اور انہیں گھوڑے کی پیٹھ پر چھلانگ لگا کر بیٹھنا سکھاؤ''.

رسول اللہ ﷺ کے مبارک زمانہ میں بچوں کے بہادری اور شوقِ شہادت کے واقعات اولاد کو ازبر کرائے جائیں، جن میں سے چند یہ ہیں.

۱-عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میدانِ بدر میں، میں نے اپنے دائیں بائیں جانب کا جائزہ لیا تو میں نے اپنے جانب دو نو عمر انصاری بچوں کو پایا، ابھی میں کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک نے مجھے اشارہ کیا اور کہنے لگا: چچا جان! آپ ابوجہل کو جانتے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں! جانتا تو ہوں لیکن تمہیں اس سے کیا غرض ہے؟ کہنے لگا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں بکتا ہے، اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر میں نے اسے دیکھ لیا تو ہرگز نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ ہم دونوں میں سے کوئی ایک ختم ہو جائے'' یہی بات دوسرے لڑکے نے بھی کہی. اتنے میں مجھے ابوجہل لوگوں کے درمیان ٹہلتا ہوا نظر آیا، میں نے ان دونوں سے کہا: ''یہی وہ شخص ہے جس کے متعلق تم پوچھ رہے تھے'' یہ سنتے ہی وہ دونوں اس پر اپنی تلواروں سے پل پڑے اور اسے قتل کر دیا. پھر آپ ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو اس کے قتل کی خبر دی. آپ ﷺ نے ان بچوں سے پوچھا: «أَيُّكُمَا قَتَلَهُ؟» ''تم دونوں میں سے کس نے اسے قتل کیا؟'' دونوں نے کہا: «أَنَا قَتَلْتُهُ» ''میں نے اسے قتل کیا''. رسول اللہ ﷺ نے دونوں کی تلواروں کو دیکھ کر فرمایا: «كِلَاكُمَا قَتَلَه» تم دونوں نے اسے قتل کیا. یہ دونوں بچے معاذ بن عمرو بن الجموح اور معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہما تھے. ابوجہل مرتے ہوئے بھی یہ افسوس کرتا ہوا مرا: «فَلَوْ غَيْرَ ابْنَا أَكَّارٍ قَتَلَنِي» ''کاش مجھے کاشت کاروں کے دو کم عمر بچے نہ قتل کئے ہوتے'' (البخاری. کتاب المغازی، باب: قتل ابوجہل).

۲-جنگِ اُحد کے موقعہ پر جس وقت آپ ﷺ مسلمانوں کا لشکر لے کر نکل پڑے تو لشکر کے ساتھ دو بچے بھی اس امید پر چل پڑے کہ شاید ہمیں بھی جہاد میں شرکت کا موقعہ مل جائے. جس وقت صف بندی کا وقت آیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں بچوں، سمرہ بن جندب اور رافع بن خدیج رضی اللہ عنہما کو ان کی صغر سنی کی وجہ سے واپس کر دیا، جب آپ ﷺ سے یہ کہا گیا رافع بن خدیج بہت اچھے تیر انداز ہیں تو آپ ﷺ نے

انہیں اجازت دے دی، جب سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو روتے ہوئے کہنے لگے: ''میں تو کشتی میں رافع کو پچھاڑ دیتا ہوں، جب انہیں اجازت ملی تو مجھے بھی شرکت کی اجازت ملنی چاہئے'' آخر کار دونوں کی کُشتی کرائی گئی اور واقعی سمرہ نے رافع کو پچھاڑ دیا تو انہیں بھی آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرما دی (الرحیق المختوم).

۳-مائیں بھی اپنے بچوں کو اپنے ساتھ میدانِ جہاد میں لاتیں اور انہیں اسلام کی عظمت پر قربان ہو جانے کی تلقین کرتیں. جنگِ قادسیہ کے موقعہ پر عرب کی مشہور شاعرہ خنساء رضی اللہ عنہا اپنے پانچ بیٹوں کے ساتھ میدانِ جہاد میں اس حال میں تشریف لاتی ہیں کہ عمر اسّی سال کو تجاوز کر چکی ہے، چل نہیں سکتیں، بیٹوں کے کندھوں پر سوار ہو کر آتی ہیں اور انہیں خطاب کرتی ہوئی فرماتی ہیں: ''میرے بچّو! جس طرح تم ایک ماں کی اولاد ہو اسی طرح ایک باپ کی اولاد بھی ہو، میں نے تمہارے باپ سے کوئی خیانت نہیں کی اور نہ تمہارے ماموؤں کو رُسوا کیا. میرے بچو! آج اسلام اور کفر کی جنگ ہے، دیکھنا! پیٹھ نہ پھیرنا، اسلام کی عظمت پر قربان ہو جانا. دیکھنا! تم میں سے کوئی واپس پلٹ کر نہ آئے، میرے لئے عزّت افزائی کا یہ موقعہ فراہم کرنا کہ مجھے قیامت کے دن پانچ شہیدوں کی ماں کی حیثیت سے رب العالمین کے دربار میں بلایا جائے. جب بچّے جانے لگے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے کہا: «اَللّٰهُمَّ ارْزُقْهُمْ شَهَادَةً فِي سَبِيلِكَ» ''یا اللہ! تو انہیں اپنی راہ میں شہادت عطا فرما''. جب انہوں نے اپنے پانچوں بچوں کی شہادت کی خبر سنی تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي شَرَّفَنِي بِقَتْلِهِمْ، وَأَرْجُو مِنَ اللّٰهِ أَنْ يَّجْمَعَنِي وَإِيَّاهُمْ فِي مَقَرِّ رَحْمَتِهِ» اس اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے انہیں شہادت عطا کر کے مجھے شرف بخشا ہے اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان کے ساتھ اپنی رحمت کے ٹھکانے جنت میں اکٹھے فرمائے گا.

(اسلامی تعلیم: از مولانا عبدالسلام صاحب بستوی رحمہ اللہ).

یہ تربیت کے وہ زرّین اصول ہیں جن پر ہمارے اسلاف نے اپنے نونہالوں کی تربیت کی جس کا نتیجہ دنیا کی نظروں میں کبھی عمر بن خطاب، کبھی خالد بن ولید، سعد بن ابی وقاص، طارق بن زیاد، محمد بن قاسم، مہلب بن اَبی صفرہ، صلاح الدین اَیوبی، سلطان محمد فاتح رضی اللہ عنہم ورحمہم کی شکل میں ظاہر ہوا. سچ ہے:

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

افسوس اب وہ سانچے ٹوٹ گئے جن میں زندگی کے یہ حقیقی ہیرو ڈھلا کرتے تھے، نہ اب امّت کے محیط میں وہ گوہرِ گراں مایہ ہیں، ہماری غلط تربیت نے فلمی پردوں کے تو کئی ہیرو پیدا کر دیئے لیکن زمانہ کے طویل انتظار کے باوجود زندگی کے حقیقی میدان کا کوئی ہیرو پیدا نہ ہو سکا، بیت المقدس آگے بڑھ بڑھ کر امّت کو صدائیں دے رہا ہے لیکن امت اپنی کثرتِ تعداد، سامانِ حرب وضرب کی کثرت اور بے پناہ مادّی وسائل کے باوجود جس طرح مٹھی بھر یہود کے پنجۂ استبداد میں جکڑے ہوئے ہیں یہ امت کے لئے تاریخ کا سب سے بڑا سانحہ ہے. جو قوم ساری اقوام عالم کی رہنمائی کرتی تھی آج وہ خود کسی سالار کارواں کو ترس رہی ہے. سچ ہے:

نشانِ راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
ترس گئے ہیں کسی مردِ راہ داں کے لئے

غرض مذکورہ کھیلوں کے ساتھ موجودہ دور کے کھیلوں میں، شوٹنگ، وہیٹ لفٹنگ، فٹبال، والی بال، بیٹ مینٹن، ہاکی اور کرکٹ وغیرہ بھی کھیلے جاسکتے ہیں بشرطیکہ نمازوں کی پابندی ہو اور دیگر دینی و دنیوی سرگرمیاں متاثر نہ ہوں، اسلام اُن تمام کھیلوں کو ناجائز قرار دیتا ہے جس سے نہ صحت حاصل ہوتی ہو اور نہ جہاد کی تیاری ہوتی ہو، بلکہ جن سے وقت کا ضیاع اور فرائض دینیہ (نماز وغیرہ) میں کوتاہی ہوتی ہو، جیسے: شطرنج، اسکوائش وغیرہ۔

عیش کوشی:

والدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کو عیش کوشی سے محفوظ رکھیں، اس لئے کہ جب اولاد کو عیش وعشرت کی عادت پڑ جاتی ہے تو وہ زندگی کے مصائب، شدائد کا جفا کشی سے مقابلہ نہیں کر سکتے، وہ جلد ہی نروس ہو کر یاس وحرمان کا شکار ہو جاتے ہیں، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے امّت کو حکم دیا: وعن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: «إِيَّاكُم وَالتَّنَعُّمَ، فَإِنَّ عِبَادَ اللّٰهِ لَيْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِيْنَ» معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم عیش کوشی سے بچو، اس لئے کہ اللہ کے نیک بندے عیش پرست نہیں ہوتے“.

اس لئے کہ اسی مرض میں مبتلا ہو کر سلاطین نے اپنی سلطنتیں گنوائیں اور اپنے ساتھ امّت کو بھی زوال وذلّت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈبو دیا، مسلمانوں نے اسپین پر تقریباً آٹھ سو سال تک حکومت کی، لیکن جب وہ

زنا وغناء اور رقص وسرود، عیش ومستی میں گرفتار ہوئے تو اس طرح وہاں سے مٹا دیئے گئے کہ ان کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا، شیخ عبد الرحمٰن الجبرتی نے غرناطہ کے احوال میں لکھا ہے: ”ایک مراکشی سیّاح کا گزر غرناطہ کی جامع مسجد پر سے ہوا، اس نے وہاں سے اذان کی آواز سنی، مؤذن نے «أشهد أن لاَ إله إلاّ اللّٰه» کے بعد «حيّ على الصّلوة» کہا، اذان کے اختتام پر سیّاح نے مؤذن کو یاد دلایا کہ وہ «أشهد أنّ محمدا رسول الله» کہنا بھول گیا تھا، مؤذن نے کہا: ”میں بھولا نہیں ہوں بلکہ جان بوجھ کر میں نے یہ الفاظ چھوڑے ہیں، اس لئے کہ میں یہودی ہوں، اور یہاں کے مسلمانوں کو اپنی عیّاشیوں سے اتنی فرصت نہیں کہ وہ مسجد میں آکر اذان کی آواز بلند کریں، انہوں نے کسی مسلمان مؤذن کو تلاش کیا، لیکن انہیں کوئی نہ مل سکا، بالآخر انہوں نے میری خدمات حاصل کیں، میں نے انہیں بتلایا کہ میں یہودی ہوں «أشهد أن لاّ إله إلاّ اللّٰه» کا اقرار تو کرتا ہوں لیکن «أشهد أنّ محمدا رسول الله» کو نہیں مانتا، تو مسلمانوں نے کہا کوئی بات نہیں، تو «أشهد أنّ محمدا رسول الله» کو چھوڑ دو، ہم ماہانہ تمہیں اتنی تنخواہ دیں گے“ (العبر والتاریخ: ۲۲:۷).

ہندوستان میں جنگِ اودھ کے موقعہ پر جب انگریز فوج اودھ کے قلعہ میں گھس گئی تو اودھ کے حکمران، نواب واجد علی شاہ نے کنیزوں کو حکم دیا کہ کوئی آکر مجھے جُوتا تو پہنائے' کنیزیں ابھی جُوتے ہی تلاش کر رہی تھیں کہ ادھر انگریزی فوج نے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور نواب صاحب کو کنیزوں کی ایک فوج کے ساتھ گھسیٹے ہوئے باہر لے آئے. ڈاکٹر اقبال کا فرمان سچ ہے:

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیرِ امم کیا ہے؟
شمشیر وسنان اوّل، طاؤس ورُباب آخر

اسی لئے عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عاملوں پر یہ پابندی لگادی تھی کہ وہ چھنے ہوئے آٹے کی روٹی نہ کھائیں، حریر وریشم کا لباس نہ پہنیں، عمدہ گھوڑے استعمال نہ کریں، نہ اپنے گھر پر دربان مقرر کریں اور نہ گھوڑے پر نرم نمدہ ڈال کر سواری کریں، اس سے مقصود مسلمانوں کو عیش وعشرت میں پڑنے اور اہلِ روم وفارس کی شان وشوکت کی تقلید سے روکنا تھا آپ نے ایران میں مقیم مسلمانوں کو یہ فرمان جاری کیا: «إِيَّاكُمْ وَالتَّنَعُّمَ وَزِيَّ أَهْلَ الشِّرْكِ» ”تم عیش کوشی اور مشرکین کے عادات واطوار سے بچو“ (متفق علیہ).

اس لئے کہ لذّتوں، نعمتوں اور ہمیشہ کی خوشحالی کا انجام، جدّ وجہد اور حرکت وعمل سے تغافل اور جہاد فی سبیل

اللہ سے پہلوتہی اور کئی روحانی وجسمانی بیماریوں کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

آلاتِ موسیقی کا استعمال:

آج ساری دنیا میں موسیقی اور میوزک کی دھوم ہے، ہر بچہ، بوڑھا، جوان، ادھیڑ اور ہر عمر کی عورتیں اس کی دلدادہ ہیں، ہر ایک کی یہ خواہش ہے کہ وہ تیز دھنوں میں طرح طرح کی موسیقی اور گانے سنے، فحش گانوں کی اس قدر بھر مار ہوگئی ہے کہ اکثر لڑکے اور لڑکیاں عشقیہ گانے گانا اپنا پیدائشی حق سمجھ رہے ہیں، ٹی وی اور ڈش کی بدولت ساری دنیا کی فحاشی سمٹ کر گھر کے آنگن میں چلی آئی ہے، باقی رہی سہی کسر انٹرنیٹ نے پوری کردی ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ ٹی وی اور کیمرے کا استعمال کئی طرح کی انسانی ضروریات کے لئے جائز ہے بلکہ ضروری ہے، لیکن محدود فوائد کی طلب نے لامحدود برائیوں کو جنم دیا ہے، ہمارے ممالک میں لگے ہوئے چینلوں سے غلاظت اور عریانیت چھن چھن کر برس رہی ہے، بے پردگی اور عریانیت بلکہ بدکاری اور فحاشی کی گویا تعلیم دی جارہی ہے، جو مسلم نوجوانوں اور بچوں کے لئے زہر ہلاہل ہے۔ اس لئے کہ اسلامی شریعت کے پانچ مقاصد ہیں:

۱. دین کی حفاظت ۲. عقل کی حفاظت ۳. نسب کی حفاظت ۴. جان کی حفاظت ۵. مال کی حفاظت.

نوخیز نسل میں بڑھتی ہوئی بے حیائی اور فحاشی سے نسب کی حفاظت کا مقصد مشکل سے مشکل تر ہوتا جارہا ہے، اسی نسب کی حفاظت کے لئے اسلام نے زنا کاری کی، سنگساری جیسی سخت ترین سزا مقرر کی ہے، اور ہر اس ذریعے کا سدّ باب کردیا جو زنا کاری تک پہنچاتا ہے، جب کہ اکثر ٹی وی پروگرام فحش، جذبات بھڑکانے والے، بے حیائی اور زنا کاری کی ترغیب دینے والے ہوتے ہیں، اور ان وسائل کا ناجائز استعمال اس حد تک ہورہا ہے کہ چینلوں کی دنیا میں بیٹھ کر کوئی شخص شرم وحیا اور عفّت وعصمت کی بات کرتا ہو تو دنیا اسے ایک دیوانے کی بڑ سمجھے گی، اس لئے والدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے گھروں سے ٹی وی، ڈش، انٹرنیٹ کی لعنت کو دور کریں تا کہ ان کے ذریعے اپنی اولاد کو بگاڑ سے محفوظ رکھ سکیں۔ اور والدین اپنے بچوں کے دل ودماغ میں رسول اللہ ﷺ کے یہ فرامین نقش کرادیں جو آپ ﷺ نے موسیقی، اور آلاتِ طرب وغناء کی برائی میں بیان فرمایا ہے:

۱- وعن حارث بن أبی أسامة ؓ قال قال رسول اللہ ﷺ: «إِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِي رَحْمَةً وَهُدًى

لِلعَالَمِينَ، وَأَمَرَنِي أَنْ أَمْحَقَ الْمَزَامِيرَ، وَالْمَعَازِفَ، وَالْخُمُورَ، وَالأَوْثَانَ الَّتِي تُعْبَدُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ»

حارث بن ابی اسامہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے سارے جہانوں کے لئے رحمت اور ہدایت بنا کر بھیجا ہے، اور مجھے گانے بجانے کے آلات، موسیقی کا سامان، شراب اور ان بتوں کو جو زمانہ جاہلیت میں پوجے جاتے تھے، ختم کرنے کا حکم دیا ہے۔

۲- عن النبی ﷺ أنه قال: «لَيَكُونَنَّ فِي أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ، وَالْحَرِيرَ، وَالْخَمْرَ، وَالْمَعَازِفَ» نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں کچھ قومیں ایسی ہوں گی جو زنا، ریشم، شراب اور آلاتِ موسیقی کو حلال کرلیں گی (رواہ البخاری، احمد، وابن ماجہ)۔

۳- عن أنس بن مالک ؓ قال: «مَنْ قَعَدَ إِلَى قَيْنَةٍ يَسْتَمِعُ مِنْهَا صَبَّ اللّٰهُ فِي أُذُنَيْهِ الآنُكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» انس بن مالک ؓ نے فرمایا: ''جو کسی گانے والی کے پاس بیٹھ کر گانا سنتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالے گا'' (روی ابن عسکر فی تاریخه وابن أصطخری فی أماليه).

۴- عن أبی موسی الأشعری ؓ أنّ النبی ﷺ قال: «مَنِ اسْتَمَعَ إِلَى صَوْتِ غِنَاءٍ، لَمْ يُؤْذَنْ لَهُ أَنْ يَسْتَمِعَ إِلَى صَوْتِ الرُّوحَانِيِّينَ فِي الْجَنَّةِ» ابوموسیٰ اشعری ؓ سے مروی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص گانے کی آواز کو شوق سے سنتا ہے، اسے جنت میں روحانیوں (حوریں جو خوش الحانی سے گائیں گی) کا گانا سننے کی اجازت نہیں دی جائے گی'' (ترمذی).

ٹی وی کی تباہ کاریاں:

سائنس اور ٹکنالوجی نے دور حاضر میں اپنی ترقی کی انتہا کو چھولیا ہے، اس ترقی سے جہاں انسانوں کے لئے لاکھوں سہولتیں پیدا ہوئی ہیں وہیں کروڑوں کی تعداد میں اس کے نقصانات اور مضرت رساں پہلو سامنے آرہے ہیں، انہی میں سے ایک ٹی وی اور انٹرنیٹ کی وبا ہے جس نے ساری دنیا کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے، دنیا میں شاید چند ہی ایسے گھر ہوں گے جو ٹیلی ویژن کی وبا سے محفوظ ہوں، حتی کہ دیندار حضرات نے بھی اس کے سامنے یہ کہتے ہوئے سپر ڈال دی ہے کہ T.V کی وبا سے بچنا اب ناممکن ہوگیا ہے، اگر ہم نے T.V نہیں رکھی تو بچے قابو میں نہیں رہیں گے، جن کے گھروں میں ہے ان کے گھروں میں جانا شروع کردیں گے

اور لڑکیوں کے دوسروں کے گھروں میں جانے آنے کے جو بھیانک نتائج ہیں اس سے کون بے خبر ہے؟ ان کی بات ایک حد تک درست بھی ہے، لیکن اس شیطانی آلہ کو گھر میں رکھنے کے جو نقصانات ہیں اور اس سے شرم وحیا، عزّت وغیرت کا جو جنازہ نکلتا ہے افسوس کہ بہتوں کو اس کا نہایت ہی کم احساس ہے. سینکڑوں چینلوں نے اب ہر گھر کو سنیما گھر بنا دیا ہے، کئی لوگوں کا عالم یہ ہے کہ کھانے کے بغیر تو چند دن گزارہ کرلیں گے، لیکن T.V کے بغیر نہیں، ان چینلوں کی مدد سے دنیا کے ہر ملک کی بے حیائی کو اپنے گھر میں بیٹھ کر صرف بٹن دبانے کی ایک ہلکی سی زحمت سے دیکھا جا سکتا ہے، ان چینلوں میں کچھ ایسے ہیں جو رات دن ننگی فلمیں دکھاتے ہیں، مسلم ممالک کے نوجوانوں کو گمراہ کرنے اور انہیں فحاشی اور بدکاری میں مبتلا کرنے کے لئے یہود ونصاریٰ نے ایسے چینل کھول رکھے ہیں جو چوبیس گھنٹے فحش فلمیں پیش کرتے ہیں، عرب ممالک کے بگڑے ہوئے نوجوانوں میں اسرائیلی چینل بڑا مقبول ہے، نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اپنے اپنے کمروں میں مقفل ہوکر بڑی بے باکی سے اس کا نظارہ کرتے ہیں، اس کے اثر سے مسلم معاشرے میں جو بے حیائی کا طوفان آرہا ہے ایسا لگتا ہے کہ وہ ہماری نوجوان نسلوں کو بہالے جائے گا، اخبارات میں جنسی جرائم کی جو خبریں آرہی ہیں وہ آنے والے طوفان کی خبر دے رہی ہیں کہ جس طرح یورپ اور امریکہ میں بہن اور بھائی، باپ اور بیٹی کے رشتوں کا کوئی تقدس باقی نہیں بالکل مسلم معاشرہ بھی اسی بے حیائی کی طرف نہایت تیزی سے رواں دواں ہے. کویت میں ابھی چند ماہ پہلے ہونے والے واقعات، جن میں پانچ اور آٹھ سالہ بچیوں کے ساتھ جنسی زیادتی کے بعد بے دردی سے انہیں قتل کرکے ٹکڑے ٹکڑے کردیا گیا، ان واقعات نے کویت کی پُرسکون زندگی میں ایک ہیجان بپا کردیا اور عوام میں غم اور غصّہ کی شدید لہر دوڑادی، لیکن بھلا ہو یہاں کی مستعد پولیس کا جنہوں نے چند دنوں میں ان انسانی حیوانوں کو گرفتار کرکے انہیں ان کے کیفر کردار تک پہنچادیا.

چند سال پہلے ہندوستانی چینل Zee T.V نے کیرالا کے ایک باپ اور بیٹی کا انٹرویو پیش کیا جو شوہر اور بیوی کی حیثیت سے زندگی بسر کررہے تھے، اس خبیث باپ سے یہ سوال کیا جارہا تھا کہ وہ اپنی بیٹی سے لطف اندوز .... کیسی نشاط محسوس کررہا ہے؟ اور یہی سوال اس ''بیٹی'' سے کیا گیا، اس درندے ''باپ'' اور بے حیا ''بیٹی'' نے جو جواب دیا وہ انسانیت کے ماتھے پر کلنک ہے اور شرم وحیا قاصر ہے کہ اسے نقل کیا جائے. یہ ہیں ہمارے T.V چینل جو اس بے حیائی کو اپنے چینل کی مدد سے ساری دنیا میں پھیلا رہے ہیں اور اس طرح

اس خبیث عمل کی حوصلہ افزائی کررہے ہیں کہ گویا یہ ایک بہت بڑا کارنامہ ہے جو انہوں نے انجام دیا. حالانکہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ انہیں عبرت ناک سزا دی جاتی لیکن ایسا لگتا ہے کہ ہندوستانی حکومت بھی یہی چاہتی ہے کہ اس طرح کی بے حیائی عام ہو اور انسان اپنی انسانیت کو فراموش کرکے محض ایک حیوان بن جائے.

فری سٹائل کُشتی اور مار دھاڑ کی فلمیں بچوں کو باغی، سرکش، غنڈہ اور بدمعاش بناتی ہیں، جاسوسی فلمیں بچوں کو جرائم سکھاتی ہیں، ایسے بے شمار واقعات ہیں جن میں مجرم نے ایک انوکھا جرم کیا، جب وہ پکڑا گیا تو اس نے اقرار کرلیا کہ اس نے جرم کرنے کا یہ فن فلاں فلم سے سیکھا ہے، رومانٹک فلمیں بچوں میں جنسی احساس کو بڑھاوا دیتی ہیں اور انہیں ایک پاکیزہ فطری ماحول میں فحاشت اور بدکاری کے بیج بونے کا گُر سکھاتی ہیں، جو لوگ خبریں وغیرہ دیکھنے کے لئے T.V رکھنے کے قائل ہیں، ان کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ فی الوقت ہندوستانی T.V چینلوں کی حد تک یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ خبریں بھی ایک باغیرت باپ اپنے بچوں اور بچیوں کے ساتھ بیٹھ کر نہیں دیکھ سکتا، کیونکہ ایڈورٹائزمنٹ اور اشتہارات (Advertisement) کے نام پر ان میں جو بے حیائی کا طوفان برپا کیا گیا ہے وہ بیان سے باہر ہے کمپنی کی شہرت اور ننگی لڑکیاں لازم وملزوم ہوگئی ہیں، بقول اقبالؔ:

ہند کے شاعر و بت گر و افسانہ نویس
آہ بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

بات صرف ہندوستان تک کی ہی نہیں اب یہ ایک عالمی المیہ بن گیا ہے، شاید ہی کوئی ایسا ایڈورٹائزمنٹ (Advertisement) ہو جس میں ایک یا کئی لڑکیاں نیم برہنہ اور ان کے ساتھ بالکل اسی طرح کے نوجوان لڑکوں سے بوسہ بازی کرتے ہوئے نہ دکھائی دیتی ہوں اور چینلوں کی مدد سے اس چھوٹے سے پردۂ سیمیں پر پیش کی جانے والی فلمیں، بچوں اور بچیوں کے اسلامی اخلاق کے لئے زہر ہلاہل ہیں، کپڑوں سے عاری تھرکتے ہوئے جسم، عشقیہ غزلیں، تیز دُھنوں پر بجنے والی موسیقی، پھر عشق ومحبت کے حیاسوز مناظر کسی بھی مسلمان گھرانے سے اسلامی غیرت کو ختم کرنے کے لئے کافی ہیں، مشہور مقولہ ہے: «إِذَا كَثُرَ الْمَسَاسُ قَلَّ الإِحْسَاسُ» ''بار بار ان مناظر کو دیکھنے سے غیرت کا احساس کم یا ختم ہوجاتا ہے''.

غیرت:

غیرت ایک مسلمان کا سرمایہ ہے، ایک مرتبہ کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھا: ''یارسول

اللہ! اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو پائے تو وہ کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس پر چار لوگوں کو گواہ رکھے'' جب یہ بات سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے سنی تو کہا: ''یارسول اللہ! کیا ایسی حالت میں وہ گواہ تلاش کرنے جائے گا؟ «لَوْ رَائَیْتُ رَجُلًا مَعْ امْرَأَتِی لَضَرَبْتُهُ بِالسَّیْفِ غَیْرُ مُصْفَحٍ عَنْهُ، فَبَلَغَ ذٰلِکَ النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ ﷺ: «أَتَعْجَبُوْنَ مِنْ غَیْرَةِ سَعْدٍ، فَوَاللهِ لَأَنَا اَغْیَرُ مِنْهُ، وَاللهُ أغیر مِنِّی، مِنْ أَجْلِ غَیْرَةِ اللهِ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ» ''اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو پاؤں تو ایک ہی وار میں اس کا سر قلم کردوں، جب یہ بات آپ ﷺ کو معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: ''کیا تمہیں سعد بن عبادہ کی غیرت پر تعجب ہے؟ جب کہ اللہ کی قسم میں ان سے زیادہ باغیرت ہوں، اور اللہ تعالی مجھ سے زیادہ باغیرت ہے، اللہ نے اپنی اسی غیرت کی وجہ سے ہر کھلی چھپی برائی اور بے حیائی کو حرام قرار دیا''۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی غیرت مثالی تھی، انہوں نے ایک مسلمان عورت کی بے حرمتی پر جنگ تک کیا، نہ صرف اس بے حرمتی کرنے والے کو، بلکہ اس کی حمایت پر آنے والے پورے قبیلے کو عبرت ناک سزائیں دیں۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک عرب عورت بنی قینقاع (جو یہودی تھے) کے بازار میں کچھ سامان لے کر آئی اور فروخت کر کے (کسی ضرورت کے لئے) ایک سُنار کے پاس، جو یہودی تھا بیٹھ گئی، یہودیوں نے اس کا چہرہ کھلوانا چاہا مگر اس نے انکار کردیا۔ اس پر اس سنار نے چپکے سے اس کے کپڑے کا نچلا کنارا پیچھے باندھ دیا اور اسے کچھ خبر نہ ہوئی۔ جب وہ اٹھی تو اس سے بے پردہ ہوگئی تو یہودیوں نے قہقہہ لگایا۔ اس پر اس عورت نے چیخ وپکار مچائی جسے سن کر ایک مسلمان نے اس سنار پر حملہ کیا اور اسے مار ڈالا۔ جواباً یہودیوں نے مسلمان پر حملہ کرکے اسے مار ڈالا۔ اس کے بعد مقتول مسلمان کے گھر والوں نے شور مچایا اور یہود کے خلاف مسلمانوں سے فریاد کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے قلعے کا محاصرہ کرلیا، پھر انہیں مدینہ سے جلاوطن کردیا (الرحیق المختوم: ۳۲۷)۔

سلف صالحین کی غیرت وحمیّت کا یہ عالم تھا کہ جہاں عورت کا چہرہ لوگوں کے سامنے کھولنا شرعاً بھی جائز تھا لیکن ان کی غیرت نے یہ گوارہ نہیں کیا کہ ان سے منسوب کسی عورت کا چہرہ غیر مردوں کے روبرو کھولا جائے۔ ایک واقعہ ملاحظہ ہو:

موسیٰ بن اسحاق رحمہ اللہ تیسری صدی ہجری میں ''رئ'' اور ''اہواز'' کے مشہور قاضی گزرے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک عورت نے ان کی عدالت میں اپنے شوہر کے خلاف یہ دعویٰ دائر کیا کہ اس نے اس کے مہر کے پانچ سو دینار ادا نہیں کیئے ہیں، شوہر نے اس سے صاف انکار کردیا کہ اس کے ذمّہ اس کا مہر باقی ہے، اس پر اس نے دو گواہ بھی پیش کردیئے۔ قاضی نے ایک گواہ بلایا اور کہا: ''تم اٹھ کر اس عورت کا چہرہ دیکھو، تاکہ تمہیں گواہی دینے میں تأمل نہ ہو'' وہ اٹھ کر جب اس عورت کے پاس جانے لگا تو اس کے شوہر نے پوچھا: ''تمہیں اس سے کیا غرض ہے؟'' اسے قاضی کا حکم سنایا گیا کہ جو ہورہا ہے وہ قاضی کے حکم سے ہورہا ہے اور گواہ کا عورت کو دیکھنا ضروری ہے۔ شوہر کی غیرت نے برداشت نہیں کیا کہ اس کی بیوی کا چہرہ لوگوں کے سامنے کُھلوایا جائے، وہ چیخ پڑا اور کہنے لگا: ''میں قاضی کے سامنے اقرار کرتا ہوں کہ جس مہر کا وہ مجھ سے مطالبہ کر رہی ہے وہ میرے ذمّے ہے، اس لئے اب اس کا چہرہ نہ کُھلوایا جائے۔'' عورت نے جب یہ سنا کہ صرف میری بے پردگی کو برداشت نہ کرتے ہوئے میرا شوہر اس خطیر رقم کو ادا کر رہا ہے تو اس نے بھی قاضی کو خطاب کرتے ہوئے کہا: ''آپ گواہ رہیں کہ میں نے اپنا یہ حق مہر معاف کرکے اسے دنیا اور آخرت میں بری کردیا۔'' قاضی نے جب عورت کی یہ اعلیٰ ظرفی دیکھی تو کہا: ''اس بات کو مکارم اخلاق میں لکھ لو'' (المنتظم لابن جوزی: ۱۲/ ۴۰۳)۔

لیکن افسوس! آج مسلمان گھرانوں میں اسلامی اور ایمانی غیرت کا گراف تیزی سے نیچے گر رہا ہے، غیرت کا تقاضہ یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کی طرف اٹھنے والی ہر آنکھ کو پھوڑ دے، جب بیوی خود کسی مرد سے نظر بازی کرے تو اس کا خون کھول پڑے اور اپنی بیوی کو بھی اس کی سزا دینے سے نہ چوکے، لیکن افسوس کہ آج گندے اور فحش مناظر اکثر مسلمان اپنے پورے کنبے کے ساتھ بیٹھ کر T.V دیکھ رہا ہے اور اہل وعیال سمارٹ مردوں کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے ہیں، لیکن ایمانی غیرت پر جوں تک نہیں رینگتی، بقول علامہ اقبال:

وائے ناکامی، متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

اسلامی معاشرے میں فحاشیت کو پھیلانا ایک عظیم جرم ہے، جس کی سزا دنیا اور آخرت دونوں میں دی جائے گی، ارشادِ قرآنی ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۙ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ﴾ (اور جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں کے درمیان بدکاری رواج پائے، ان کے لئے دنیا

اور آخرت میں دردناک عذاب ہے)[النور:۱۹].

دنیوی سزا، معاشرے میں لڑکوں کے انحراف اور لڑکیوں کی ماں باپ اور اسلامی اقدار سے بغاوت سے بغاوت ہے. رہا آخرت کا عذاب وہ تو برحق ہے.

انٹرنیٹ کی مصیبت:

موجودہ دور کی T.V سے کہیں زیادہ آگے بڑھی ہوئی ایک عام وبا انٹرنیٹ ہے، جسے کمپیوٹر کے پردے پر دیکھا اور سنا جا سکتا ہے، اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اس کی بدولت ساری دنیا سمٹ کر ایک چھوٹے سے کمپیوٹر میں جمع ہو جاتی ہے، اس کے ذریعے انسان دنیا جہاں کے سارے اخبارات کو صرف کلک دبا کر پڑھ اور سن سکتا ہے، دنیا کے کسی بھی کونے میں بیٹھے ہوئے اپنے عزیز، دوست یا رشتہ دار کو ایک پیسہ خرچ کئے بغیر پلک جھپکنے سے پہلے اپنا پیغام پہنچا سکتا ہے، صرف دو سکنڈ میں کسی سے بھی مفت میں بات کر سکتا، دنیا کی ہر لائبریری کی کتابیں پڑھ سکتا، کسی بھی اسلامی ویب سائٹ میں جا کر مختلف زبانوں میں' دنیا کے مشہور و معروف علماء کرام کی تقاریر سن سکتا اور ان کے فتاوے اور کتابوں سے استفادہ کر سکتا ہے، غرض کہ دنیا کے لاکھوں ویب سائٹس اپنی پوری حشر سامانیوں کے ساتھ اس کی ایک ہلکی سی جنبش کے منتظر رہتے ہیں کہ وہ کب انہیں حکم کرے اور وہ اس کی خدمت میں پیش ہوں.

لیکن ان تمام خوبیوں کے باوجود انٹرنیٹ ایک ایسا آزاد میدان ہے جس کے لئے انسانی دنیا نے آج تک کوئی ضابطۂ اخلاق، قاعدہ اور قانون نہیں بنایا، بلکہ ہر انسان کو یہ آزادی ہے کہ وہ اپنی ایک آزاد ویب سائٹ کھول کر اس میں جو چاہے مواد ڈال دے، یہی وہ کھلی چھوٹ ہے جس کی وجہ سے بے شمار خوبیوں والا انٹرنیٹ انسانیت کے لئے مضرّت رساں بن گیا، لیکن افسوس کتنے ایسے مسلمان ہیں جنہوں نے اپنے گھر میں انٹرنیٹ لگا رکھا ہے اور بچوں کو کھلی چھوٹ دے رکھی ہے کہ وہ اس پر جو چاہے دیکھیں، انہوں نے کبھی اس کی پرواہ ہی نہیں کی کہ ہماری اولاد کہیں اس کا غلط استعمال تو نہیں کر رہی ہے، جن کے گھروں میں انٹرنیٹ نہیں انہوں نے اپنے بچوں اور بچیوں کو شہروں میں مختلف جگہوں پر کھلے ہوئے ''انٹرنیٹ کیفے'' میں جانے کی خوشی خوشی اجازت دے رکھی ہے اور انہیں فخر بھی ہے کہ ان کی اولاد انٹرنیٹ پر بھی کام کرتی ہے. ان میں سے بعض ''انٹرنیٹ کیفوں'' میں کیا ہوتا ہے اس کی ایک جھلک پاکستان سے شائع ہونے والے روزنامہ ''جنگ'' کے

سنڈے میگزین میں ''نیٹ بیتیاں'' کے کالم میں چھپے اس واقعے میں دیکھئے:

ایک روح فرسا واقعہ:

بی کام کے ایک طالب علم ریاض احمد رقم طراز ہیں: ''میں قارئین کو ایک روح فرسا واقعہ سنانا چاہتا ہوں جس میں نیٹ اور انٹرنیٹ استعمال کرنے والوں کا ہاتھ ضرور ہے. معاشرے میں جہاں اچھے لوگ ہیں وہاں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جنہوں نے اپنا ضمیر اور ایمان کوڑیوں کے بھاؤ بیچ دیا ہے، یہ میری زندگی کا انتہائی افسوس ناک اور تلخ ترین واقعہ ہے.

مجھے روزانہ جس سڑک نما گلی سے گزرنا ہوتا تھا وہاں درمیانی درجے کی بہت سی دوکانیں تھیں، جن میں ایک انٹرنیٹ کیفے بھی تھا، کیفے پر چونکہ اچھی خاصی سرمایہ کاری کی گئی تھی اس لئے وہاں اکثر اونچی فیملیز کے لڑکے اور لڑکیاں آتے جاتے تھے. ایک دن اس کیفے سے ایک لڑکی باہر نکلی، مجھے یوں محسوس ہوا کہ وہ اپنے حواسوں میں نہیں ہے، اچانک وہ چکرا کر زمین پر گر گئی لوگوں کا ہجوم اس کے ارد گرد جمع ہو گیا، ان میں ایک آنٹی بھی تھیں، انہوں نے قریبی بیکری سے مجھے جوس لانے کے لئے کہا میرے واپس آنے تک لڑکی ہوش میں تو آ چکی تھی لیکن عجیب سہمی نظروں سے سب کو دیکھ رہی تھی، آنٹی نے اس کے پرس کی تلاشی کے دوران اس کے کالج کا کارڈ نکالا، جس پر اس کے گھر کا پتہ لکھا ہوا تھا، آنٹی نے قریب کھڑی ٹیکسی میں لڑکی کو بٹھایا، خود بھی بیٹھیں اور مجھے بھی ساتھ چلنے کو کہا، کارڈ پر درج پتے کے مطابق جب ہم مطلوبہ گھر تک پہنچے تو ایک خاتون نے بہت گھبراہٹ کے عالم میں دروازہ کھولا، شاید وہ اس لڑکی کی والدہ تھیں، میں نے انہیں تسلی دی اور ساتھ ہی اپنا نام اور فون نمبر بھی بتا دیا کہ اگر ضرورت پڑے تو وہ مجھے بلا سکتی ہیں.

اچانک ایک روز فون کی گھنٹی بجی، میں نے فون اٹھایا تو کوئی لڑکی فون پر تھی، اس نے مجھے کیفے والا واقعہ یاد دلایا پھر اس نے مجھ سے صرف اتنا کہا کہ وہ مجھ سے ملنا چاہتی ہے، جب وقت مقررہ پر میں وہاں پہنچا تو وہ پہلے سے ہی موجود تھی، میں نے سلام کے فورا بعد بلانے کا مقصد دریافت کیا تو اس نے کہا: ''میں ایک بہت بڑی مشکل میں ہوں اور مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے'' اس نے بتایا کہ وہ درمیانے طبقے کے لوگ ہیں، وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہے اور انٹر کی طالبہ ہے، کچھ دنوں پہلے اس کی دوستی ایک اعلیٰ گھرانے کی لڑکی سے ہوئی جو اس کے ساتھ ہی پڑھتی تھی، اس کے بہت سے مشاغل تھے جن میں سے ایک چیٹنگ کرنا بھی تھا،

اس کے اپنے گھر میں کمپیوٹر تھا، لیکن وہ کالج کے قریب ہی واقع ایک کیفے میں جایا کرتی تھی، وہ مجھے صبح شام چیٹنگ کے فوائد بتایا کرتی، اس نے ایک دو دفعہ مجھے بھی کیفے ساتھ چلنے کو کہا، پہلے تو میں منع کرتی رہی، لیکن ایک دن اس کے بے حد اصرار پر اس کے ساتھ کیفے چلے ہی گئی. میں جب کیفے میں داخل ہوئی تو وہاں کا ماحول عجیب پُر اسرار سا لگا، ایک سیدھی سی گلی اور اس کے دائیں بائیں بہت سے کیبنز. ان کیبنز کے باقاعدہ دروازے بھی موجود تھے جو اندر سے بند کئے جا سکتے تھے، ہم نے بھی ایک کیبن کا دروازہ کھولا اور اس میں بیٹھ گئے، پھر اس نے ایک ویب سائٹ کھولی اور مجھے سائٹس کھولنے اور چیٹ کرنے کے طریقے بتانے لگی، اس وقت بہت سے لوگ مختلف ناموں سے آن لائن تھے، کچھ دیر تک وہ بھی پیغام بھیجتی اور پڑھتی رہی، تقریباً آدھے گھنٹے بعد اس نے مجھے آپریٹ کرنے کو کہا اور خود پانی پینے کے بہانے سے چلی گئی، میں نے کچھ دیر تک کمپیوٹر پر الٹے سیدھے ہاتھ مارے، جب دس منٹ ہو گئے اور واپس نہ آئی تو میں کچھ خوف زدہ سی ہوگئی، میں نے کمپیوٹر بند کرنا چاہا کہ اچانک مجھے ایک عجیب سی بُو محسوس ہوئی اور پھر مجھے مسلسل چکّر آنے لگے، میں نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کی، مگر میں نیم بے ہوشی کے عالم میں تھی کہ اچانک دو سائے کیبن میں داخل ہوئے اور اس کے بعد مجھے کوئی ہوش نہیں تھا کہ میرے ساتھ کیا ہوا، تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے بعد میں ہوش میں آئی تو مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میرے ساتھ کیا ہوا، میں نے گھبراہٹ کے عالم میں کیبن کا دروازہ کھولا اور باہر کی طرف بھاگی، اچانک کاؤنٹر پر کھڑے شخص نے جو کہ دروازے کے بالکل ساتھ ہی لگا کھڑا تھا، دھمکی آمیز لہجے میں کہا: ''دیکھو! یہاں جو کچھ ہوا ہے کسی کو اس کی خبر نہ ہو'' میں گرتی پڑتی باہر نکل آئی اور یہ وہی وقت تھا جب آپ نے مجھے اٹھا کر گھر پہنچایا''.

ایک ہفتہ پہلے کی بات ہے میں کالج سے گھر کے لئے نکلی، ذرا سا فاصلہ طے کیا تھا کہ ایک موٹر بائیک والا میرے قریب آ کر رُکا، اس نے مجھے ایک لفافہ پکڑایا اور یہ جا وہ جا. اس میں ایک خط اور کچھ تصویریں تھیں، جب میں نے تصویریں دیکھیں تو میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی، کیونکہ وہ سب کی سب میری تھیں، اپنی نیم برہنہ تصویریں دیکھ کر میری حالت ''بدن میں کاٹو تو لہو نہیں'' والی تھی. خط میں ایک پتے کے ساتھ یہ عبارت درج تھی: ''اس پتے پر پہنچ جاؤ ورنہ یہ تصویریں تمہارے گھر بھی بھجوائی جا سکتی ہیں''.

(روزنامہ ''جنگ'' سنڈے میگزین، یکم دسمبر ۲۰۰۲ء)

انٹرنیٹ کی آگ نے اس معصوم بچی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، اللہ نہ کرے کہ یہ منحوس آگ ہمارے بچوں اور بچیوں کے خرمنِ زندگی کو بھسم نہ کر دے!

اے چشمِ اعتبار ذرا دیکھ تو سہی — یہ گھر جو جل رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

بے حیائی کا طوفان:

جُوا اور شراب جس کا نقصان صرف اس کے کھیلنے اور پینے والے تک محدود ہے لیکن قرآن مجید نے ان کے تعلق سے بیان فرمایا: ﴿يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا﴾ (لوگ آپ سے شراب اور جوے کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے، اور لوگوں کے لئے منافع بھی ہیں، اور ان کے گناہ اُن کے نفع سے زیادہ بڑے ہیں) [البقرہ:۲۱۹].

اور رسول اللہ ﷺ نے شراب کے متعلق دس لوگوں پر لعنت بھیجی ہے: ۱.شراب کشید کرنے والے ۲.کرانے والے ۳.پینے والے ۴.شراب اٹھانے والے ۵.جس کے پاس شراب لے جائی جائے ۶.اس کو پلانے والے ۷.اس کو بیچنے والے ۸.اس کی قیمت کھانے والے ۹.اسے خریدنے والے ۱۰.اور جس کے لئے خریدی گئی ہو. (ترمذی، ابن ماجہ: عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ) جب کہ انٹرنیٹ کی برائی کے آگے شراب کی برائی ہیچ ہے، بالخصوص فحاشی اور بے حیائی کا جو طوفان اس سے برپا کیا گیا ہے ایسا لگتا ہے کہ وہ ساری انسانیت کو بہا لے جائے گا، مسلم ممالک نے اس پر قدغن لگانے کی کئی کوششیں کی ہیں صرف سعودیہ نے اپنے ملک میں دو لاکھ سے زیادہ ویب سائٹوں پر پابندی لگائی ہے، لیکن عالم یہ ہے کہ فحاشی کا ایک دروازہ بند کیا گیا تو ہزاروں نئے باب کھل گئے، بقول رسول کریم ﷺ: «تُعْرَضُ الْفِتَنُ عَلَى الْقُلُوبِ كَالْحَصِيرِ عُودًا عُودًا فَأَيُّ قَلْبٍ أُشْرِبَهَا نُكِتَ فِيهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ، وَأَيُّ قَلْبٍ أَنْكَرَهَا نُكِتَ فِيهِ نُكْتَةٌ بَيْضَاءُ» ''لگاتار فتنے دلوں پر ایسے پیش کئے جائیں گے جیسے کہ حصیر کی کاڑیاں (جب نکلنی شروع ہوتی ہیں تو یکے بعد دیگرے نکلتی ہی جائیں گی) جو دل فتنے کو قبول کر لے اس پر ایک سیاہ نکتہ لگا دیا جاتا ہے، اور جو دل اس فتنے کو قبول نہیں کرے گا اس میں ایک سفید نکتہ بٹھا دیا جائے گا (رواہ مسلم عن حذیفہ رضی اللہ عنہ: ۱۴۴). آج دنیا پر فتنوں کی بارش ہو رہی ہے اور ہر فتنہ اپنی ہلاکت خیزیوں میں دوسرے سے کہیں آگے بڑھا ہوا ہے، کل تک فلموں اور تھیٹروں کا رونا تھا آج ٹی

وی اورڈش نے ہر گھر کو سنیما ہال بنادیا ہے، تھیٹروں کی برائی محدود تھی لیکن T.V کی بے حیائی نے انہیں میلوں پیچھے چھوڑ دیا ہے اور اب رہی سہی کسر انٹرنیٹ نے پوری کردی ہے، مزید کتنے نت نئے فتنے برپا ہوں گے اللہ جانے کیا ہوگا آگے۔ع

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

آج ایمان کی حفاظت انگاروں پر چلنے کے برابر ہے، زبانِ نبوّت کے الفاظ میں: «يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ الصَّابِرُ فِيهِمْ عَلَى دِينِهِ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ» "لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اس میں دین اسلام پر ثابت قدم رہنے والے چنگاری پکڑنے والے کی طرح ہوں گے" (ترمذی ۴/۵۲۶، ۲۲۶۰)۔ ایسے میں والدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اور اپنی اولاد کے سلامتی ایمان کی فکر کریں: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ (اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے) [التحریم:۶].

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم نے اپنے معاشرے میں ان برائیوں کو رواج دے کر جو ببول کے پیڑ بوئے تھے اب اس کی فصل کاٹ رہے ہیں، کتنے شریف گھرانوں کی لڑکیاں ہیں جنہوں نے اسلامی اقدار کو تج دیا اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے رُسوائی کا باعث بن گئیں اور کتنی ایسی کہ جنہوں نے اپنی عفّت وعصمت کو کوڑیوں کے دام بکا دیا اور غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ بھاگ گئیں، اس طرح کے سینکڑوں واقعات روزانہ پیش آرہے ہیں لیکن افسوس کہ اصل محرکات پر کسی کی نظر نہیں جاتی اور معاشرے میں ان شر وفساد کے دروازوں کو بند کرنے کے لئے کوئی مہم نہیں چلائی جاتی، اب جب کہ ساری دنیا انٹرنیٹ کے غلط استعمال سے پریشان ہے، کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے کہ اس بلا کو کس طرح روکا جائے، ایسے میں والدین کا فرض بنتا ہے کہ طوفان آنے سے پہلے اس کا سدّ باب کریں اور اولاد کے بگڑنے سے پہلے ان کی اصلاح کے لئے قدم اٹھائیں تاکہ آگے چل کر انہیں کفِ افسوس ملنا نہ پڑے:

وطن کی فکر کر ناداں، قیامت آنیوالی ہے
تیری بربادیوں کے تذکرے ہیں آسمانوں میں

باب ششم

بچیوں کی تربیت

لڑکیوں کے لئے پردہ کا حکم:

والدین کے لئے ضروری ہے کہ اپنے لڑکوں کو غیر محرم عورتوں کی طرف نظر ڈالنے سے روکیں، اور لڑکیوں کو نامحرم مردوں سے پردہ کرنے کا حکم دیں، اس لئے کہ فطری طور پر مردوں میں عورتوں کے لئے رغبت رکھی گئی ہے، جب وہ بے پردہ عورت کا عریاں جسم دیکھتا ہے تو شہوت اور رغبت کو پورا کرنے کے لئے اس کی طرف لپکتا ہے، آج کل کے اخبارات اس بات پر گواہ ہیں کہ کس طرح مرد بے پردہ سالی، بھابی، ہمسائی اور اجنبی عورت کے ساتھ بُرے کام میں ملوث ہوتے ہیں، پردہ کے متعلق مشہور اسلامی اسکالر، محدّث اور سیرت نگار، استاذِ محترم مولانا صفی الرحمٰن صاحب مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عورت کے لئے پردہ اسلامی شریعت کا ایک واضح حکم ہے، اور اس کا مقصد بھی بالکل واضح ہے، اسلام نے انسانی فطرت کے عین مطابق یہ فیصلہ کیا ہے کہ عورت اور مرد کے تعلقات پاکیزگی، صفائی اور ذمّہ داری کی بنیاد پر استوار ہوں اور اس میں کہیں کوئی خلل در نہ آنے پائے، اسی لئے اس نے زنا اور اس کے اسباب ودواعی پر مکمل قدغن لگائی ہے، کیونکہ یہ تکمیل خواہشات کا خالص حیوانی ذریعہ ہے، جس میں طہارت اور ذمّہ داری کی ادنیٰ سی بھی جھلک موجود نہیں، بلکہ یہ جسمانی اور روحانی آفات کا سرچشمہ ہے۔

اسلام نے اس برائی کے سدّ باب کے لئے تین تدبیریں اختیار کی ہیں:

۱- ربّانی ارشاد وہدایت اور نبوی وعظ وتذکیر: اس کا بیان کتاب اللہ کی آیات اور سنّتِ رسول اللہ ﷺ کے مختلف ابواب میں نہایت مؤثر اور بلیغ انداز میں موجود ہے، کہیں عفّت وعصمت پر بہترین اجر وانعام کا ذکر ہے تو کہیں فحش کاری پر وعید شدید

۲- حدود اور سزائیں: جس کے تحت غیر شادی شدہ زانی کو سو کوڑے مارنے اور شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنے کا انتہائی شدید ترین حکم ہے۔

غیر محرم مرد وعورت کی ایک دوسرے سے مکمل علاحدگی اور ان کے باہمی اختلاط پر دوٹوک پابندی. اس پابندی کا حصّہ یہ ہے کہ اگر عورت کو گھر سے باہر نکلنا اور اجنبی مردوں کے سامنے سے گزرنا پڑے تو وہ پردہ کر لے.

(پیشِ لفظ: مسلمان عورت کا پردہ اور لباس)

پردہ کا حکم ۵ھ میں نازل ہوا جب کہ رسول اللہ ﷺ نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا، نبی ﷺ نے اس وقت پردہ لٹکا دیا اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو جو اس سے پہلے بے دھڑک آپ ﷺ کے گھر میں آتے جاتے تھے، آپ نے انہیں بلا اجازت داخل ہونے سے منع کر دیا، اس موقعہ پر نازل ہونے والی آیت یہ تھی: ﴿وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ﴾ (اور جب تم اُن (امہات المؤمنین) سے کوئی سامان مانگو تو پردے کے اوٹ سے مانگو) (صحيح بخارى : كتاب التفسير : باب لاَ تدخلوا بيوت النبى إلاّ ان يوذن لكم . صحيح مسلم : كتاب النكاح باب: زواج زينب بنت جحش).

نظر بازی زنا کاری کا پیش خیمہ ہے، اس لئے اسلام نے سب سے پہلے اس پر پابندی لگائی اور مرد اور عورت دونوں کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی نظریں پست رکھیں اور اپنی عزّت کی حفاظت کریں: ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ﴾ (اے میرے نبی! آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، ایسا کرنا ان کے لئے زیادہ بہتر ہے) [النور: ۳۰]. اور بالکل یہی حکم عورتوں کو بھی دیا گیا.

﴿وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ﴾ (اور اے میرے نبی! آپ ایمان والی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں [النور: ۳۱]. یہ حکم اس بات کا غمّاز ہے کہ نظر کی بے احتیاطی کا عصمتوں کی پامالی سے چولی دامن کا رشتہ ہے، اسی لئے حکیم وخبیر اللہ تعالیٰ نے غضّ بصر کے ساتھ اس کا فائدہ بھی ذکر کر دیا کہ اس سے عصمتوں کی حفاظت ہوتی ہے.

مرد کی نگاہ ہوسناک ہوتی ہی ہے، اسی لئے اسے منع کیا گیا کہ وہ عورتوں کی طرف گھور گھور کر دیکھے، اچانک پڑنے والی نگاہ کے متعلق فرمایا: «يَا عَلِيُّ! لَا تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ، فَإِنَّ الْأُولٰى لَكَ وَالْآخِرَةَ عَلَيْكَ» ''اے علی (رضی اللہ عنہ)! نظر پر نظر نہ ڈالو، اس لئے کہ پہلی نظر تو تمہارے لئے (معاف) ہے اور دوسری تم پر (گناہ) ہے'' (ترمذی: حدیث نمبر ۲۷۷۷. دارمی. مستدرک حاکم. صحیح علی شرط مسلم). بقول شاعر:

اس بارگاہِ حسن میں لازم ہے احتیاط ۔۔۔ پہلی نظر تو معاف ہے دوسری مگر حرام

لیکن عورت کی نگاہ بھی کچھ کم قیامت نہیں ڈھاتی، بالخصوص وہ نگاہ جو ترچھی ہو، کنکھنیوں سے دیکھی جائے، شرمیلی ہو، اور شراب کی سی مستی لئے ہوئے نیم باز ہو، ایسی نگاہیں کُھلے طور پر برائی کی دعوت دیتی ہیں، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَلْعَيْنَانِ تَزْنِيَانِ وَزِنَاهُمَا النَّظَرُ، وَالْقَلْبُ يَشْتَهِيْ وَيَتَمَنّٰى، وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذٰلِكَ أَوْ يُكَذِّبُهُ» ''آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا ہے، دل خواہش اور تمنا کرتا ہے اور شرم گاہ اس کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب'' (رواہ مسلم).

مطلب یہ کہ آنکھوں کے راستے سے جو خوب صورت تصویر مرد کے دل میں اترتی ہے، دل اس کے لئے مچلنے لگتا ہے، دماغ اس کے لئے سازشیں کرتا ہے، آخر میں شرم گاہ کی باری آتی ہے اگر وہ اس میں کامیاب ہو گیا تو، جو زنا اب تک مجازی تھا وہ حقیقی روپ دھار لیتا ہے، اگر وہ اس برائی کے کرنے میں ناکام ہوتا ہے تو پھر یہ زنا مجازی ہی رہتا ہے حقیقی نہیں ہوتا. عورتوں کے لئے حکم دیا گیا: ﴿وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ لْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۖ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۖ وَ لَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَ تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (اور اے میرے نبی! آپ ایمان والی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں، سوائے اس کے جو ظاہر رہتا ہے، اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رکھیں، اور اپنا بناؤ سنگار کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں، سوائے اپنے شوہروں کے، یا اپنے باپ کے، یا اپنے شوہروں کے باپ کے، یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے، یا اپنی عورں کے، یا اپنے غلاموں کے، یا گھر میں رہنے والے ان لوگوں کے سوا جو عورت کی خواہش نہیں رکھتے، یا ان بچوں کے سوا جو ابھی عورتوں کی شرمگاہوں سے آگاہ نہیں ہیں، اور اپنے پاؤں زمین پر مار کر نہ چلیں، تاکہ ان کی پوشیدہ زینت لوگوں معلوم ہو جائے، اور اے مومنو! تم سب مل کر اللہ کے حضور توبہ کر، تاکہ کامیاب ہو جاؤ) [النور: ۳۱].

ان آیات میں محرم سے پردہ کی رخصت دی گئی ہے، محرم میں ایسے تمام رشتہ دار شامل ہیں جن سے عورت کا نکاح دائمی یا عارضی حرام ہے، اور وہ یہ ہیں:

❁ باپ. اس میں دادا، نانا، پڑدادا، پڑنانا اور سسر شامل ہیں.

❁ حقیقی بیٹے. اس میں پوتے، پڑپوتے، نواسے، پڑنواسے، داماد اور اسی طرح سوتیلے بیٹے اور ان کے اولاد اور احفاد شامل ہیں

❁ بھائی چاہے وہ حقیقی ہوں یا سوتیلے، علاتی ہوں یا اخیافی، اسی میں بھتیجے اور بھانجے اور ان کی اولاد تمام شامل ہیں.

❁ حقیقی چچا اور حقیقی ماموں.

❁ رضاعی باپ اور رشتہ داروں سے. نسب سے جو رشتے حرام ہیں دودھ پلانے سے بھی وہ رشتے حرام ہوجاتے ہیں.

❁ عام بچوں سے جب تک ان میں شہوانی جذبات بیدار نہ ہوئے ہوں.

❁ ایسے نوکر چاکروں سے جن میں ہم بستری کی رغبت نہیں جیسے بچے اور بوڑھے

❁ ایسی بوڑھی عورتیں جو سنّ ایاس کو پہنچ چکی ہیں، اگر وہ پردہ نہ کرنا چاہیں تو کوئی حرج نہیں ہے، ہاں اگر پردہ کریں تو بہتر ہے.

ان کے علاوہ تمام نامحرم رشتہ دار جیسے: دیور، جیٹھ، بہنوئی، چچازاد بھائی، خالہ زاد بھائی، ماموں زاد بھائی، شوہر کا بھتیجا، بھانجا وغیرہ سے، اسی طرح غیر رشتہ دار (سہیلی کا شوہر، شوہر کا دوست وغیرہ) سے، ہجڑوں سے، غلط قسم کے آوارہ اور مشتبہ مسلم و غیر مسلم خواتین سے پردہ کرنا ہوگا.

چہرہ کا پردہ:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (اے میرے نبی! آپ اپنی بیویوں سے اور اپنی بیٹیوں سے، اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے اوپر لٹکا لیا کریں، یہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچان لی جائیں اور انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچائے، اور اللہ

بڑا مغفرت کرنے والا، بے حد رحم کرنے والا ہے) [الأحزاب:۵۹].

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن جریر طبری عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل فرماتے ہیں: «أَمَرَ اللّٰهُ نِسَاءَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا خَرَجْنَ مِنْ بُيُوتِهِنَّ فِي حَاجَةٍ أَن يُّغَطِّيْنَ وُجُوهَهُنَّ مِنْ فَوْقِ الْجَلَابِيبِ وَيُبْدِيْنَ عَيْنًا وَاحِدَةً» "اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومن عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی ضرورت کی بنا پر اپنے گھروں سے نکلیں تو اپنے چہروں کو اوڑھنیوں سے ڈھانک لیں اور صرف ایک آنکھ ظاہر کریں" (تفسیر طبری).

پھر اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن جریر طبری فرماتے ہیں: «لَا يُشَبِّهْنَ بِالْإِمَاءِ فِي لِبَاسِهِنَّ إِذَا هُنَّ خَرَجْنَ مِنْ بُيُوتِهِنَّ لِحَاجَتِهِنَّ، فَكَشَفْنَ شُعُورَهُنَّ وَوُجُوهَهُنَّ، وَلٰكِنْ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ لِئَلَّا يَعْرِضَ فَاسِقٌ إِذَا عَلِمَ أَنَّهُنَّ حَرَائِرُ بِأَذًى مِنْ قَوْلٍ» "جب وہ اپنے گھروں سے کسی ضرورت کی بنا پر نکلیں تو لباس میں اپنے بالوں اور چہروں کو کھلا رکھ کر لونڈیوں کی وضع نہ اپنائیں، بلکہ اپنے چہرے پر گھونگھٹ ڈال لیا کریں تاکہ جب فاسق کو معلوم ہوگا کہ وہ شریف ہیں، تو ان سے کوئی بیہودہ بات نہیں کرے گا".

(تفسیر طبری).

بے شمار احادیث مبارکہ بھی اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ عورت اپنے چہرے کا پردہ کرے:

❁ اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا حدیث الإفک کی لمبی روایت میں فرماتی ہیں: «فَخَمَّرْتُ وَجْهِي حِينَ سَمِعْتُ اسْتِرْجَاعَهُ» "جب میں نے ان (صفوان بن معطل السلمی رضی اللہ عنہ) کے «إنّا لله وإنّا إليه راجعون» پڑھنے کی آواز سنی تو اپنے چہرے کو اوڑھنی سے ڈھانک لیا" (البخاری).

عن عائشة رضي الله عنها قالت: «كَانَ الرُّكْبَانُ يَمُرُّونَ بِنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مُحْرِمَاتٌ فَإِذَا حَاذُوا بِنَا سَدَلَتْ إِحْدَانَا جِلْبَابَهَا مِنْ رَأْسِهَا عَلٰى وَجْهِهَا، فَإِذَا جَاوَزُنَا كَشَفْنَاهُ» عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "سواروں کے قافلے ہم پر سے گزرتے اور ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حالتِ احرام میں تھیں، جب وہ ہمارے قریب آتے تو ہم میں سے ہر ایک اپنے گھونگھٹوں کو اپنے سر سے چہرے پر لٹکا لیا کرتیں، اور جس وقت وہ گزر جاتے ہم اپنے چہروں کو کھول لیتیں" (ابوداود).

ان احادیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مسلمان عورت کے لئے ضروری ہے کہ جب وہ اپنے گھر سے

باہر نکلے تو ضرور چہرہ کا پردہ کرے، اس لئے کہ چہرہ ہی خوبصورتی یا بدصورتی کا عنوان ہے، مشہور اسلامی اسکالر، محدّث اور سیرت نگار، استاذ محترم مولانا صفی الرحمٰن صاحب مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”چونکہ چہرہ حُسن وقبح کا اصل معیار ہے اور اس پر ابھرنے والے تأثرات دلی جذبات اور احساسات کی ترجمانی کرتے ہیں اور نگاہ پیغام رسانی کا کام انجام دیتی ہے، بلکہ خفتہ جذبات اور احساسات کو ابھارتی بھی ہے، اس لئے پردے کے حکم کا اولین نشانہ یہ ہے کہ چہرہ نگاہوں سے اوجھل رہے اور نگاہ سے نگاہ ٹکرانے نہ پائے۔

مگر یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ علماء نے سب سے بڑھ کر اسی مسئلہ میں اختلاف کیا ہے اور بہت سے پُر جوش لوگوں نے اس بے احتیاطی کو عین منشائے اسلام قرار دیا ہے اور اس کے لئے عجیب وغریب ”دلائل“ پیش کئے ہیں، چنانچہ ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ عورت کو حالتِ نماز میں چہرہ اور ہاتھ کھلا رکھنے کی اجازت ہے، انہیں ڈھانپنے کا حکم نہیں ہے، اس لئے یہ دونوں پردے کے دائرے سے خارج ہیں۔

حالانکہ اگر غور کیا جائے تو یہ بالکل بے تکی دلیل ہے، کیونکہ نماز کی ستر پوشی ایک الگ چیز ہے اور انسانوں سے پردہ الگ چیز۔ بسا اوقات نماز میں ایک چیز کے پردے کا حکم ہے، مگر انسانوں سے اس کے پردے کا حکم نہیں، مثلاً: مرد کو نماز میں کندھے ڈھانپنے کا حکم ہے، مگر انسانوں کے سامنے نہیں۔ بس اسی کے بر عکس یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نماز میں ایک چیز کے پردے کا حکم نہ ہو اور انسانوں کے سامنے ہو۔ درحقیقت نماز میں ستر کا حکم کچھ اور مقاصد رکھتا ہے اور انسانوں سے پردے کا حکم کچھ اور ہی مقاصد رکھتا ہے، لہٰذا ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کرسکتے“ (پیشِ لفظ: مسلمان عورت کا پردہ اور لباس)۔

شرعی پردہ ڈھیلا ڈھالا اور چہرہ، ہاتھ اور سارے جسم کو چھپانے والا ہو، اتنا چُست نہ ہو کہ جسم چُھپنے کے باوجود نمایاں اور لوگوں کو راغب کرنے والا ہو، نظریں ہٹانے والا ہو نہ کہ نظریں جمانے والا، نقش ونگار والا نہ ہو، لیکن افسوس کہ آج برقعے کے نام پر جو کالا لباس پہنا جاتا ہے وہ اس قدر دلکش اور جاذبِ نظر ہوتا ہے کہ بقولِ شیخ سعدی بوڑھی پر بھی جوان کا گمان ہوتا ہے:

بسے خوش قامتے کہ زیر چادر باشد   چوں باز کنی مادرِ مادر باشد

”بہت سی خوش قامت عورتیں جو چادر میں ہوتی ہیں، جب ان سے چادر ہٹائی جائے تو ماں کی ماں (نانی) ہوتی ہیں (یعنی خوش رنگت چادر نے انہیں خوش قامت بنادیا)“۔

اسی طرح آج کل کا کالا برقعہ بھی اپنی افادیت کھو رہا ہے، حال یہ ہے کہ برقعہ پہنا ہے، خوب صورت اسٹائلش، نیا ڈیزائن، پرنٹیڈ، چمک دار، رنگیلا، بھڑکیلا اور کچھ نہیں تو اس کے اوپر سنہری ڈوریاں، خوبصورت اسٹیکرز، گولڈن بٹن اور خوبصورت، دلکش اور دیدہ زیب اسکارف، پردہ کا پردہ اور ساتھ ہی دعوت نظارہ۔ بقول کسے:

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

برقعہ بجائے ستر وحجاب واخفائے زینت کے، خود اظہار زینت کا ایک بڑا وسیلہ بن گیا، اَدھ کھلا چہرہ جس سے غازہ وکاجل صاف جھلک رہا ہے، چہرے کی تزئین وآرائش کا پورا اہتمام ہے، مہندی سے رنگے ہوئے مزین ہاتھ، ان تمام حشر سامانیوں کے ساتھ، تقویت حسن کے لئے گورے چہرے پر کالا برقعہ، اچھے اچھوں کا تقویٰ توڑنے کے لئے کافی ہے۔ اسی پر کسی دل جلے نے کہا تھا:

نظر آتے ہیں جو بازاروں میں کالے بُرقعے   اپنے پردے میں ہی بے پردگی پالے بُرقعے
نام کل تک تھا ابھی، جن کا حیاداروں میں   آج وہ منہ کھولی ہوئی پھرتی ہیں بازاروں میں
کالے بُرقعے کو بھی ایک فتنۂ تازہ کہئے   اس کو پردہ نہیں پردے کا جنازہ کہئے

والدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی بچیوں کو سختی سے پردہ کا پابند بنائیں، انہیں خوشبو لگا کر چلنے، لوچ دار، شیریں آواز سے بات کرنے، پاؤں کی جھنکار اور دلکش اداؤں سے روکیں، شرعی حجاب کی خوبیاں ان کے سامنے بیان کریں اور انہیں یہ بتلائیں کہ جب تک وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پر عمل نہیں کریں گی اس وقت تک صحیح معنوں میں مسلمان بھی نہیں بنیں گی۔

قانونِ حجاب کی برکات:

یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلام کے قانونِ حجاب کی کشش نے کئی غیر مسلم خواتین کو مسلمان بنایا ہے، ”نو مسلم خواتین کے مشاہدات“ کے نام سے چھپنے والی کتاب میں محترمہ خولہ نکاتا (جاپان) لکھتی ہیں: ”منی سکرٹ کا مطلب ہوتا ہے کہ اگر آپ کو میری ضرورت ہے تو مجھے لے جاسکتے ہیں۔ جب کہ حجاب صاف طور پر بتلاتا ہے کہ ”میں آپ کے لئے ممنوع ہوں“۔ اپنا مذہب تبدیل کرنے سے پہلے بھی کسی عورت کے جسم کو دیکھنا جو اس کی جلد سے چپکے ہوئے باریک لباس سے جھلکتا تھا، مجھے پریشان کردیتا تھا، مجھے محسوس ہوتا تھا کہ میں

نے کوئی ایسی چیز دیکھ لی ہے جس کو مجھے دیکھنا نہیں چاہئے تھا. اگر یہ بات ایک عورت کو پریشان کر سکتی ہے تو مردوں کو کتنا متاثر کرتی ہوگی''.

محترمہ لیلی لیسالوت وتمان (امریکہ) کہتی ہیں: ''جب میں حجاب استعمال کرنے لگی تو مجھے امن وامان کا سایہ مل گیا. مجھے محسوس ہوا کہ پردہ کے باعث تمام لوگ میرا احترام کرنے لگے ہیں اب مجھے کوئی تنگ نہیں کرتا، نہ سڑک پر، نہ بس وغیرہ پر''.

محترمہ ہدیٰ خطاب (برطانیہ) کا کہنا ہے: ''جو چیز مجھے اسلام کی طرف کھینچ لائی ہے وہ پردہ تھا. مسلمان خواتین کا یہ سکارف اور لباس غیر مردوں کی نظریں عورت کی طرف سے ہٹا دیتا ہے''.

نیکی کی تم تصویر ہو، عفت کی تم تدبیر ہو!

ہو دین کی تم پاسبان، ایمان سلامت تم سے ہے

(ماہنامہ محدث لاہور)

پردہ کے متعلق اسلامی احکامات:

یہ اسلام کی وہ تعلیمات تھیں جو اس نے آج سے چودہ سو سال پہلے اُس مسلمان اور مومن معاشرہ کو دی، جو اس کائنات کا، ایمان، تقویٰ، اخلاص، للّٰہیت، شرم وحیا، عفّت عصمت کی حفاظت کے لحاظ سے بہترین زمانہ تھا، اس سے بہتر دور نہ چشمِ فلک نے کبھی دیکھا تھا اور نہ کبھی دیکھے گا، لیکن اس نے انسانیت کو ایسی تعلیمات سے نوازا کہ جس پر عمل کرکے قیامت تک آنے والی ساری فحاشیوں کا سدّ باب کیا جا سکتا ہے، حالانکہ اس وقت انسان کی جنسی ہوس نے وہ خطرناک روپ نہیں دھارا تھا جو آج ہے، عریانیت وفحاشت کا وہ بازار گرم نہیں ہوا تھا جو آج ہے، اس کے باوجود آپ ﷺ نے مسلم خواتین کو پردے کی پابندی کی تلقین فرمائی عفّت وعصمت کی حفاظت کی وہ تعلیمات عنایت فرمائیں کہ جس سے عمدہ انتظام اور تعلیم کسی بھی مذہب میں ملنی ناممکن ہے. اس سلسلے میں چند احادیث ملاحظہ ہوں:

۱- عن أم سلمة رضی اللہ عنہا قالَتْ: كُنتُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، وَعِنْدَهُ مَيمُوْنَةُ، فَأَقْبَلَ إبْنُ أُمِّ مَكْتُوْمٍ، وَذٰلِكَ بَعْدَ أَنْ أُمِرْنَا بِالْحِجَابِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إحْتَجِبَا مِنْهُ، فَقُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَلَيْسَ هُوَ أَعْمٰى لَا يُبْصِرُنَا وَلَا يَعْرِفُنَا؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَفَعَمْيَاوَانِ أَنْتُمَا، أَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِهِ؟» اُمّ

سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں اور میمونہ رضی اللہ عنہا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تھیں، اتنے میں عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آئے، اور یہ پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد کا واقعہ ہے، آپ ﷺ نے ہمیں حکم دیا: ''تم دونوں پردے میں چلی جاؤ، ہم نے کہا: یارسول اللہ! کیا وہ اندھے نہیں ہیں؟ نہ تو ہمیں دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی پہچان سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لیکن تم دونوں تو اندھی نہیں ہو، تم تو اسے دیکھ رہی ہو''.

(رواہ ابوداؤد والترمذی).

سبحان اللہ! رسول اکرم ﷺ کی بیویاں امت کی مائیں ہیں: ﴿وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ (اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں) [الأحزاب: ۶]. اور آنے والے صحابی اندھے اور روحانی بیٹے کے حکم میں ہیں، لیکن آپ ﷺ نے ان سے بھی اپنی ازواج مطہرات کا پردہ کروا کر اُمت کو قیامت تک کے لئے عملی اسوہ پیش کیا، لیکن افسوس ہمارے معاشرے میں خواتین مردوں کی نظروں سے بچنے کے لئے برقعہ کا استعمال کرتی ہیں، لیکن کسی مرد کو دیکھنا مقصود ہو تو پردے کی اوٹ سے نظر بازی کرتی ہوئی نظر آتی ہیں. اسی پر کسی دل جلے نے کہا تھا:

پلٹ کر مظہری نے ایک نگاہ ڈالا تو مجرم ہے

تمہیں حق ہے کہ تم جھانکا کرو شاعر کو چلمن سے؟

ایک حدیث میں کسی مسلمان عورت کو کسی غیر محرم کے ساتھ پل بھر کے لئے بھی تنہائی میں رہنے کو ناجائز قرار دیا.

۲- عن ابن عباس رضی اللہ عنہما أن رسول الله ﷺ قال: «لَا يَخْلُوَنَّ أَحَدُكُمْ بِامْرَأَةٍ إِلاَّ مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ» عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے، سوائے اس کے کہ اس کے ساتھ اس کا کوئی محرم ہو'' (بخاری ومسلم).

حکم دیا کہ عورت اپنے شوہر کے قریب ترین مرد رشتہ داروں سے اپنے آپ کو بچائے رکھے:

۳- عن رسول الله ﷺ قال: «إِيَّاكُمْ وَالدُّخُوْلَ عَلَى النِّسَاءِ، فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ: أَفَرَأَيْتَ الْحَمْوَ؟ قَالَ: اَلْحَمْوُ اَلْمَوْتُ» رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عورتوں کے پاس (ان کی تنہائی میں) داخل ہونے سے بچو، ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! دیور کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: (عورت کے حق میں) دیور تو موت ہے'' (بخاری ومسلم).

۴- دل، دماغ، آنکھ، اور کان کے غلط استعمال سے روکا گیا. فرمانِ الٰہی ہے: ﴿اِنَّ السَّمۡعَ وَ الۡبَصَرَ وَ الۡفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنۡہُ مَسۡئُوۡلًا﴾ (اور جس بات کا آپ کو علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ لگئے، بے شک کان اور آنکھ اور دل ہر ایک کے بارے میں پوچھا جائے گا) [الإسراء:۳۶] بے شک کان، آنکھ اور دل ان تمام کے متعلق روز قیامت پرسش ہوگی.

۵- اچانک پڑنے والی نظر کے متعلق حکم دیا: عن جریر رضی اللہ عنہ قال سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ نَظْرَةِ الْفُجَاءَةِ، فَقَالَ: اصْرِفْ بَصَرَکَ» جریر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے اچانک پڑنے والی نظر کے متعلق دریافت کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنی نظر پھیر لو'' (مسلم).

یہ وہ واضح اور روشن تعلیمات ہیں جن پر دنیا کا کوئی بھی معاشرہ اور کوئی بھی طبقہ، چاہے وہ بوڑھوں کا ہو یا جوانوں کا، مردوں کا ہو یا عورتوں کا، حاکموں کا طبقہ ہو یا محکوموں کا، ان ابدی تعلیمات پر کما حقہ عمل کرے گا، تو وہ ہر اس برائی سے محفوظ رہے گا جو اس کی شرافت کو نقصان پہنچائے اور اس کے اخلاق کو بے پردگی، اختلاط، فحاشت اور حرام نظر بازی سے محفوظ کر کے شرافت و پاکیزگی، امن و استقرار اور شرف و سعادت کے بامِ اوج پر پہنچائے، ایسا کیوں نہ ہو جب کہ وہ اس طریقہ پر گامزن ہے جسے بنانے والا العرشِ عظیم کا رب ہے.

اس دور میں جب کہ عریانیت ایک فیشن بن چکی ہے، ٹی وی، ڈش انٹینا، انٹرنیٹ، کیمرہ، فون کیمرہ، وال پوسٹرس اور عریاں اشتہارات کا ایک سیلاب آ چکا ہے، چھوٹے چھوٹے بچے اور بچیاں تک جنسی رموز و نکات سے نہ صرف آشنا بلکہ کسی حد تک ماسٹرس بن چکے ہیں، تو بالخصوص ان فرامینِ الٰہیہ پر سختی سے عمل کیا جائے.

❀❀❀

باب ھفتم

معاشرتی تربیت

اولاد پر والدین کے حقوق:

والدین انسان کے اس دنیا میں آنے کا سبب ہیں، والدین نے اپنی اولاد کے لئے لاکھوں دکھ جھیلے، ہزاروں پریشانیاں اٹھائیں، تب جا کر اولاد کہیں جوان ہوئی اور ہٹے کٹے جسم اور مضبوط اعصاب کی مالک بنی، اپنی اولاد کو جواں کرتے کرتے والدین خود بڑھاپے کو پہنچ گئے، انہیں مضبوط اور صحت مند بناتے بناتے خود کمزوری اور انحطاط کو پہنچ گئے. اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے والدین کے حق کو اپنے حقوق کے بعد ذکر کیا ہے.

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ قَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ وَ بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا ؕ اِمَّا یَبۡلُغَنَّ عِنۡدَکَ الۡکِبَرَ اَحَدُہُمَاۤ اَوۡ کِلٰہُمَا فَلَا تَقُلۡ لَّہُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنۡہَرۡہُمَا وَ قُلۡ لَّہُمَا قَوۡلًا کَرِیۡمًا ﴿۲۳﴾ وَ اخۡفِضۡ لَہُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَۃِ وَ قُلۡ رَّبِّ ارۡحَمۡہُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیۡ صَغِیۡرًا﴾ (اور آپ کے رب نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ لوگو! تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہاری زندگی میں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اُف نہ کہو، اور انہیں ڈانٹو نہیں، اور ان کے ساتھ نرمی اور ادب واحترام کے ساتھ بات کرو. اور جذبۂ رحمت کے ساتھ، ان کے سامنے تواضع اور انکساری اختیار کرو، اور دعا کرو کہ اے میرے رب! جس طرح ان دونوں نے بچپن میں میری پرورش و پرداخت کی تھی تو ان پر رحم فرمادے) [بنی اسرائیل: ۲۳-۲۴].

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے والدین کے ادب واحترام اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کو اپنی عبادت کے ساتھ ملا کر واجب فرمایا ہے جیسا کہ سورہ لقمان میں اپنے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کو ملا کر لازم فرمایا ہے: ﴿اَنِ اشۡکُرۡ لِیۡ وَ لِوَالِدَیۡکَ﴾ (کہ تو میرا شکر ادا کر، اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کر) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہ کی عبادت کے بعد والدین کی اطاعت سب سے زیادہ اہم اور اللہ تعالیٰ کے شکر ہی کی طرح والدین کا شکر گزار ہونا واجب ہے. (تفسیر قرطبی).

والدین کی خدمت واطاعت اور تعظیم وتکریم ہر عمر میں واجب ہے، چاہے وہ بوڑھے ہوں یا جوان.

لیکن بڑھاپے کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے کیا گیا ہے کہ بڑھاپے میں اکثر انسان چڑچڑے ہوجاتے ہیں، ان میں ضد اور ہٹ دھرمی پیدا ہوجاتی ہے اور عقل وخرد بھی جواب دینے لگ جاتی ہے، ایسے میں انسان ایسی خواہشیں کرنے لگتا ہے جو بسا اوقات بچوں کی سی ہوتی ہیں اور کچھ مطالبات ایسے ہوتے ہیں کہ جن کا پورا کرنا بعض اولاد کے لئے مشکل ہوجاتا ہے، ایسے عالم میں بچے اپنے والدین سے جھنجھلا اٹھتے ہیں، ایسے وقت اللہ تعالیٰ نے اولاد کو ان کا بچپن یاد دلایا کہ تم بھی کبھی اپنے والدین سے زیادہ ضعیف وکمزور تھے، کچھ جانتے نہیں تھے، دنیا سے بے خبر تھے، اس وقت انہوں نے تمہاری کمزوری پر، تمہاری محتاجی اور بے مائیگی پر جس طرح اپنی راحت اور خواہشات کو قربان کرڈالا اور تمہاری بے عقل کی باتوں کو محبت وپیار سے برداشت کیا تو تمہاری عقل وشرافت کا تقاضہ یہی ہے کہ ان کے ان لاکھوں سابقہ احسانات کے عوض ان سے اسی محبت شفقت اور رحمت کا سلوک روا رکھو، جیسا انہوں نے تمہارے ساتھ کیا تھا.

نیز فرمانِ باری ہے: ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ﴾ (اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے، اس کی ماں کمزوری پر کمزوری برداشت کرکے اُسے اپنے پیٹ میں ڈھوئی پھری، اور دوسال کے بعد اس نے دودھ پینا چھوڑا، ہم نے اسے حکم دیا کہ تو میرا شکر ادا کر، اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کر، سب کو میرے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے) [لقمان: ۱۴].

ماں باپ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کو والدین کے حقوق کو جاننے اور پہچاننے کی ترغیب دیں، اس طرح کہ وہ ان کے ساتھ نیک سلوک کریں اور ان کی اطاعت وخدمت کریں اور ان کے بڑھاپے کی رعایت کریں، ان کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کریں، ان کی وفات کے بعد ان کے حق میں دعائے مغفرت اور ان کی جانب سے صدقہ وخیرات کرتے رہیں. نیز یہ بھی ضروری ہے کہ رسولِ پاک ﷺ کے یہ ارشادات عالیہ اپنے بچوں کو ان کے بچپن ہی سے ذہن نشین کراتے رہیں تا کہ وہ اپنی آئندہ زندگی میں اس پر عمل پیرا ہوں.

❀ اللہ تعالیٰ کی رضامندی والدین کی رضامندی میں ہے:

عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضی الله عنهما، عن النبی ﷺ أنه قال: «رِضَى اللّٰهِ فِي رِضَى الْوَالِدَيْنِ وَسَخَطُ اللّٰهِ فِي سَخَطِ الْوَالِدَيْنِ» عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کی رضا والدین کی رضامندی میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والدین کی ناراضگی میں ہے'' (أخرجه الترمذي وصححه الحاكم وابن حبّان).

عن عبد الله بن عباس رضی الله عنهما قال: «مَا مِنْ مُسْلِمٍ لَهُ وَالِدَانِ مُسْلِمَانِ يُصْبِحُ لَهُمَا مُحْتَسِبًا إِلاّ فَتَحَ اللّٰهُ لَهُ بَابَيْنِ - يَعْنِي مِنَ الْجَنَّةِ - وَإِنْ كَانَ وَاحِدًا فَوَاحِدًا، وَإِنْ غَضِبَ أَحَدُهُمَا لَمْ يَرْضَ اللّٰهُ عَنْهُ حَتّٰى يَرْضٰى عَنْهُ، قِيلَ: وَإِنْ ظَلَمَاهُ؟ قَالَ: وَإِنْ ظَلَمَاهُ» عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: ''جس مسلمان کے مسلم والدین حیات ہیں وہ ان دونوں (کی خدمت کرکے) اللہ تعالیٰ سے اجر کا طلب گار ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنّت کے دو دروازے کھول دیتے ہیں، اگر ان میں سے ایک زندہ ہے تو ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے، اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک اس سے ناراض ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اس سے اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اس سے راضی نہ ہوجائے. آپ ﷺ سے پوچھا گیا: اگر والدین اس کے ساتھ ظلم بھی کریں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اگرچہ کہ وہ اس پر ظلم ہی کیوں نہ کریں'' (رواہ البخاری فی الأدب المفرد).

❀ والدین سے حُسنِ سلوک جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ افضل ہے:

عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى؟ قَالَ: «الصَّلَاةُ عَلٰى وَقْتِهَا» قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «بِرُّ الْوَالِدَيْنِ» قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «اَلْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ» عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ: میں نے رسولِ اکرم ﷺ سے پوچھا: اللہ تعالیٰ کو کونسا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''فرض نماز اس کے وقت پر پڑھنا'' میں نے پوچھا: پھر کونسا؟ فرمایا: ''والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک'' میں نے پوچھا: پھر کونسا؟ فرمایا: ''اللہ کے راستے میں جہاد'' (متفق علیہ).

عن عبد الله بن عمر رضی الله عنهما، قال: قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ: أُجَاهِدُ، قَالَ: «أَلَكَ أَبَوَانِ؟» قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ» عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا: میں جہاد کرنا چاہتا ہوں. آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: ''کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟'' اس نے کہا: ہاں. آپ ﷺ نے فرمایا: ''جاؤ! انہی کی خدمت میں حد درجہ کوشش کرو'' (رواہ البخاری).

وعن عبد الله بن عمرو بن العاص رضی الله عنهما، قال: أَقْبَلَ رَجُلٌ إِلٰى نَبِيِّ اللّٰهِ ﷺ

فقَالَ: أُبَايِعُکَ عَلَى الْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ أَبْتَغِي الأَجرَ مِنَ اللّٰهِ، فقَالَ: «هَلْ مِنْ وَالِدَيْکَ حَيٌّ ؟» قَالَ: بَلْ كِلَاهُمَا، قَالَ : «فَتَبْتَغِي الأَجرَ مِنَ اللّٰهِ؟» قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «فَارْجِعْ إِلٰى وَالِدَيْکَ فَأَحْسِنْ صُحْبَتَهُمَا» عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: میں اللہ تعالیٰ سے اجر کا طالب ہو کر آپ سے ہجرت اور جہاد پر بیعت کرنا چاہتا ہوں. آپ ﷺ نے اس شخص سے پوچھا: ''کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟'' اس نے کہا: ہاں دونوں حیات ہیں. آپ ﷺ نے اس شخص سے پوچھا: ''کیا تم واقعی اللہ تعالیٰ سے اجر کے طالب ہو؟'' اس نے کہا: ہاں. آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم لوٹ جاؤ اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو'' (رواہ مسلم).

ماں کا حق:

دو وجوہات کی بنا پر ماں کا حق باپ سے کہیں زیادہ ہوتا ہے:

۱- اس لئے کہ ماں اپنے بچے کے لئے حمل اور ولادت کے مشکل ترین لمحات سے گذرتی ہے، جس میں اس کی جان کو بھی خطرہ لاحق ہو جاتا ہے، بسا اوقات عورت کی جان بھی اس میں چلی جاتی ہے. اس کے بعد رضاعت کا مرحلہ پیش آتا ہے جس میں ماں اپنے جسم کے خون کو میٹھے دودھ کی شکل میں اپنے بچے کے حلق میں اتارتی ہے اور اس کی تربیت اور پرورش میں باپ سے کہیں زیادہ حصّہ لیتی ہے. جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ۖ إِلَيَّ الْمَصِيرُ﴾ (اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے، اس کی ماں کمزوری پر کمزوری برداشت کر کے اُسے اپنے پیٹ میں ڈھوئی پھری، اور دو سال کے بعد اس نے دودھ پینا چھوڑا، ہم نے اسے حکم دیا کہ تو میرا شکر ادا کر، اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کر، سب کو میرے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے).

[لقمان: ۱۴].

۲- اللہ رب العزّت نے ماں میں فطری طور پر اولاد کے لئے زیادہ محبت و شفقت، نرم دلی اور مہربانی رکھا ہے، جب کہ باپ میں فطری طور پر سختی اور تندی. اولاد باپ سے ڈرتی ہے اور ماں سے کچھ زیادہ ہی شوخ و بے باک رہتی ہے، کبھی یہ شوخی گستاخی کی حدود کو بھی چھونے لگتی ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مکرم محمد ﷺ نے ماں کے حق کو خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا تا کہ انسان ماں کے احترام کے معاملے میں کوتاہی اور

پہلوتہی نہ کرے.

۳ -عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ قال: جاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ ! مَنْ أَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِي؟ قَالَ: «أُمُّکَ، قَالَ: ثُمَّ مَنْ ؟ قَالَ: أُمُّکَ، قَالَ : ثُمَّ مَنْ ؟ قَالَ: أُمُّکَ، قَالَ: ثُمَّ مَنْ ؟ قَالَ: أَبَاکَ» ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کونسی ہستی میرے حُسنِ سلوک کی سب سے زیادہ مستحق ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہاری ماں، اس شخص نے پوچھا: پھر کون؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہاری ماں، اس شخص نے پوچھا: پھر کون؟ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہاری ماں، اس شخص نے پوچھا: پھر کون؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہارا باپ'' (البخاری).

۲- عن بريدة رضی اللہ عنہ أَنَّ رَجُلاً كَانَ حَامِلاً فِي الطَّوَافِ أُمَّهُ يَطُوفُ بِهَا، فَسَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ هَلْ أَدَّيْتُ حَقَّهَا؟ قَالَ: «لَا، وَلَا بِزَفْرَةٍ وَاحِدَةٍ» بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک شخص اپنی ماں کو اپنی پیٹھ پر لاد کر طواف کر رہا تھا، اس نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا اس طرح میں نے اپنی ماں کا حق ادا کر دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، اس ہلکی سی چیخ کا بھی نہیں جو تمہیں جنم دیتے ہوئے تمہارے ماں کے منہ سے نکلی''.

(رواہ ابن کثیر فی تفسیرہ).

۳ - عن بريدة رضی اللہ عنہ أَنَّ رَجُلاً جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يارسول الله! إِنِّي حَمَلْتُ أُمِّي فَرْسَخَيْنِ فِي رَمْضَاءَ شَدِيْدَةٍ لَوْ أُلْقِيتُ فِيهَا بُضْعَةُ لَحْمٍ لَنَضِجَتْ، فَهَلْ أَدَّيْتُ شُكْرَهَا؟ فَقَالَ: لَعَلَّهُ أَنْ يَكُوْنَ لِطَلْقَةٍ وَاحِدَةٍ» بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں: ایک شخص رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: یا رسول اللہ! میں نے اپنی ماں کو ایسی سخت دھوپ اور گرمی میں جس میں اگر گوشت بھی ڈالا جاتا تو پک جاتا، اپنی گردن پر سوار کرا کے دو فرسخ لایا ہوں، کیا اس طرح میں نے اپنی ماں کے احسان کا بدلہ ادا کر دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: شاید یہ اس کی دردِ زہ کی ایک ٹیس کا بدلہ ہو'' (مجمع الزوائد).

4- عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما نے ایک بدو شخص کو دیکھا جو اپنی ماں کو ڈھوئے ہوئے خانہ کعبہ کا طواف کرتا ہوا یہ اشعار پڑھ رہا تھا:

إِنِّي لَهَا مَطِيَّةٌ لَا أُذْعَرُ   إِذَا الرِّكَابُ نَفِرَتْ لَا أَنْفِرُ

مَاحَمَلَتْ وَأَرْضَعَتْنِي أَكْثَرُ   اَللّٰهُ رَبِّي ذُو الْجَلَالِ أَكْبَرُ

"میں اپنی ماں کے لئے ایسی سواری ہوں جو کبھی بدکتی نہیں، جب سواریاں بدکتی ہیں لیکن میں نہیں بدکتا. (یہ اس لئے کہ) اس نے مجھے زیادہ مدت ڈھویا اور دودھ پلایا ہے. اللہ میرا رب ہے اور وہ صاحبِ جلال اور سب سے بڑا ہے".

پھر اس نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہو کر کہا: آپ کا کیا خیال ہے، کیا میں نے اپنی ماں کا حق ادا کر دیا؟ آپ نے فرمایا: "نہیں! اللہ کی قسم! اس کی دردزہ کی ایک ٹیس کا بھی نہیں".

ماں کی دعا:

ماں کی دعا اولاد کے تابناک مستقبل کے لئے بڑی کارآمد ہے، ہزاروں ایسی خوش نصیب ہستیاں ہیں جنہیں ماں کی دعا نے بڑا فائدہ پہنچایا، انہیں میں امیر المؤمنین فی الحدیث امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، بچپن میں آپ کی آنکھوں کی بینائی ختم ہو چکی تھی، اطباء سے علاج کے باوجود تمام حکیموں نے جواب دے دیا تھا کہ اس لڑکے کی بصارت کبھی واپس نہیں آسکتی، آپ کی والدہ ماجدہ تہجد گذار اور شب بیدار خاتون تھیں، ہر نماز میں نہایت ہی خشوع وخضوع اور آہ وزاری کے ساتھ اپنے بچے کے لئے اللہ تعالیٰ سے بینائی کی طلب گار تھیں، ایک رات تہجد سے فارغ ہو کر اپنے بیٹے کی بصارت کے لئے اللہ تعالیٰ سے رو رو کر دعا مانگیں اور پھر تھوڑی دیر کے لئے اسی جگہ پر لیٹ گئیں، خواب میں دیکھتی ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا: "اے امّ محمد! اللہ تعالیٰ نے تیری کثرت دعا اور آہ وزاری کے سبب تیرے بچے کو آنکھیں عطا فرما دیا ہے" (مقدمہ فتح الباری) جب اٹھ کر دیکھتی ہیں تو واقعی بیٹے کی بصارت لوٹ آئی تھی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کی آنکھوں میں اس قدر روشنی عطا فرمائی کہ چاندنی راتوں میں لکھتے اور پڑھتے تھے، حتیٰ کہ چاندنی راتوں میں ہی آپ نے اپنی کتاب "التاریخ الکبیر" کا مسودہ تحریر فرمایا. (سیرۃ الامام البخاری رحمہ اللہ: ۴۵، ازمولانا عبدالسلام مبارکپوری والدِ گرامی قدر شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ محدث مبارکپوری).

ماں کی بددعا:

بددعا چند الفاظ سے بنا ایک معمولی لفظ ہے، جو زبان سے بڑی آسانی کے ساتھ ادا ہو جاتا ہے، لیکن اس کے اثرات انتہائی دوررس ہوتے ہیں، اس کے اثر سے آبادیاں ویرانے، دولت وثروت کے جھولوں میں

جھولتے ہوئے خاندان فقیر ومحتاج، تندرست وتوانا جسم بیماریوں کا شکار ہو کر ہڈیوں کا پنجر بن جاتے ہیں، اسی لئے رسول اکرم ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: «اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ» "مظلوم کی بددعا سے بچو کیونکہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے" (متفق علیہ).

اولاد کے لئے ضروری ہے کہ ہر ایک کی بددعا سے بچیں بالخصوص والدین اور اساتذہ کی. کیونکہ ان کی بددعا ان کے مستقبل کا بیڑہ غرق کر دے گی، والدین کی بددعا اور اس کے اثرات کے متعلق احادیث میں کئی واقعات ذکر کئے گئے ہیں جن میں ایک بنو اسرائیل کے ایک مشہور عابد وزاہد جریج رحمہ اللہ کا واقعہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مروی ہے:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "صرف تین گود کے بچوں نے بات کیا (جب کہ عموماً اس عمر میں بچے بات نہیں کرتے) ایک: عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام). دوسرا: جریج والا لڑکا. اور جریج ایک عابد وزاہد آدمی تھا، اس نے اپنے لئے ایک حجرہ بنا لیا اور اسی میں مصروفِ عبادت رہا کرتا تھا. ایک دن اس کی والدہ اس کے پاس اس وقت آئی جب کہ وہ نماز پڑھ رہا تھا، اس نے اسے، اے جریج: کہہ کر آواز دی. اس نے (اپنے دل میں) کہا: اے میرے رب! ایک طرف ماں ہے اور دوسری طرف نماز (کس کا خیال کروں) پھر وہ نماز میں مشغول رہا اور وہ واپس لوٹ گئی. دوسرے دن پھر اس کے پاس آئی اور وہ نماز پڑھ رہا تھا، اس نے کہا: اے جریج! اس نے کہا: یارب! میری ماں اور میری نماز، پھر نماز میں مشغول ہو گیا، ماں واپس چلی گئی. تیسرے دن وہ پھر اس کے پاس آئی اور اسے، اے جریج! کہہ کر آواز دی اور وہ نماز پڑھ رہا تھا، اس نے (دل میں) کہا: یارب! میری والدہ مجھے صدا دے رہی ہے اور میں حالتِ نماز میں ہوں (کیا کروں؟) اس نے اپنی نماز کو جاری رکھا. اس کی والدہ نے اسے ان الفاظ میں بددعا دی: «اَللّٰهُمَّ لَا تُمِتْهُ حَتّٰى يَنْظُرَ إِلٰى وُجُوْهِ الْمُوْمِسَاتِ» "یا اللہ! اسے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک کہ یہ بدکار عورتوں کے چہرے نہ دیکھ لے".

پھر بنو اسرائیل میں جریج اور اس کے زہد وتقویٰ کی شہرت عام ہو گئی، اس دوران ایک بدکار عورت نے، جس کا حُسن مشہور تھا، کہا: اگر تم چاہو تو میں جریج کو فتنہ میں ڈال سکتی ہوں. چنانچہ وہ جریج کے سامنے بن

سنور کر آئی، لیکن جریج نے اس پر کوئی توجہ نہ دی، پھر وہ ایک چرواہے کے پاس آئی جو جریج کے عبادت گاہ کے آس پاس ہی رہا کرتا تھا اور اس کے ساتھ بدکاری کر کے حاملہ ہوگئی، جب اسے لڑکا پیدا ہوا تو اس نے مشہور کردیا کہ یہ جریج کا لڑکا ہے۔

جب لوگوں نے یہ سنا تو وہ جریج کے پاس آئے، اسے حجرے سے باہر کھینچ کر لائے اور صومعے کو گرادیا اور بری طرح پیٹنے لگے۔ جریج نے کہا: تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ (ایسا کیوں کررہے ہو؟) لوگوں نے کہا کہ تم نے فلاں بدکار عورت کے ساتھ برائی کی ہے اور اس کے نتیجے میں تجھ سے اسے لڑکا ہوا ہے۔ اس نے کہا: ''وہ بچہ کہاں ہے؟ جب بچہ لایا گیا تو اس نے لوگوں سے کہا اگر تم اجازت دو تو میں نماز پڑھوں؟ اس نے نماز پڑھنے کے بعد اس بچے کے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: اے لڑکے! بتا تیرا باپ کون ہے؟ اس بچے نے جواب دیا: ''فلاں چرواہا ہے''۔ یہ سنتے ہی لوگ جریج کو چومنے اور (حصول برکت کے لئے) اسے چھوتے ہوئے درخواست کرنے لگے: اگر آپ پسند کریں تو ہم آپ کے حُجرے کو سونے کا بنادیں؟ اس نے کہا: ''نہیں! پہلے جیسے مٹی کا تھا اسی طرح کا بنادو'' (متفق علیہ)۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر اولاد بے گناہ بھی ہو تو والدین کی بددعا انہیں نقصان پہنچا سکتی ہے، ساتھ ہی یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ مقاصد مختلف ہونے کی وجہ سے حالات بھی مختلف ہوتے ہیں، والدین کے لئے بھی ضروری ہے کہ اولاد سے کوئی گستاخی ہوجائے تو ان کے ساتھ شفقت سے پیش آئیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سچے انسان کو فتنے کبھی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور مصائب کے پیش آنے پر نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

باپ کا ادب واحترام:

باپ کا ادب واحترام بھی بے حد لازمی اور ضروری ہے، اس لئے کہ باپ نے اپنی اولاد کے لئے ہر قسم کے دکھ درد برداشت کئے خود بھوکا رہ کر اپنی اولاد کو کھلایا، خود مصیبتیں برداشت کرکے اپنی اولاد کو راحت پہنچائی، اور خود بے علم رہ گیا لیکن اپنی اولاد کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا، اسی لئے سرور کائنات جناب محمد ﷺ نے والد کے حقوق کو بیان فرماتے ہوئے انہیں جنّت کا دروازہ قرار دیا:

۱ – عن أبي الدرداء رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: «الْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ

الْجَنَّةِ، فَإِنْ شِئْتَ فَأَضِعْ ذٰلِكَ الْبَابَ، أَوِ احْفَظْهُ». ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''والد جنت کے دروازوں میں سے درمیانی دروازہ ہے، چاہے تم اس دروازے کی حفاظت کرو یا اسے ضائع کردو'' (ترمذی: حسن صحیح)۔

۲ – «رِضَا الرَّبِّ فِي رِضَا الْوَالِدِ وَسَخَطُهُ فِي سَخَطِ الْوَالِدِ» ''اللہ کی رضا والد کی رضامندی میں ہے اور اس کی ناراضی والد کی ناراضگی میں ہے'' (ترمذی)۔

نیز فرمایا کہ والد کی دعا اولاد کے حق میں اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرماتے ہیں:

۳ – عن أبي هريرة رضي الله عنه قال، قال رسول الله ﷺ: «ثَلَاثُ دَعْوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَا شَكَّ فِيهِنَّ: دَعْوَةُ الْوَالِدِ وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ» ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تین دعائیں ایسی ہیں جن کی قبولیت میں کوئی شک ہی نہیں: ۱. والد کی دعا (اولاد کے حق میں) ۲. مسافر کی دعا ۳. مظلوم کی بددعا'' (رواہ الترمذی وأبوداود وابن ماجہ)۔

۴ – عن عائشة رضي الله عنها قالت: أَتَى رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ رَجُلٌ وَمَعَهُ شَيْخٌ، فَقَالَ لَهُ: «يَا هٰذَا! مَنْ هٰذَا الَّذِي مَعَكَ؟ قَالَ أَبِي، قَالَ: فَلَا تَمْشِ أَمَامَهُ، وَلَا تَجْلِسْ قَبْلَهُ، وَلَا تَدْعُهُ بِاسْمِهِ، وَلَا تَسُبَّ لَهُ» عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں: ایک شخص رسولِ اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا، اس کے ساتھ ایک بوڑھا شخص تھا، آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: ''اے فلاں! یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ اس نے کہا: یہ میرے والد ہیں. آپ ﷺ نے فرمایا: ان سے آگے نہ چلا کرو، ان سے پہلے نہ بیٹھا کرو، انہیں نام لے کر نہ بلاؤ اور انہیں لعن طعن نہ کیا کرو'' (مجمع الزوائد ج ۸/:۸).

اسلاف کا اپنے آباء کے ساتھ حُسن سلوک:

۱ – عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما قال: «كَانَ تَحْتِي امْرَأَةٌ أُحِبُّهَا، وَكَانَ عُمَرُ يَكْرَهُهَا، فَقَالَ لِي: طَلِّقْهَا، فَأَبَيْتُ، فَأَتَى عُمَرُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ، فَقَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: طَلِّقْهَا». عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''میری زوجیت میں ایک عورت تھی جس سے میں بے حد پیار کرتا تھا، میرے باپ عمر رضی اللہ عنہ اس سے نفرت کرتے تھے، انہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں اس عورت کو طلاق دیدوں، لیکن میں نے انکار کردیا، انہوں نے اس بات کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ سے کیا، تو

آپ ﷺ نے بھی مجھے اس عورت کو طلاق دینے کا مشورہ دیا'' (ابن ماجہ وابن حبّان).

۲ – عن أبی الدرداء رضی اللہ عنہ أَنَّ رَجُلًا أَتَاهُ فَقَالَ: إِنَّ أَبِی لَمْ یَزَلْ بِی حَتّٰی زَوَّجَنِی، وَإِنَّهُ الْآنَ یَأْمُرُنِی بِطَلَاقِهَا؟ فَقَالَ: مَا أَنَا الَّذِی آمُرُکَ أَنْ تَعُقَّ وَالِدَیکَ، وَلَا أَنْ آمُرَکَ أَنْ تُطَلِّقَ إِمْرَأَتَکَ، غَیْرَ أَنَّکَ إِنْ شِئْتَ حَدَّثْتُکَ بِمَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ سَمِعْتُهُ یَقُوْلُ: «اَلْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ، فَحَافِظْ عَلٰی ذٰلِکَ الْبَابِ إِنْ شِئْتَ أَوْ دَعْ» ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص ان کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا: میرے والد نے زبردستی ایک عورت سے میری شادی کرادی اور اب وہ مجھ سے زبردستی اس کو طلاق دینے کا اصرار کررہے ہیں. آپ نے فرمایا: میں نہ تو تجھے اپنے والدین کی نافرمانی کا مشورہ دوں گا اور نہ ہی اپنی بیوی کو طلاق دینے کا، اگر تو پسند کرے تو تجھے ایک ایسی بات سناؤں جسے میں نے رسولِ اقدس ﷺ سے سنا ہے، وہ یہ کہ: ''والد جنت کے دروازوں میں سے درمیانی دروازہ ہے، چاہے تو اس دروازے کی حفاظت کر یا اسے چھوڑ'' (رواہ ابن حبّان فی صحیحہ).

۳- عمرو بن زید بن نفیل رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا: آپ کے ساتھ آپ کے صاحب زادے کا سلوک کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا: جب بھی میں دن میں چلتا ہوں تو وہ میرے پیچھے ہوتا ہے، اور جب رات میں چلتا ہوں تو میرے آگے ہوتا ہے، جب کسی چھت پر چڑھنے کی نوبت آتی ہے تو میں اس سے نیچے رہتا ہوں (اور وہ میرے آگے رہتا ہے) (عیون الأخبار).

۴ -مشہور عبّاسی خلیفہ مامون الرشید کا کہنا ہے کہ: ''میں نے فضل بن یحیٰ برمکی (۱) سے زیادہ اپنے باپ کی خدمت کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا، یحیٰ برمکی سرد راتوں میں گرم پانی سے وضو کرتا تھا، جس وقت اس خاندان پر ہارون رشید کا عتاب نازل ہوا اور سارے خاندان کو حوالۂ زنداں کیا گیا، تو ان دونوں باپ بیٹوں کو بھی ایک کال کوٹھڑی میں بند کردیا گیا، داروغۂ زندان نے قید خانے میں پانی گرم کرنے کے لئے لکڑیوں کا داخلہ ممنوع کردیا، فضل، جس وقت اس کا باپ بستر پر دراز ہوجاتا تو لوٹے میں پانی ڈال کر چراغ کے قریب ہوجاتا اور صبح ہونے تک اپنے ہاتھوں سے اسے تھامے ہوئے کھڑا رہتا، جس وقت اس کا باپ تہجد کے لئے اٹھتا تو اسے گرم پانی پیش کرتا'' (عیون الأخبار).

(۱) برامکہ، عباسی دورِ خلافت کا مشہور خاندان ہے، جو اپنے علم وفضل، حکمت ودانائی، جود وسخا اور اسراف وفضول خرچی میں شہرت کے بامِ عروج پر پہنچ کر تباہی وگمنامی کے عمیق غار میں گر کر داستانِ پارینہ بن گیا.

۵ – ایک مرتبہ صالح العبّاسی مشہور عبّاسی خلیفہ ابوجعفر منصور کی خدمت میں حاضر ہوا، دورانِ گفتگو جب بھی اپنے باپ کا تذکرہ کرتا تو کہتا: «أبی رحمه الله» (میرے والد! اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے) یہ تکرار سن کر خلیفہ کے محافظ ربیع نے کہا: بس کرو! امیر المؤمنین کے سامنے اپنے باپ پر بار بار رحمت کی دعا نہ کیا کرو. یہ سن کر صالح نے اس پر ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی اور کہا: مجھے تمہاری اس بات سے تم پر کوئی افسوس نہیں، اس لئے کہ شفقتِ پدری کی مٹھاس کو کبھی تم نے پایا ہی نہیں (۱). یہ سن کر منصور مسکرایا اور کہا: جو ہاشمیوں سے زبان لڑاتا ہے اس کا بدلہ یہی ہے.

٦ – ابوغسّان الضّبّی کہتے ہیں: میں میرے باپ کے ساتھ مقام ظہر الحرّۃ میں جارہا تھا تو مجھے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مل گئے، اور مجھ سے پوچھا: یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ میں نے کہا: میرے والدِ گرامی قدر. فرمایا: اپنے باپ کے آگے نہ چلا کرو، بلکہ ان کے پیچھے یا تھوڑا سا ہٹ کر ان کے جانب سے چلا کرو، اپنے اور ان کے درمیان کسی دوسرے کو حائل نہ ہونے دو، اپنے باپ کے گھر کی چھت پر نہ چڑھا کرو (کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے چھت پر چلنے کی آواز سے انہیں تکلیف ہو) کوئی ایسی ہڈی جس پر تمہارے والد نے نظر ڈالی ہو نہ کھاؤ، شاید کہ وہ ان کو پسند آگئی ہو.

والدین سے حُسنِ سلوک ان کی وفات کے بعد:

اولاد کے ساتھ والدین کا جسمانی تعلق تو ان کی وفات کے ساتھ ہی ختم ہوجاتا ہے لیکن روحانی تعلق کبھی ختم نہیں ہوتا بلکہ وہ ان کے مرحوم ہوجانے کے بعد بھی نہ صرف باقی رہتا ہے بلکہ اولاد کی نیکیوں اور ان کی جانب سے کی ہوئی صدقہ وخیرات، حج وعمرے، قربانی اور دعاؤں کا ثواب مسلسل پہنچتا ہی رہتا ہے، اولاد کی کی ہوئی ان نیکیوں سے وہ وفات کے بعد بھی محظوظ ہوتے رہتے ہیں، ان کے درجات بلند ہوتے رہتے ہیں. جیسا کہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

۱ – عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ قالَ: «تُرْفَعُ لِلْمَیِّتِ بَعْدَ مَوْتِهِ دَرْجَتَهُ فَیَقُوْلُ: أَیْ رَبِّیْ أَیُّ شَیْءٍ هٰذَا؟ فَیُقَالُ لَهُ: وَلَدُکَ إِسْتَغْفَرَ لَکَ» ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میّت کی وفات کے بعد اس کے درجات

(۱) اس لئے کہ ربیع کی والدہ نے اس کی پیدائش کے بعد اسے مسجد کی سیڑھیوں پر چھوڑ دیا تھا، جس کی وجہ سے اسے پتہ ہی نہیں چل سکا کہ اس کے ماں باپ کون ہیں.

کو بلند کیا جاتا ہے، تو میّت سوال کرتا ہے: اے میرے رب! یہ (درجات کی بلندی) کس وجہ سے ہے؟ اس سے کہا جاتا ہے: یہ تیرے لڑکے کی تیرے حق میں دعائے مغفرت کا نتیجہ ہے (رواہ البخاری فی الأدب المفرد).

٢– عن أبی هريرة ﷺ قال قال رسول الله ﷺ: «إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ إِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلاّ مِنْ ثَلَاثٍ، صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهُ» ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب انسان وفات پا جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، مگر تین ذریعے ایسے ہیں کہ انتقال کے بعد بھی اسے برابر ثواب ملتا رہتا ہے: ١. اپنے پیچھے کوئی ہمیشہ جاری رہنے والا صدقہ چھوڑ گیا ہو ٢. کوئی ایسا علم چھوڑا ہو جس سے بندگانِ الٰہی مستفید ہو رہے ہوں. ٣. یا ایسا نیک لڑکا چھوڑا ہو جو ہمیشہ اس کے حق میں دعائے خیر کرتا رہتا ہو''. (رواہ مسلم وابوداوٗد والنسائی).

٣ – عن مالک بن ربيعة ﷺ قال: «بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ مِّنْ بَنِىْ سَلَمَةَ، فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! هَلْ بَقِىَ عَلَىَّ مِنْ بِرِّ أَبَوَىَّ شَىْءٌ أَبَرُّهُمَا بِهِ بَعْدَ وَفَاتِهِمَا؟ قَالَ: نَعَم، اَلصَّلَاةُ عَلَيْهِمَا، وَالإِسْتِغْفَارُ لَهُمَا، وَإِنْفَاذُ عَهْدِهِمَا، وَإِكْرَامُ صَدِيْقِهِمَا، وَصِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِىْ لَا تُوْصَلُ إِلاّ بِهِمَا» مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ہم رسول اللہ ﷺ کی مجلسِ مبارک میں بیٹھے ہوئے تھے کہ قبیلہ بنوسلمہ کا ایک شخص آپ ﷺ کے پاس آیا اور سوال کیا: یارسول اللہ! کیا میرے والدین کی وفات کے بعد بھی کوئی نیک سلوک باقی ہے جو میں ان کے ساتھ کرتا رہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! تم ان کے لئے دعا کرو، طلبِ مغفرت کیا کرو، ان کے عہد واقرار کو پورا کرو، ان کے دوستوں کی عزّت وتکریم کرو، اور وہ صلہ رحمی کرو جو صرف ان کے تعلق کی بنا پر ہو'' (ابوداوٗد، ابن ماجہ، حاکم).

٤ –عبداللہ بن دینار کہتے ہیں: ''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مکّہ مکرمہ کے راستے میں ایک شخص سے ملاقات ہوگئی، آپ نے اس کو سلام کیا، جس گدھے پر آپ سوار تھے اس شخص کو سوار کرایا اور اپنے سر پر باندھا ہوا عمامہ اس کو عطا کیا، ہم نے آپ سے کہا: اللہ آپ کو مزید نیک بنائے! یہ بدّو لوگ ہیں تھوڑی سی چیز پر خوش ہو جاتے ہیں. آپ نے فرمایا: اس شخص کا باپ میرے والد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتا تھا اور میں نے رسولِ مقبول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: سب سے بہترین نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے چاہنے والوں کو ملائے رکھے'' (مسلم).

٥ – اولاد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے والدین، آباء واجداد اور مرحومین کے لئے برابر ایصالِ ثواب کرتے رہیں، عام مسلمانوں نے ایصال ثواب کے نام پر بدعات وخرافات کی بھرمار کر رکھی ہے، دسواں، بیسواں، چہلم، برسی، تیجہ، قُل، اور اس جیسی بے شمار رسومات کا بازار گرم کیا ہے، بلکہ ایصالِ ثواب کا مسنون طریقہ وہی ہے جو سرورِ کائنات جناب محمد ﷺ نے اپنے اسوہ سے ہمیں تعلیم دی ہے، اور وہ یہ کہ مرحومین کے نام پر صدقہ وخیرات کیا جائے، صدقۂ جاریہ، مثلاً: مسجد، مدرسہ بنایا جائے، کنواں کھدوایا جائے اور ٹیوب ویل یا سبیل لگائی جائے.

٦– عن إبن عبّاس رضى الله عنهما أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! «إِنَّ أُمِّىْ تُوُفِّيَتْ وَلَمْ تُوْصِ، أَفَيَنْفَعُهَا أَنْ أَتَصَدَّقُ عَنْهَا؟ قَالَ: نَعَمْ» عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسولِ اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں آ کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میری والدہ وفات پا گئیں، اور انہوں نے اپنی جانب سے (صدقہ وخیرات کرنے کی) کوئی وصیت نہیں کی، اگر میں ان کی جانب سے صدقہ کر دوں تو کیا انہیں اس کا فائدہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں ہوگا.

(الأدب المفرد : باب : برّ الوالدين بعد موتهما).

٧ – یا کنواں کھدوایا جائے، یا پانی کی سبیل لگائی جائے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: «أَفْضَلُ الصَّدْقَةِ سَقْىُ الْمَاءِ» ''سب سے بہترین صدقہ پانی پلانا ہے'' (نسائی). سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! میری والدہ وفات پا گئیں، ان کی جانب سے کون سا صدقہ افضل ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: پانی پلانا. پھر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ایک کنواں کھدوایا اور اسے وقف کر دیا''.

(مؤطا امام مالک، ابوداوٗد، نسائی)

٨ – ان کی جانب سے حج اور عمرہ کیا جائے: وعن إبن عبّاس رضی اللہ عنہما أَنَّ إِمْرَأَةً مِّنْ خَثْعَمَ قَالَتْ: «يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ فَرِيْضَةَ اللّٰهِ عَلٰى عِبَادِهِ فِى الْحَجِّ، أَدْرَكْتُ أَبِىْ شَيْخًا كَبِيْرًا لَا يَثْبُتُ عَلَى الرَّاحِلَةِ، أَفَأَحُجُّ عَنْهُ؟ قَالَ: نَعَمْ، وَذٰلِكَ فِىْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ» عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ تعالیٰ کا جو فریضہ حج کے متعلق اس کے بندوں پر ہے، وہ تو ہے، لیکن میرے والد بے حد بوڑھے ہیں، سواری پر نہیں بیٹھ سکتے، کیا میں ان کی

جانب سے حج کرسکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اور یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے'' (متفق علیہ).

والدین کے حق میں اولاد کی دعائیں:

اولاد اپنے والدین کے لئے ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں، والدین سے متعلق کچھ قرآنی دعائیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱- ﴿رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾ (اے میرے رب! جس طرح ان دونوں نے بچپن میں میری پرورش و پرداخت کی تھی تو ان پر رحم فرمادے)[بنی اسرائیل: ۲۴].

۲- ﴿رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۞ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾ (اے میرے رب! مجھے اور میری اولاد کو نماز کا پابند بنادے، اے ہمارے رب اور میری دعا کو قبول فرمالے، اے ہمارے رب! تو مجھے اور میرے والدین کو اور مومنوں کو اس دن معاف کردے جب حساب ہوگا)[ابراہیم: ۴۰-۴۱].

۳- ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا﴾ (میرے رب! تو مجھے معاف کردے اور میرے ماں باپ کو بھی، اور ان مردوں اور عورتوں کو بھی جو میرے گھر میں داخل ہو اور ظالموں کے لئے صرف تباہی و بربادی میں اضافہ کر) [نوح: ۲۸].

۴- ﴿رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ (میرے رب! مجھے توفیق دے کہ تیری ان نعمتوں کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھے اور میرے پاپ ماں کو دی ہیں، اور ایسا نیک کام کروں جسے تو پسند کرتا ہے، اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں شامل کردے)[النمل: ۱۹].

اولاد اپنے باپ سے کس طرح مخاطب ہو؟

باپ اپنے بیٹوں کو جس طرح انتہائی محبت و شفقت سے «يٰبُنَيَّ» کہتا ہے تو اولاد کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے والد کو انتہائی ادب و احترام کے ساتھ ان الفاظ سے مخاطب ہوں جو باپ کی عظمت کے شایانِ شان ہوں، قرآن مجید نے اس لفظ کی بھی نشان دہی کردی ہے جس سے اللہ کے نیک بندوں نے اپنے والد کو مخاطب کیا، اور وہ لفظ ہے: «يٰٓاَبَتِ». ابراہیم، اسماعیل، یوسف علیہم السلام نے اپنے والد کو اسی لفظ سے خطاب کیا،

ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ارشادِ قرآنی ہے: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ڛ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۞ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـــًٔا ۞ يٰٓاَبَتِ اِنِّىْ قَدْ جَاۗءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۞ يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۞ يٰٓاَبَتِ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا﴾ (اور آپ قرآن میں ابراہیم کو یاد کیجئے، وہ بے شک سچے کردار کے اور نبی تھے جب انہوں اپنے باپ سے کہا: اے ابا! آپ ایسے کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے اور نہ آپ کے کسی کام آسکتا ہے. اے ابا! میرے پاس وہ علم ہے جو آپ کے پاس نہیں ہے، اس لئے آپ میری پیروی کیجئے، تاکہ میں سیدھی راہ کی طرف آپ کی رہنمائی کروں، اے ابا! آپ شیطان کی عبادت نہ کیجئے، بے شیطان رحمٰن کا بڑا نافرمان رہا ہے. اے ابا! مجھے ڈر ہے کہ رحمٰن کی طرف سے کوئی عذاب نہ آپ کو آلے، پھر آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں گے).

[مریم: ۴۱-۴۵].

باپ کو خطاب کرنے اور انہیں حق کی دعوت دینے کا اس سے بھی پیارا اسلوب اور کیا ہوسکتا ہے؟ لیکن باپ آذر کی بدنصیبی تھی کہ اس نے اپنے لختِ جگر کی باتوں پر دھیان نہیں دیا بلکہ الٹا دھمکی دی اور جواب میں ''بیٹا،، کے لفظ سے خطاب کرنے کے بجائے کسی اجنبی آدمی کی طرح لفظ ''ابراہیم،، سے خطاب کیا، قرآن مجید کے واقعات میں یہ واحد باپ ہے جس نے اپنے بیٹے کو ''بیٹا،، کہنا گوارہ نہیں کیا بلکہ کہا: ﴿قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا﴾ (ان کے باپ نے کہا: اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے منہ پھیر رہے ہو اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کردوں گا، اور تم مجھ سے ایک طویل مدت کے لئے دور ہوجاؤ گے)[مریم: ۴۶].

اسی طرح نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان وہ بدنصیب بیٹا ہے جس نے اپنے باپ کو باپ کہنا پسند نہیں کیا بلکہ باپ کی شفقت آمیز صدا: ﴿يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (اے میرے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہوجا کافروں کے ساتھ نہ رہ جاؤ)[ہود: ۴۲] کے جواب میں کہا تھا: ﴿قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰي جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَاۗءِ ۭ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ﴾ (اس نے کہا: میں کسی پہاڑ پر پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچالے گا، نوح نے کہا: آج اللہ کے عذاب سے

کوئی بچانے والا نہیں ہے، سوائے اس ذاتِ پاک کے جو رحم کرنے والا ہے، اور دونوں کے درمیان موج حائل ہوگئی، پس وہ ان لوگوں میں جا ملا جنہیں ڈبو دیا گیا) [ھود: ۴۳].

اسماعیل علیہ السلام نے بھی اپنے والدِ گرامی قدر ابراہیم علیہ السلام کو «یَآبَتِ» کے لفظ سے خطاب کیا جب ان کے والدِ محترم نے ذبح ہونے کے متعلق ان کی رائے جاننی چاہی تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ﴿قَالَ یَآبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ﴾ (کہا: ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا اسے کر گذریئے، اللہ نے چاہا تو آپ مجھے ضرور صبر کرنے والا پائیں گے) [الصافات: ۱۰۲].

اسی طرح یوسف علیہ السلام نے بھی جب اپنے باپ یعقوب علیہ السلام کو مخاطب کیا تو یہی لفظ «یَآبَتِ» سے کیا. ارشاد قرآنی ہے: ﴿اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰٓاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ﴾ (جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا: اے ابا! میں نے گیارہ ستاروں اور آفتاب و ماہتاب کو اپنا سجدہ کرتے دیکھا ہے) [یوسف: ۴].

ان آیات سے معلوم ہوا کہ والد کو خطاب کرنے کے لئے پیارا سے پیارا جو لفظ ہے وہ قرآن کے بیان کے مطابق «یَآبَتِ» ابا جان ہے.

لیکن افسوس! آج کل کے فیشن زدہ مسلمانوں نے اس فطری سادگی سے منہ موڑتے ہوئے مغرب کے بے روح اور تکلفات سے بھرے ہوئے الفاظ سے اپنے باپوں کو مخاطب کرنا شروع کیا؛ پہلے ''ڈیڈی، پاپا،، کہنے لگے پھر اس کا مخفف ''پا'' بنا ڈالا، اور وہ ''ابا جان'' ''ابو جی'' ''بابا'' اور ''ابا حضور'' جیسے تعظیم و تکریم اور محبت و شفقت سے بھرپور، اور ہماری تہذیبی ورثہ سے مالا مال الفاظ کو دورِ تنزلی اور پسماندگی کے الفاظ سمجھنے لگے، ہم اس روشنی طبع کو مسلمان معاشرہ کے لئے بلا تصور کرتے ہیں اور اکبر الہ آبادی کی زبان میں:

ہم ان تمام کتابوں کو قابلِ ضبطی سمجھتے ہیں
جنہیں پڑھ کر بچے اپنے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

ہم تمام امتِ اسلامیہ کو چاہے وہ والدین ہوں یا اولاد، دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو اس بے روح تہذیب، بے رونق الفاظ کے خول سے باہر نکالیں، اسلامی اقدار کو اور اس کے قابلِ فخر ورثہ کو زندہ کرنے کی کوشش کریں، جس پر چل کر ہمارے اسلاف نے دنیا کو تہذیب و تمدن کے جوہر عطا کئے، خود فلاح و کامیابی

سے ہمکنار ہوئے اور اوروں کو عروج و سروری کے راز عطا کئے. لیکن افسوس موجودہ مغرب زدہ مسلمانوں پر کہ وہ انہی کی اندھی تقلید کو معراج کمال سمجھ رہے ہیں:

نشان راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
ترس گئے ہیں کسی مرد راہ داں کے لئے

رشتہ داروں کے حقوق:

قرابت داری کو شریعت میں ''صلہ رحمی،، کہا گیا ہے یعنی یہ رحمِ مادر کا رشتہ ہے جو خون اور پیدائش سے قائم ہوتا ہے، یہ رحم، رحمان کے لفظ سے بنا ہے، یعنی اللہ نے اپنی صفتِ رحمت و رحمانیت سے اس رشتہ کو جوڑ رکھا ہے. فرمانِ باری ہے: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ﴾ (اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو، اور قطع رحم سے بچو) [النساء: ۱].

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے رشتہ داری کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: «أَمَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ، وَأَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ» ''کیا تو اس سے راضی نہیں ہے کہ جس نے تجھے ملایا میں اسے (جنّت سے) ملاؤں اور جس نے تجھے کاٹا میں اسے (جنّت سے) کاٹ دوں؟'' (البخاری).

قرابت داروں سے مراد وہ تمام رشتہ دار ہیں جو انسان سے نسب کی وجہ سے جُڑے ہوئے ہیں، چاہے وہ اس کے وارث ہوں یا نہ ہوں.

اولاد پر والدین کے بعد قرابت داروں کا حق ہے جس کا ادا کرنا فرض ہے. ارشاد ربانی ہے: ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ (اور آپ رشتہ داروں کا حق ادا کیجئے) [بنی اسرائیل: ۲۶]. ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے ساتھ والدین اور قرابت داروں کے حق کو ذکر فرمایا ہے. فرمان تعالیٰ ہے: ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْـًٔا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰى﴾ (اور اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور رشتہ داروں کے ساتھ) [النساء: ۳۶].

صلہ رحمی اسلام کے ان اوّلین اصولوں میں سے ایک ہے جس کا اعلان رسولِ کائنات ﷺ نے فاران کی چوٹیوں سے کیا. ابوسفیان سے ان کے زمانۂ کفر میں جب روم کے شہنشاہ ہرقل نے آپ ﷺ کی تعلیمات کے متعلق ان سے سوال کیا تو انہوں نے جواب دیتے ہوئے کہا تھا: «اعْبُدُوا اللّٰهَ وَحْدَهُ، وَلَا

تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَاتْرُكُوا مَا يَقُولُ آبَاؤُكُمْ، وَيَأْمُرُنَا بِالصَّلَاةِ، وَالصِّدْقِ، وَالْعَفَافِ، وَالصِّلَةِ» "صرف ایک اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اپنے باپ دادا کے رسم و رواج کو چھوڑ دو، وہ ہمیں نماز، سچائی، پاک دامنی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں" (متفق علیہ). ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے اعلان فرمایا: «لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعُ رَحِمٍ» "رشتہ داری کو کاٹنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا" (متفق علیہ).

انہی تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صلہ رحمی کے طور پر اپنے قیمتی سرمایے قرابت داروں میں لٹا دئے، جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ (تم لوگ بھلائی ہرگز نہیں پاؤ گے، جب تک (اللہ کی راہ میں) وہ مال نہ خرچ کرو گے جسے تم محبوب رکھتے ہو) [آل عمران: ۹۲]. ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: "یا رسول اللہ! میرا سب سے بہترین مال میرا کھجور کا باغ "بیرحاء" ہے، اور یہ اللہ کی راہ میں صدقہ ہے، میں اس کے اجر کا اللہ سے طالب ہوں، اسے آپ جہاں مناسب سمجھیں وہاں لگا دیں. آپ ﷺ نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ اسے اپنے قرابت داروں میں تقسیم کر دیں. ابوطلحہ نے اسے اپنے رشتہ داروں اور چچیرے بھائیوں میں تقسیم کر دیا" (متفق علیہ).

اسلام نے کافر رشتہ داروں کے ساتھ بھی نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے. آپ ﷺ نے اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کو ان کی کافرہ ماں کی خاطر کرنے کا حکم دیا، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی جانب سے انہیں تحفہ میں دی گئی ایک چادر کو اپنے مشرک بھائی کے لئے ہدیۃً مکہ روانہ کیا.

لیکن افسوس کہ آج مسلمانوں کے تعلقات زیادہ تر اپنے رشتہ داروں سے ہی کشیدہ ہیں، یہ کشیدگی اکثر اوقات عداوت اور دشمنی بھی پیدا کر دیتی ہے جس کے نتیجے میں سازشیں، جھوٹ، دوغلا پن، حسد، بغض، کینہ، نفرت، جادو منتر اور دشمنی عام سی بات ہوگئی ہے، انسان غیر کو تو قریب کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتا لیکن اپنوں کے سایے سے بھی بھاگنے کی کوشش کرتا ہے، اسی لئے کسی دل جلے نے کہا تھا:

مجھے غیروں کا ہر اک ظلم گوارہ لیکن!
مرے اللہ مجھے اپنوں سے بچائے رکھنا

اس صورت حال میں والدین سے التماس ہے کہ بچوں کے دلوں میں قرابت داروں کے خلاف نفرت و دشمنی پیدا کرنے کے بجائے ان کے سینوں میں صلہ رحمی کی اہمیت کو راسخ کریں تاکہ بچے کے دلوں میں

آئندہ چل کر رشتہ داروں کے لئے نفرت کے دھتوروں کے بجائے محبت و شفقت کے گلاب پیدا ہوں.

پڑوسیوں کے حقوق:

قرابت داری کی طرح پڑوسی کا بھی بڑا حق ہے، کیونکہ یہ انسان کے زیر سایہ رہتا ہے، اسی کے ساتھ اس کا زیادہ تر آمنا سامنا، بیٹھنا اٹھنا اور سلام و دعا ہوتی رہتی ہے:

حق میرا بھی ہے تجھ پر کہ میں تیرا پڑوسی ہوں
رہتا ہوں ترے گھر سے کچھ پاس کی سرحد پر

اسی لئے اسلام اور پیغمبر اسلام جناب محمد ﷺ نے مسلمانوں کو پڑوسی کے حقوق کی بڑی تاکید کی ہے.

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ (اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ، والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، اور رشتہ داروں، اور یتیموں، اور مسکینوں، اور رشتہ دار پڑوسی، اور اجنبی پڑوسی اور پہلو سے لگے دوست، اور مسافر اور غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ) [النساء: ۳۶].

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین طرح کے پڑوسیوں کا تذکرہ فرمایا ہے:

۱- رشتہ دار پڑوسی: یہ تین طرح سے حُسنِ سلوک کا حق دار ہے؛ ۱. پڑوسی ہونے کی وجہ سے ۲. قرابت داری کی وجہ سے. ۳. مسلمان ہونے کی وجہ سے.

۲- اجنبی پڑوسی: جس سے آدمی کی کوئی رشتہ داری نہ ہو، اگر وہ مسلمان ہے تو دوہرے حُسنِ سلوک کا مستحق ہے؛ ۱. مسلمان ہونے ۲. پڑوسی ہونے کے سبب.

۳- پہلو کا پڑوسی: ایسا پڑوسی جو ہر اچھے کام میں معاونت کرتا ہو. پڑوسی گرچہ غیر مسلم بھی کیوں نہ ہو اسلام نے اس کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور اس معاملے میں مسلم و غیر مسلم کی کوئی تمیز نہیں کی ہے. آپ ﷺ نے بے شمار احادیث میں پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی ہدایت فرمائی ہے:

۱. آپ ﷺ فرماتے ہیں: «مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ» "جبریل علیہ السلام مجھے برابر پڑوسی کے ساتھ بھلائی کرنے کی تاکید کرتے رہتے تھے یہاں تک کہ میں نے سمجھا کہ کہیں وہ

پڑوسی کو میرا وارث نہ بنادیں'' (متفق علیہ).

۲. «مَنْ كَانَ يُؤمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُحْسِنْ إِلٰى جَارِهِ» ''جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ وہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرے'' (متفق علیہ).

۳. «وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ، وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ، قَالُوا مَنْ يَارَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ» ''اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، صحابۂ کرام نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! وہ کون ہے؟ فرمایا: ''جس کے ظلم سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں'' (البخاری).

۴. «مَا آمَنَ بِي مَنْ بَاتَ شَبْعَانَ وَجَارُهُ جَائِعٌ إِلٰى جَنْبِهِ، وَهُوَ يَعْلَمُ» ''وہ مومن نہیں جو خود تو سیر ہو کر رات گزارتا ہے اور اس کے پہلو میں اس کا پڑوسی بھوکا ہے اور اسے اس کا علم بھی ہو''.

(الطبرانی والبزّار باسناد حسن).

لیکن افسوس کہ آج معاشرہ میں پڑوسی کے حقوق کے متعلق سخت بے پرواہی برتی جارہی ہے، حقوق کی ادائیگی کا مرحلہ تو دور کا رہا بلکہ عداوت ودشمنی نہ ہو تو بھی بہت غنیمت ہے، نفرت ودشمنی کے لئے اب یہی چیز کافی ہوگئی کہ فلاں فلاں کا پڑوسی ہے، عالمی پیمانے پر کسی بھی ملک کے اس کے ہم سایہ ممالک سے تعلقات شاید ہی اچھے ہوں. ایسے ماحول میں والدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کو پڑوسیوں کے حقوق کی تعلیم دیں، انہیں پڑوسیوں کی تعظیم وتکریم اوران کے ساتھ حُسنِ سلوک کی عملی تربیت دیں.

مساکین کے حقوق:

فقراء اور مساکین ہر معاشرے کا تقریبا لازمی جز وہیں، یہ وہ غریب اور محتاج لوگ ہیں جو اپنی ضرورت کے مطابق کمائی نہیں کرسکتے، جسکی وجہ سے دوسروں کی امداد کے محتاج ہوتے ہیں. اسلام نے جہاں مساکین کو عزّتِ نفس کا سبق دیا، وہیں اغنیاء اور مال داروں کو زکاۃ، خیرات، صدقات دینے اور غرباء کا حق ادا کرنے کی تلقین کی

رسول اللہ ﷺ نے فقراء ومساکین کو کسبِ معاش کے لئے سخت محنت اور کامل جدوجہد کرنے کا حکم دیا اور ہاتھ کے ہنر سے روزی کمانے کو سب سے بہترین روزی قرار دیا. آپ ﷺ فرماتے ہیں: «مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ، وَأَنَّ نَبِيَّ اللهِ دَاوُدَ عليه السلام كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ» ''کسی

نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے زیادہ بہتر روزی نہیں کھائی ہے، اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں سے کمائی ہوئی روزی کھاتے تھے (رواہ البخاری). جب کوئی چارہ کار باقی نہ رہ جائے تو حکم دیا کہ جنگل جا کر لکڑیاں ہی کاٹ لاؤ اور اس سے حلال لقمے کھاؤ، فرمانِ نبوی ﷺ ہے: «أَنْ يَأْخُذَ أَحَدُكُمْ أَحْبُلَهُ ثُمَّ يَأْتِيَ الْجَبَلَ، فَيَأْتِيَ بِحُزْمَةِ حَطَبٍ عَلٰى ظَهْرِهِ فَيَبِيْعَهَا فَيَكُفَّ اللّٰهُ بِهَا وَجْهَهُ، خَيْرٌ لَّهُ مِنْ أَنْ يَّسْأَلَ النَّاس، أَعْطَوْهُ أَوْ مَنَعُوْهُ» ''تم میں سے کوئی اپنی رسیاں لے کر پہاڑ پر جائے، وہاں سے لکڑیوں کا گھٹّا اپنی پیٹھ پر لاد کر لائے اور اسے فروخت کرے، اور اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو ذلیل ہونے سے بچائے رکھے تو یہ اس سے بہت بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے مانگتا پھرے، چاہے لوگ اسے دیں یا نہ دیں (رواہ البخاری).

نیز انہیں حکم دیا کہ اپنی حاجات کو بجائے انسانوں کے رب العالمین کی بارگاہ میں پیش کریں: «مَنْ أَصَابَتْهُ فَاقَةٌ فَأَنْزَلَهَا بِالنَّاسِ لَمْ تَسُدَّ فَاقَتَهُ، وَمَنْ أَنْزَلَهَا بِاللهِ فَيُوْشَكُ اللهُ لَهُ بِرِزْقٍ عَاجِلٍ أَوْ آجِلٍ» ''جسے فقر وفاقہ لاحق ہوگیا اور اس نے اسے لوگوں کے سامنے پیش کیا تو اس کا فاقہ کبھی ختم نہیں ہوگا. اور جس نے اپنے فاقہ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیر یا سویر رزق عطا فرمائے گا (أبوداؤد، ترمذی). کیونکہ بقولِ اکبر الٰہ آبادی:

خدا سے مانگ لے، جو مانگنا ہو، اے اکبر!
یہی وہ در ہے جہاں ذلّت نہیں سوال کے بعد

جو فقراء اپنی محتاجی دور کرنے کے لئے بھیک مانگنے پر اتر آتے ہیں انہیں اس مذموم فعل سے باز رکھنے کی کوشش کی: «اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلٰى، وَالْيَدُ الْعُلْيَا هِيَ الْمُنْفِقَةُ، وَالسُّفْلٰى هِيَ السَّائِلَةُ» ''اونچا ہاتھ نیچے ہاتھ سے بہتر ہے، اونچے سے مراد دینے والا اور نیچے سے مراد مانگنے والا ہاتھ ہے'' (متفق علیہ)

جن لوگوں نے گداگری کو بطورِ پیشہ اختیار کیا ہے انہیں آخرت میں سخت عذاب کی خبر دیتے ہوئے فرمایا: «مَنْ سَأَلَ النَّاسَ تَكَثُّرًا فَإِنَّمَا يَسْأَلُ جَمْرًا، فَلْيَسْتَقِلَّ أَوْ لِيَسْتَكْثِرْ» ''جو لوگوں سے اپنے مال کو زیادہ کرنے کے لئے مانگتا ہے، وہ اپنے لئے (دوزخ کے) انگارے مانگتا ہے، (اب اس کی مرضی ہے) چاہے زیادہ مانگے یا کم'' (رواہ مسلم). بقولِ شاعر:

ممکن ہے ہتھیلی پر انگارہ کوئی رکھ دے   بھولے سے بھی مت مانگو خیرات اندھیرے میں

امیروں پر زکاۃ کو فرض کیا اور اس میں سب سے پہلا حق فقراء اور مساکین کا رکھا فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ (بے شک اموالِ صدقہ فقیروں کے لئے اور مسکینوں کے لئے ہیں) [التوبہ: ۶۰] نیز کئی طرح کے کفّاروں مثلاً: ظہار، قسم توڑنے، حالتِ روزہ میں قصداً اجماع وہم بستری وغیرہ میں مساکین کو کھانا کھلانا، یا انہیں کپڑا پہنانا فرض کیا. نیز نیک لوگوں کے اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا﴾ (اور اپنے لئے کھانے کی ضرورت ہوتے ہوئے، اسے مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھلادیتے ہیں) [الدہر: ۸].

یہی وہ روشن تعلیمات تھیں جن کی وجہ سے اسلام نے مالدار طبقہ کے دلوں سے مال کی محبت کو کم کر کے ان میں ایثار وقربانی اور فقراء ومساکین اور محتاجوں کے لئے نرم دلی اور محبت کے جذبات پیدا کئے، رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو آپ سے پہلے اور آپ کے بعد سینکڑوں مسلمانوں نے بھی ہجرت کی، یہ لوگ اپنی تجارتوں سے ہاتھ دھوکر، تہی دست ہوکر مدینہ منورہ پہنچے تھے، لیکن مدینہ کے انصار نے ان کے ساتھ ایثار واخوت کا وہ مظاہرہ کیا جس سے بھی روشن مثالیں ایثار وخلوص کی تاریخ میں نہیں ملتیں، انہوں نے نہ صرف اپنے مال دیئے، گھروں کو دو حصّوں میں بانٹ دیا، اپنے کھیت اور نخلستانوں کے متعلق رسول اکرم ﷺ سے درخواست کی: «اِقْسِمْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ إِخْوَانِنَا النَّخِيلَ، قَالَ: لَا، فَقَالُوا تَكْفُونَنَا الْمُؤْنَةَ، وَنُشْرِكُكُمْ فِي الثَّمْرَةِ، قَالُوا: سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا» ''آپ ﷺ ہمارے اور ہمارے مہاجر بھائیوں کے درمیان کھجور کے باغوں کو آدھا آدھا تقسیم کردیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں. پھر انہوں نے درخواست کی کہ: ''مہاجرین کھیتی کے کاموں میں ہماری مدد کریں اور ہم آمدنی میں انہیں شریک کرلیں گے، مہاجرین نے کہا: «سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا» یعنی ہم نے سنا اور اطاعت کی'' (رواہ البخاری).

❁ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا جس انصاری صحابی کے ساتھ بھائی چارہ تھا، ان کی دو بیویاں تھیں، انہوں نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے، اپنے آدھے مال کو لینے کی پیشکش کے ساتھ یہ بھی درخواست کی کہ آپ ان دونوں کو دیکھ لیں، ان میں سے جو پسند آجائے، اشارہ کردینا، میں طلاق دے دوں گا، پھر عدّت گزرنے کے بعد آپ اس سے شادی کرلیں. لیکن ابن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «بَارَكَ اللهُ فِي أَهْلِكَ وَمَالِكَ، مَا لِشَيْءٍ مِنْ هٰذَا فِي نَفْسِي حَاجَةٌ، وَلٰكِنْ دُلُّونِي عَلَى سُوقٍ لِأَعْمَلَ» ''اللہ تعالیٰ آپ کے مال اور اہل

میں برکت دے، مجھے ان میں سے کسی بھی چیز کی حاجت نہیں ہے بس آپ مجھے بازار کا راستہ بتادیں، تاکہ وہاں میں کچھ کاروبار کروں'' (البخاری). جہاں پر آپ نے گھی اور پنیر فروخت کرنا شروع کیا، چند ہی دنوں میں اپنی آمدنی سے شادی بھی کرلی اور چند سالوں میں مدینہ منورہ کے مالدار ترین لوگوں میں آپ کا شمار ہونے لگا، بجائے کسی سے مدد حاصل کرنے کے خود سینکڑوں مجبوروں اور محتاجوں کے معاون ومددگار بن گئے، جب بھی اسلام اور مسلمانوں کو مال ودولت کی ضرورت پیش آئی تو اپنے خزانے کے دہانے کھول دئے.

عبدالرحمٰن بن عوف نے نادار مسلمانوں کو اپنے عمل سے یہ پیغام دیا کہ وہ بجائے احسانوں پر پلنے کے، کسبِ معاش کے لئے تجارت اور جدوجہد کی راہ اپنائیں.

❁ ابوذر غفاری سارے دن کی کمائی فقراء ومساکین میں لٹادیتے اور رات کو جب گھر لوٹتے تو سوائے رات کے کھانے کے اور کوئی چیز باقی نہیں رہتی تھی.

❁ ابوطلحہ رات میں مہمان کو گھر لے کر آتے ہیں، گھر میں سوائے بچوں کے کھانے کے اور کوئی چیز باقی نہیں تھی، بیوی کو حکم دیتے ہیں کہ بچوں کو بہلا کر سُلا دو، چراغ درست کرنے کے بہانے بجھادو، میں مہمان کے ساتھ کھانا کھانے کی نقالی کرتا ہوں، تاکہ مہمان پیٹ بھر کر کھانا کھا سکے. ایک مہمان کو کھلانے کے لئے سارا گھر رات کو فاقہ سے گزار دیا، جب آپ صبح رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے ان سے فرمایا: «لَقَدْ عَجِبَ اللهُ مِنْ صَنِيعِكُمَا بِضَيْفِكُمَا اللَّيْلَةَ» ''اللہ تعالیٰ کو رات میں مہمان کے ساتھ تمہارا سلوک پسند آگیا'' (متفق علیہ).

❁ اُم المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا، غریب پروری کی وجہ سے امّ المساکین کے نام سے معروف تھیں، آپ کی لونڈی برزہ بنت باتع بیان کرتی ہیں: ''ایک مرتبہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حکومتی وظائف سے آپ کا حصّہ روانہ فرمایا، جب بیت المال کا ہرکارہ مال لے کر حاضر خدمت ہوا تو آپ نے فرمایا: ''اللہ عمر کو بخشے! میری دوسری بہنیں (دیگر امّہات المؤمنین) مجھ سے زیادہ اس کی مستحق ہیں'، عامل نے کہا: ''یہ تمام مال صرف آپ کے لئے ہے'' آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! اس مال کو یہاں رکھ دو اور اس پر ایک کپڑا ڈال دو'' آپ نے پھر مجھ سے کہا: ''اس میں سے ایک ایک مٹھی بھر اٹھاتی جاؤ اور بنوفلاں کو دے آؤ، پھر بنوفلاں کے یتیموں کو دے آؤ، پھر بنی فلاں میں میرے رشتہ داروں کو دے آؤ'' یہاں تک کہ آپ نے تمام مال تقسیم کردیا،

کپڑے کے نیچے بس تھوڑا ہی مال باقی رہا، میں نے کہا: اُم المؤمنین! اللہ تعالیٰ آپ کو بخشے! اس مال میں ہمارا بھی تو کچھ حق ہے؟ فرمایا: ''کپڑے کے نیچے جو کچھ ہے وہ تمہارا ہے'' جب میں نے کپڑا اٹھایا تو اس کے نیچے صرف ۸۵ درہم باقی تھے'' (ابن سعد).

ام المؤمنین عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق آتا ہے کہ انہوں نے اپنے سالانہ وظیفے کے ۸۰ ہزار سے زیادہ درہم ایک ہی دن میں فقراء اور مساکین میں تقسیم کردیا، اپنے افطار کے لئے بھی اس میں سے ایک درہم بھی باقی نہیں چھوڑا (تربیۃ الأولاد فی الإسلام: ۲۸۲).

فقراء ومساکین کے متعلق اسلام کی یہ وہ عظیم تعلیمات ہیں جنہوں نے دنیا کے سامنے ایثار وخلوص کے وہ معنوی رخسار پیش کئے جن سے زیادہ روشن اور زندہ حقیقتیں دنیا کے کسی بھی مذہب کی تاریخ میں نہیں مل سکتیں. ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی اولاد کی عملی تربیت انہی روشن خطوط پر کریں، تاکہ اپنے اسلاف کی عظیم روایات کی حامل ایک نسل پھر سے دنیا کے سامنے منصۂ شہود پر آسکے.

اہلِ مغرب اور انسانی حقوق:

مسلمانوں کے عملی طور پر دنیا کے اسٹیج سے ہٹ جانے کی وجہ سے ساری دنیا میں جو فساد ظاہر ہوا، اس سے فقراء ومساکین سب سے زیادہ متاثر ہوئے، یورپ اور امریکہ نے اگرچہ اہلِ دنیا کی نظر میں دھول جھونکنے کے لئے انسانی حقوق کی کئی تنظیمیں بنائی ہیں، لیکن درحقیقت یہ تمام ہاتھی کے دانت ہیں جو دکھانے کے اور اور چبانے کے اور ہیں. حقوقِ انسانی کی عالمی تنظیم ''Eminesty Internation'' جو ساری دنیا میں حقوقِ انسانی کے لئے چیختی چلاتی پھر رہی ہے، افسوس کہ اسے افریقی ممالک کے ان ملینوں بچوں کی حمایت میں ایک لفظ تک کہنے کی توفیق نہیں ملی جو قلتّ غذا کا شکار ہو کر راہی ملک عدم ہوئے، ان مجبور وبے بس ماں باپ کو کھانے کا ایک لقمہ پہنچانے کی فرصت نہیں ملی جو بھوک کا شکار ہو کر اپنے ہی مردہ بچوں کی لاشوں کو کھا گئے، وہ امریکہ اور یورپ جو انسانیت کے لئے مگرمچھ کے آنسو بہاتا ہے، جو دنیا کے ۸۰٪ وسائل وذرائع آمدنی سے مالا مال ہیں، انہوں نے دنیا میں بھکمری، غربت اور فقروفاقہ کو برقرار رکھنے کے لئے لاکھوں ٹن اناج کو سمندر میں ڈبو دیا، برازیل نے ۱۹۷۵ء میں پچاس ملین ٹن گیہوں کے ذخیرے کو آگ لگا کر جلا دیا اور یورپی ممالک کے مشترکہ غذائی مارکیٹ نے پچاس ملین ڈالر اپنی ضرورت سے زیادہ اناج اور زرعی پیداوار کی تباہی

کے لئے مختص کیا، یہ صرف اس لئے کہ ان کی پیداوار کی قیمت عالمی منڈی میں گرنے نہ پائے.

جب کہ اسی سال ایشیاء اور افریقہ کے مختلف ممالک میں ۲۰ تا ۱۰۰ ملین انسان اناج کے ایک ایک دانے کو ترس رہے تھے اور ۴۶۰ سے ۱۰۰۰ ملین لوگ قلتّ غذا کی وجہ سے مختلف بیماریوں کا شکار بن چکے تھے. اس وقت کی غذا اور زراعت کی عالمی تنظیم نے اپنی ایک رپورٹ میں ہر ہفتہ تیس لاکھ لوگوں کے بھوک سے مرنے کا خدشہ ظاہر کیا تھا. اور آج بھی امریکہ کے کسان، گوشت کے عالمی مارکیٹ میں اپنے برآمد گوشت کی قیمت برقرار رکھنے کے لئے، ہر سال لاکھوں کی تعداد میں بیل قتل کر کے زمین میں دفن کر دیتے ہیں.

(شخصية المسلم كما يصوغها الإسلام فى الكتاب والسنّة : دكتور محمد علي الهاشمي)

لیکن بھوک کی وجہ سے چوہے بلّیوں کو کھا جانے والے انسانوں تک گوشت کا ایک ٹکڑا پہنچانے کی انہیں توفیق نہیں ملتی. جہاں پر غذا رسانی کا کچھ کام عیسائی مشنریاں انجام دے رہی ہیں، ان بھوکوں پیاسوں سے ہمدردی یا محبت کی بنا پر نہیں، بلکہ اس امداد وتعاون کے پردہ میں عیسائیت کے پرچار، اپنے مذہب کی تبلیغ واشاعت کے اہم مقصد سے سرانجام دے رہی ہیں:

بے خودی، بے سبب نہیں غالب　　کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

ایسے ماحول میں اسلامی، بالخصوص پٹرول کی دولت سے مالا مال عرب ممالک کے لئے اچھا موقعہ ہے کہ اسلام کے درخشندہ احکام پر عمل کرتے ہوئے ان مجبوروں، مقہوروں، بھوکوں، ننگوں تک پہنچیں اور انہیں غذا، لباس کے ساتھ ساتھ دینِ حق کا بھی پیغام پہنچائیں، تاکہ بھوک وپیاس سے سسکتی ہوئی انسانیت کو جسم کے ساتھ ساتھ روح کی بھی غذا مل جائے، اور اس کے بدلے میں یہ رب رحمان ورحیم کی رحمتیں سے مالا مال ہوجائیں. بقولِ رسالت مآب ﷺ: «لأن يَهدِىَ بكَ اللّٰهُ رَجُلاً وَاحِدًا خَيرٌ لَكَ مِن حُمرِ النَّعَم» وفي رواية: «لأن يَهدِىَ بِكَ اللّٰهُ رَجُلاً وَاحِدًا خَيرٌ لَكَ مِمَّا طَلَعَت عَلَيهِ الشَّمس» ''اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کی وجہ سے کسی انسان کو ہدایت عطا فرمائی تو یہ تمہارے حق میں سُرخ اونٹوں سے کہیں زیادہ بہتر ہے'' اور ایک دوسری روایت میں ہے: ''اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے ذریعے کسی انسان کو ہدایت عطا کی تو یہ تمہارے حق میں ان تمام چیزوں سے کہیں زیادہ بہتر ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے'' (متفق علیہ).

معمارِ حرم باز بتعمیرِ جہاں خیز　　از خوابِ گراں خوابِ گراں خوابِ گراں خیز

باب ہشتم
تعلیمی تربیت

علم کی اہمیت:

علم کی فضیلت میں بے شمار آیات واحادیث آئی ہوئی ہیں، آپ ﷺ نے علم کا حصول ہر مسلمان پر فرض قرار دیا. فرمانِ نبوی ہے:«طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ» ''علمِ دین کا حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد وعورت) پر فرض ہے''، علم صرف سرٹیفکٹ کے حصول کا نام نہیں بلکہ علم وہ ہے جو انسان کے دل میں اللہ تعالی کی خشیّت اور تقوی پیدا کرے. جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ (بے شک اللہ سے اس کے بندوں میں سے علماء ہی ڈرتے ہیں) [فاطر:۲۸].

طلبِ علم کا سلسلہ ماں کی گود سے لے کر گور (قبر) تک جاری رہتا ہے اور علم مطالعہ اور متابعت سے بڑھتا اور زندہ ہوتا ہے، مطالعہ اور کتب بینی اور علم اور اہلِ علم کی صحبت چھوڑ دینے سے ختم ہو جاتا ہے اور علم کے سوتے خشک ہو جاتے ہیں. انسان کو ہمیشہ زیادتیٔ علم کے لئے کوشاں رہنا چاہیئے، اسی لئے اللہ تعالی نے اپنے حبیب ﷺ کو یہ دعا سکھلائی:﴿وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ (اور دعا کیجئے کہ میرے رب مجھے اور زیادہ علم دے) [طٰہٰ:۱۱۴].

اسلاف کرام اپنی علمی عظمت اور جلالتِ شان کے باوجود زندگی کی آخری سانس تک اس مقدس شغل کو جاری رکھا. امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:«لَا يَنْبَغِي لأَحَدٍ يَكُونُ عِنْدَهُ الْعِلْمُ أَنْ يَتْرُكَ التَّعَلُّمَ» ''جس شخص کے پاس علم ہے اسے علم سیکھنا نہیں چھوڑنا چاہیئے''.

امام ابو عمرو بن العلاء رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ: ''انسان کو کب تک علم حاصل کرنا چاہیئے؟'' اس عالی ظرف نے جواب دیا:«مَا دَامَتِ الْحَيَاةُ تَحْسُنُ بِهِ» ''جب تک وہ تندرستی وتوانائی سے بہرہ ور رہے''.

امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ، ابن ابی غسّان رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرماتے ہیں:«لَاتَزَالُ عَالِمًا مَا كُنْتَ مُتَعَلِّمًا، فَإِذَا اسْتَغْنَيْتَ كُنْتَ جَاهِلًا» ''جب تک تم علم کے حصول میں سرگرداں ہو عالم رہو گے، جب تم علم سے مستغنی ہو گئے تو جاہل بن جاؤ گے''.

اِمام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: «مَنْ أَحْوَجُ النَّاسِ إِلٰى طَلَبِ الْعِلْمِ؟ قَالَ: «أَعْلَمُهُمْ» قِيْلَ: لِمَاذَا؟ قَالَ: «لأَنَّ الْخَطَأَ مِنْهُ أَقْبَحُ» ''لوگوں میں علم کے حصول کا سب سے زیادہ ضرورت مند کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ان کا سب سے بڑا عالم؟'' پوچھا: کیوں؟ فرمایا: ''اس لئے کہ ایسا شخص کوئی غلطی کرتا ہے تو یہ سب سے زیادہ بُری بات ہے''.

اس لئے بچوں کو ہمیشہ علم کے حصول کے لئے مسلسل جدوجہد کرنا چاہئے.

استاد کا ادب واحترام:

والدین ہی کی طرح بچوں پر جن جن کا احسان ہوتا ہے ان میں سب سے زیادہ اہم اساتذہ اور شیوخ ہیں جن کے سامنے بچے زانوئے تلمذ تہہ کرتے ہیں، ان سے علم وادب، اخلاق وکردار سیکھتے ہیں، انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام فی الحقیقت انسانیت کے معلم تھے، اسی لئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا» میں تو معلّم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں. اس سے معلوم ہوا کہ انسانیت کی رہنمائی وہ عظیم فریضہ ہے جس کا کہ انبیاء کو مکلّف کیا گیا تھا، اسی لئے جس طرح انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا اس حیثیت سے تقدس مانا ہوا ہے کہ وہ انسانیت کے ہادی اور رہنما تھے، بالکل اسی طرح اساتذہ کرام بھی قابلِ تعظیم وتکریم ہیں کہ وہ ایک نسل کی زندگی کی رہنمائی کرتے ہیں، اسی لئے معلّم انسانیت ﷺ کا فرمان ہے: عن أبی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: «تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ، وَتَعَلَّمُوا لِلْعِلْمِ السَّكِيْنَةَ وَالْوَقَارَ، وَتَوَاضَعُوْا لِمَنْ تَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُ» ''علم سیکھو اور علم کے لئے سکینت اور وقار سیکھو، اور جن سے تم علم سیکھتے ہو ان کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ''.

(رواہ الطبرانی فی الأوسط).

اولاد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اساتذۂ کرام کا ادب ولحاظ کریں، ان سے تواضع وانکساری کا معاملہ کریں، امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «لَا يَنَالُ الْعِلْمُ إِلاَّ بِالتَّوَاضُعِ، وَإِلْقَاءِ السَّمْعِ» ''علم عاجزی اور کامل توجہ سے ہی حاصل ہوتا ہے'' متکبر شخص کبھی علم حاصل نہیں کرسکتا، اس لئے اولاد کو اپنے اساتذہ کی خدمت کرنا، ان کے مشوروں پر اس طرح عمل کرنا چاہئے جیسا کہ مریض ڈاکٹر کے مشوروں پر عمل پیرا ہوتا ہے، ہمیشہ ان کی خوشنودی اور رضا حاصل کرنے سعی کریں، کیونکہ استاد کے لئے تذلل، تلامذہ کے لئے عزت، اس کے لئے خاکساری ان کے لئے فخر اور اس کے لئے تواضع ان کی رفعت کا باعث ہے.

استاد کا غصّہ بھی صبر سے برداشت کریں، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اِمام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے کہا گیا: ''آپ سے حدیث پڑھنے کے لئے لوگ دنیا کے چپّے چپّے سے آتے ہیں، آپ ان پر غصّہ کرتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ آپ سے روٹھ کر چھوڑ کر چلے نہ جائیں''. آپ نے اس کہنے والے سے فرمایا: «هُمْ حُمْقٰى إِذَا هُمْ تَرَكُوْا مَا يَنْفَعُهُمْ لِسُوْءِ خُلُقِىْ» ''جب تو وہ نادان لوگ ہیں، اگر وہ میرے برے سلوک کی وجہ سے اس چیز کو چھوڑ کر مجھ سے چلے جائیں جو انہیں فائدہ پہنچاتی ہے''.

۱- اسلاف اپنے اساتذہ کرام کا بے حد ادب واحترام کیا کرتے تھے، حبر الأمت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنی جلالتِ شان کے باوجود زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کی سواری کی رکاب تھامے ہوئے چلتے اور فرماتے: «هٰكَذَا أُمِرْنَا أَنْ نَفْعَلَ بِعُلَمَائِنَا» ''ہمیں اسی طرح اپنے علماء کا احترام کرنے کا حکم دیا گیا ہے''.

۲ - اِمام اَحمد بن حنبل رحمہ اللہ، اپنے استاذ خلف الأحمر رحمہ اللہ کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھتے اور فرماتے: «لَا أَقْعُدُ إِلاَّ بَيْنَ يَدَيْكَ، أُمِرْنَا أَنْ نَتَوَاضَعَ لِمَنْ نَتَعَلَّمَ مِنْهُ» ''میں اس طرح دوزانو ہو کر آپ کے ہی سامنے بیٹھوں گا، کیونکہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جن سے ہم نے علم حاصل کیا ان سے انکساری سے پیش آئیں'' (تربیۃ الأولاد فی الإسلام للشیخ عبداللہ ناصح علوان: ۴۰۱).

حالانکہ یہ وہی اِمام اہلِ سنّت ہیں جب بادشاہوں کے دربار میں (بدرجۂ مجبوری) جاتے تو پیر پھیلا کر بیٹھتے، ایک مرتبہ خلیفہ متوکل نے خدمت میں سیم وزر سے بھری ہوئی تھیلی پیش کی، عرض گزار ہوا کہ قبول فرمالیں، تو جواب دیا: جو بادشاہوں کے دربار میں پیر پھیلاتا ہے وہ کبھی ہاتھ نہیں پھیلاتا.

(علمائے سلف: از مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی).

۳- اَمیر المؤمنین فی الحدیث اِمام بخاری رحمہ اللہ، اِمام مسلم رحمہ اللہ کے استاذِ محترم تھے، جب آپ نیشاپور پہنچے تو اِمام مسلم رحمہ اللہ نے امراء ورؤساء اور علماء شہر کے ساتھ باہر نکل کر آپ کا پرتپاک والہانہ استقبال کیا اور فرطِ عقیدت سے فرمایا: «دَعْنِىْ أُقَبِّلُ رِجْلَكَ» ''اجازت مرحمت فرمائیں کہ میں آپ کے قدم چوم لوں'' (اختلاف کے باوجود: از علامہ شبلی نعمانی، مطبوعہ: الجمعیت دہلی فائل ۱۴ مئی ۱۹۷۲ء).

۴- اِمام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں اپنے استاذ اِمام دار الہجرت مالک بن اَنس رحمہ اللہ کے سامنے پرانی کتاب کے پرانے صفحے نہایت ہی آہستگی سے الٹتا تھا اس ڈر سے کہ اس کی آواز امام مالک رحمہ

اللہ نہ سن لیں.

۵-اِمام ربیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ کی قسم! مجھ پر امام شافعی رحمہ اللہ کی ہیبت کا عالم یہ تھا کہ ان کی موجودگی میں، میں پانی پینے کی جسارت نہیں کرسکتا تھا''.

۶-علاّمہ شبلی نے ''المامون'' میں ابن خلکان، تذکرۂ فرّاء، کے حوالے سے لکھا ہے کہ خلیفہ مامون کے دو بچے امام فرّاء نحوی سے تعلیم پاتے تھے، ایک بار وہ کسی کام کے لئے مسندِ تدریس سے اٹھے، دونوں شہزادے دوڑے کہ جوتیاں سیدھی کر کے آگے رکھ دیں، چونکہ دونوں ساتھ پہنچ گئے تھے، اس لئے پہلے تو جھگڑا ہوا پھر خود ہی طے کر کے ہر ایک نے ایک ایک جوتی سامنے لاکر رکھی. مامون نے ایک ایک چیز پر پرچہ نویس مقرر کر رکھے تھے، اس واقعے کو بھی پرچہ نویسوں نے پہنچایا، مامون کو جب اطلاع ہوئی تو فراء بڑی شان سے دربار میں طلب ہوئے، مامون نے فرّاء سے کہا: ''سب سے معزز کون ہے؟ فرّاء نے جواب دیا: ''امیر المؤمنین'' مامون نے کہا: ''سب سے زیادہ معزز وہ ہے جس کی جوتیاں سیدھی کرنے پر امیر المؤمنین کے لختِ جگر آپس میں جھگڑا کریں'' پھر خلیفہ مامون نے اہلِ دربار کو واقعہ سنایا اور استاذ و شہزادگان کو علی قدر مراتب انعام دیا (العلم والعلماء: از خطیب الاِسلام مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری رحمہ اللہ).

۷-امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) اپنے وقت کے بہت بڑے امام، مفسّر اور کئی کتابوں کے مصنف تھے، اپنے عہد کے معقولات اور علمِ کلام کے امام تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے عہد میں وہ عزت اور شہرت عطا فرمائی تھی کہ جس شہر اور علاقے کا رُخ فرماتے حصولِ علم کے لئے ہزاروں کی تعداد میں علماء اور طلباء پروانوں کی طرح ٹوٹ پڑتے، آپ سے حصولِ علم کی نسبت کو اپنے لئے فخر جانتے تھے، جب آپ خراسان کے مشہور شہر ''مَرو'' تشریف لائے تو طلباء کی ایک بڑی جماعت علمی استفادہ کے لئے خدمت میں آئی، انہیں میں ایک نوعمر لڑکا، عزیز الدین اسماعیل بن الحسن المروزی الحسینی نامی تھا، جس کی عمر بیس سال سے زیادہ نہیں تھی، لیکن علم انساب کا ماہر تھا، جب آپ کو اس لڑکے کی اس علم میں مہارت کا پتہ چلا تو آپ نے اس لڑکے سے گزارش کی کہ وہ یہ علم انہیں سکھادے کیونکہ آپ اس علم میں ماہر نہیں تھے، آپ نے اس لڑکے کو استاذ کی جگہ بٹھایا اور خود اس کے آگے شاگرد کی طرح باادب ہوکر بیٹھ گئے حالانکہ آپ اس وقت اپنی امامت، جلالتِ علمی اور شہرت کی انتہائی بلندیوں پر فائز تھے لیکن اس شہرت اور امامت کے باوجود ایک نوعمر استاد کے

آگے زانوئے تلمّذ تہ کرتے ہوئے کسی علمی غرور کا شکار نہیں ہوئے، بلکہ یہ واقعہ آپ کی علمی رفعت کا ایک اور سبب بن گیا جس سے آپ کی سیرت میں چار چاند لگ گئے.

اس واقعے کا تذکرہ مشہور مؤرخ یاقوت حموی نے اپنی مشہور کتاب معجم الأدباء عزیز الدین اسماعیل بن الحسن المروزی الحسینی کے تذکرے میں کیا ہے.

۸-اساتذۂ کرام نے اپنے شاگردوں کو چاہے وہ وقت کے شہنشاہ بھی کیوں نہ ہوں، ان میں کوئی کجی یا خامی دیکھی تو بالکل اسی طرح ڈانٹ دیا جس طرح ایک مشفق باپ اپنے بیٹے کی کسی کوتاہی پر سرزنش کرتا ہے.

ہندوستانی سلاطین میں محی الدین اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ ہی وہ بادشاہ ہے جس نے افغانستان سے برما اور تبّت سے کنیا کماری تک بلاشرکتِ غیرے تقریباً پچاس سال تک حکمرانی کی، سلطانی سے پہلے عالمگیر کی زندگی ایسی ہی رنگین ہوا کرتی تھی جو مغل شہزادوں کا خاصّہ تھی، ابھی اس میں مذہبی تقشّف وزہد کا دور دور تک بھی کوئی نشان نہ تھا، لیکن استاذ کی ایک بات نے اس کی زندگی میں انقلاب پیدا کردیا، جو کل تک رنگینیوں میں اپنی مثال آپ تھا، اس واقعہ نے اسے متقی و پرہیز گار، عابد و زاہد، بلکہ تہجد گزار و عابدِ شب زندہ دار بنادیا.

۱۶۵۸ء میں جب یہ ہندوستان کا بادشاہ بنا تو اس کے استاذ، مُلاّ جیون رحمہ اللہ مصنّف نور الأنوار، کو پتہ چلا میرا شاگرد ہندوستان کا بادشاہ بنا ہے، انہوں نے اپنی بیگم سے کہہ کر بادشاہ کے لئے خصوصیت سے باجرے کے گلگلے پکائے اور آگرہ کے لئے روانہ ہوئے، بادشاہ کے محل میں اس کے مہمان بنے، عالمگیر کو بڑی محبت وشفقت سے اپنے گھر سے لائے ہوئے گُلگُلے پیش کئے، بادشاہ نے ایک گلگلا منہ میں کیا رکھا کہ زور کی اُبکائی آئی، بادشاہ کی اس نزاکت کو دیکھتے ہوئے ملاّ جیون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''بادشاہ سلامت! حرام کے لقمے کھا کھا کر شاید آپ کو حلال کا لقمہ حلق سے نہیں اتر رہا ہے''.

استاد کی اس ایک بات نے اورنگ زیب کی زندگی میں انقلاب برپا کردیا، اس کے بعد کی ساری زندگی اس نے اپنے ہاتھ کی کمائی، یعنی ٹوپیوں کی سلائی اور قرآنِ مجید کی کتابت سے حاصل ہونے والی آمدنی پر گزار دی، گھوڑے کی پیٹھ پر پچاس سال تک حکمرانی کرنے والے اس عظیم الشان فرمانروا نے مرنے سے پہلے یہ وصیّت کی کہ میرے کفن دفن کے لئے بھی عوامی خزانہ سے پھوٹی کوڑی بھی نہ لی جائے بلکہ میری اپنی

ذاتی کمائی سے سفر آخرت کے سارے انتظامات کئے جائیں.
(اورنگ زیب ایک عظیم حکمران: از مسٹر مہاویر تیاگی، سابق وزیر محنت ہند).

طلبِ علم کے آداب:

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ طلبِ علم کے آداب ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ۱. طالب علم کی نیت کا صحیح ہونا. ۲. استاد کا ایک ایک حرف کمال توجہ سے سننا. ۳. اس کے بعد خوب غور و خوض سے مضامین کا دل میں اتارنا. ۴. اس کے بعد اس کا محفوظ کرلینا. ۵. اس کے اپنے شاگردوں میں اس کا پھیلانا. ۶. دیندار ہونا. ۷. جھوٹ کبھی نہ بولنا. ۸. گناہ اور بدی کے قریب نہ جانا، کیونکہ علماء نے لکھا ہے کہ اس کی وجہ سے انسان سئی الحفظ ہوجاتا ہے.

جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور واقعہ ہے کہ آپ نے اپنے حافظہ کی کمزوری کی شکایت اپنے استاذ امام وکیع سے کی، تو آپ نے فرمایا کہ تم اپنے آپ کو ہر قسم کے فسق و فجور سے پاک کرلو، اس لئے کہ علم اللہ تعالیٰ کا نور ہے اور نور الٰہی کسی بدعمل اور نافرمان کو نہیں دیا جاتا. جیسا کہ خود فرماتے ہیں:

شَكَوْتُ إِلٰى وَكِيعٍ سُوْءَ حِفْظِىْ فَأَوْصَانِىْ إِلٰى تَرْكِ الْمَعَاصِىْ
لِأَنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِنْ إِلٰهِىْ وَنُوْرَ اللهِ لَا يُعْطٰى لِلْعَاصِىْ

(إتحاف النبلاء بحواله: العلم والعلماء: از خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری رحمہ اللہ)

طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ اپنے استاذ کو کبھی آزار نہ پہنچائے، اپنے عمل، اپنی زبان اور اپنے اعضاء کے حرکات و سکنات سے کسی طرح استاذ کو رنجیدہ نہ کرے، امام طاؤس یمنی فرماتے ہیں: «مِنَ السُّنَّةِ أَنْ يُّوَقَّرَ الْعَالِمُ لِقَوْلِهِ ﷺ: «لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا» وَلَا شَكَّ أَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ وَإِجْلَالُهُ مِنْ إِجْلَالِ الْعِلْمِ» ''یعنی عالمِ دین کی تعظیم و توقیر سنّتِ نبوی سے ثابت ہے، کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''جو ہمارے بزرگ کی تعظیم نہیں کرتا وہ ہم مسلمانوں میں سے نہیں ہے'' اس لئے کہ عالم بمنزلہء والد کے ہے اور اس کی تعظیم خود علم کی تعظیم ہے'' (فتح المغیث: ۳۲۴).

استاد کی بددعا:

استاذ کی بددعا بلکہ اندیشہ بھی طالب علم کی زندگی کو برباد کردیتا ہے خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف

صاحب جھنڈانگری رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب ''العلم والعلماء'' میں لکھتے ہیں: ''سلطان محمد خان پادری'' اپنے رسالہ ''میں مسیحی کیوں ہوا؟'' میں ضمنی طور پر ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ ''میں ابتدا ہی سے تحقیق کی طلب میں تھا، چنانچہ میں برابر انجیل وغیرہ کا مطالعہ کرتا رہا، اس وقت میں مدرسہ فتح پوری میں پڑھتا تھا، ایک رات میرے کابلی استاذ ٹہلتے ٹہلتے میرے کمرے میں آئے اور فارسی زبان میں کہا: ''ترسم کہ عیسائی نہ شوی'' ''مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں تم عیسائی نہ ہوجاؤ'' میں نے فارسی ہی میں جواب دیا کہ آپ ایسا کیوں کہتے ہیں، میری طرف ایسی نسبت نہ کیجئے'' لیکن چند سال بعد اس تجربہ کار استاد کا مقولہ حرف بحرف سچّا ثابت ہوا کیونکہ وہ عیسائی ہوگئے.

شمس الأئمّہ حلوائی کسی ضرورت سے بخارا سے نکل کر بعض دیہات میں گئے ہوئے تھے، آپ کے تمام تلامذہ نے آکر آپ سے ملاقات کی، مگر قاضی ابوبکر نہ آسکے تو جس وقت ان سے شمس الأئمّہ حلوائی کی ملاقات ہوئی تو پوچھا: ''تم کیوں نہیں آئے'' کہا: ''میں والدہ ماجدہ کی خدمت میں مشغول تھا اس لئے نہ آسکا.'' تو فرمایا: ''دیکھ! تجھے عمر تو بہت دی جائے گی، مگر درس کی رونق سے محروم رہے گا'' چنانچہ ایسا ہی ہوا ان کو کبھی درس دینے کا اتفاق نہ ہوا. اسی وجہ سے علماء نے کہا ہے: «مَنْ تَأَذّٰى مِنْهُ أُسْتَاذُهُ يُحْرِمُ مِنْ بَرَكَةِ الْعِلْمِ» ''جس طالب علم سے اس کا استاذ تکلیف اٹھاتا ہے ایسا شخص، علم کی برکت اور اس کے انتفاع سے محروم رہے گا''.
(حوالہ مذکور: ۶۹).

عصری تعلیم اور اس کے نتائج:

شاگردوں پر اساتذہ کی شفقت اور تلامذہ کا اپنے اساتذہ کے لئے احترام اور تعظیم، اب دورِ رفتہ کی داستانیں اور خواب کی باتیں ہوچکی ہیں، انگریزی اور عصری تعلیم نے ماضی کی تمام عظیم روایات کی تار و پود اس طرح بکھیر کر رکھ دیا ہے کہ نہ اب استاد، استاد رہا اور نہ شاگرد، شاگرد. عصری تعلیم نے تعلیم کو ایک نفع بخش تجارت بنادیا ہے، جس میں طالب علم ایک مخصوص رقم ادا کرکے کالج اور یونیورسٹی سے تعلیم خریدتا ہے اور اساتذہ بھی طلبِ روزگار کے طور پر طلباء کے سامنے اپنا لیکچر پڑھ کر رخصت ہوجاتے ہیں.

ہندوستان میں سب سے پہلے مسلمانوں میں انگریزی تعلیم کے لئے شعور بیدار کرنے والے سر سیّد احمد خان مرحوم بانی ''مسلم یونیورسٹی علی گڈھ'' تھے، آپ نے انتہائی نامساعد حالات اور مخالفتوں کے طوفان میں ''محمڈن کالج'' کی بنیاد ڈالی، سر سیّد مرحوم کا خلوص مسلم قوم کے لئے کسی بھی شک و شبہ سے بالاتر ہے، لیکن یہ

بھی ایک حقیقت ہے کہ جب ایک قوم کسی زبان کو سیکھنے کے لئے اٹھتی ہے تو وہ اس قوم کے عادات واخلاق سے متاثر ہو جاتی ہے جو اس زبان کی حامل ہے، اور اس طرح وہ تقدس جو اب تک اساتذہ وطلباء کے درمیان دینی نصاب تعلیم کی وجہ سے قائم تھا وہ جلد ہی پارہ پارہ ہوگیا، خود سرسیّد مرحوم نے بھی اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کرلیا. چنانچہ جناب ذاکر علی خان صاحب ''روایاتِ علی گڈھ'' میں لکھتے ہیں:

''جمیل خان صاحب فرماتے ہیں: ''ایک شام ہم تمام مسجد کے عقب میں واقع کرکٹ گراؤنڈ میں حسبِ معمول کرکٹ کھیلنے میں ایسے مصروف تھے کہ مغرب کی نماز کا وقت ہوگیا لیکن اس کے باوجود ہاسٹل کا رخ کرنے کے ہم کھیل میں مدہوش رہے. اتنے میں نظر پڑی تو دیکھا سرسیّد خراماں خراماں مغرب کی نماز کے لئے مسجد کی طرف آرہے ہیں. یہ دیکھ کر گھبراہٹ میں اور کچھ نہ سُوجھا تو کپتان صاحب نے کہا'' بھائیو صفیں باندھ لو اور نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ تاکہ یہ خطرہ ٹل جائے'' چنانچہ فوراً ہی کپتان صاحب کی امامت میں سب کھلاڑی مقتدی بن کر نمازِ باجماعت میں مصروف ہوگئے، رکوع ہوا سجدہ کیا جو کچھ زیادہ طول پکڑ گیا، لیکن بجائے «اللہ اکبر» کہنے کے سجدے میں سر رکھے رکھے امام صاحب نے بآوازِ بلند دریافت کیا: ''بھائیو کیا بڈھا چلا گیا؟'' مقتدیوں کی طرف سے جواب نہ آنے پر امام صاحب نے سجدے سے سر اٹھایا تو دیکھتے ہیں کہ سجدہ ریز مقتدیوں میں بڈھا بھی شامل ہے، لیکن بے باکی کے ایسے مظاہرے کے بعد بھی بابائے ملّت نے مشفقانہ عفوو درگزر سے کام لے کر مسجد کی راہ لی (روایاتِ علی گڈھ: ص/۱۰).

سرسیّد مرحوم کے زمانے میں بے باکی کی یہ ابتدا تھی، اور آج وہی ''مسلم یونیورسٹی'' سیاست بازی، علاقائی کشمکش اور پروفیسروں اور غیر سماجی عناصر کی آپسی چپقلش کی نذر ہو کر لڑائی اور جھگڑے کا میدان بن چکی ہے، آئے دن کی ہڑتالوں نے تعلیم کا جنازہ نکال دیا ہے، اور یہی حال ہندوستان کی باقی یونیورسٹیوں کا ہے.

موجودہ دور میں عصری مدارس میں اساتذہ کا ادب، احترام خواب کی باتیں بن کر رہ گئی ہیں، یہاں تو اساتذہ کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ اپنے آپ کو طلباء کے ہاتھوں پٹنے سے محفوظ ہوں، کسی استاد کا اپنے طلباء سے محفوظ ہو جانا ہی اس کی عزّت ووقار کی سب سے بڑی دلیل سمجھی جاتی ہے. نہ یہاں ابن فرّاءنحوی جیسے استاد ہیں نہ مامون الرشید کے شہزادوں جیسے شاگرد، نہ ملّا جیون جیسے اساتذہ ہیں نہ اورنگ زیب عالمگیر جیسے شاگرد. یہاں استاد وشاگرد باروں میں بیٹھے شراب کے جام ایک دوسرے سے ٹکرا کر پیتے ہوئے ملیں گے، طلباء کے

غول اپنے ہی پروفیسر کی پٹائی کرتے ہوئے بلکہ اپنی ہی لیڈی پروفیسر کی آبروریزی کرتے ہوئے نظر آئیں گے. غرضیکہ موجودہ کالج اور یونیورسٹیاں انسانیت کے مذبح خانے بن چکے ہیں جہاں بچے زیورِ تعلیم سے آراستہ ہو کر شریف انسان بننے کے بجائے، جرائم پیشہ، گستاخ اور خوبی کردار سے کورے ہو کر نکلتے ہیں، (إلّا ما شاء اللہ). یہاں علم اخلاق کے لئے نہیں بلکہ ملازمت کے لئے پڑھایا جاتا ہے اور جو فارغ التحصیل ہو رہے ہیں ان کی نظر ''پلیٹ اور پاکٹ'' کے علاوہ اور کسی چیز پر نہیں، کتنے ایسے بچے ہیں جب انہوں نے انگریزی تعلیم حاصل کرلی اور کچھ کمانے کھانے کے لائق ہوئے تو اپنے والدین کو بھی پہچاننے سے انکار کردیا، بلکہ ایک صاحب سے جب ان کے باپ کے تعلق سے دریافت کیا گیا: ?Who is He تو انہوں نے بڑی ہی بے شرمی سے جواب دیا: This Is My Butler ''یہ میرے باورچی ہیں''

اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ہر انگریزی پڑھا لکھا شخص ایسا ہی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ عصری سکول وکالج بچوں کی تعمیر وترقی سے زیادہ تخریب وبگاڑ میں ایک اہم کردار ادا کر رہے ہیں، اس لئے والدین کو چاہئے کہ اپنی اولاد کو گھر میں ہی دین اور اخلاق کی بہترین تعلیم دیں، ان کے دلوں میں اساتذہ کی تعظیم، انسانیت کا احترام، اسلام کی حقّانیت اور ایمان کی محبت اس طرح راسخ کردیں کہ کسی بھی موڑ پر دین اور اخلاق کا سررشتہ ان کے ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے. بقول اکبر الہ آبادی:

تم شوق سے کالج میں پڑھو پارک میں پھولو ۔ جائز ہے، غباروں میں اڑو، چرخ پہ جھولو
لیکن ایک بات بندہ اکبر کی رہے یاد ۔ اللہ کو، اور اپنی حقیقت کو، نہ بھولو

بالخصوص لڑکیوں کے تعلق سے والدین کو انتہائی چوکنا رہنے کی ضرورت ہے کہ انہیں جہاں تک ہو سکے گرلس کالجز میں ہی داخلہ دلایا جائے، ایسے کالجوں سے گریز کیا جائے جہاں مخلوط تعلیم ہوتی ہے، اس کے ساتھ ہی لڑکیوں کی نگرانی کی جائے، انہیں اپنے کسی محرم کے ساتھ اسکول اور کالج بھیجا جائے، اسی طرح انہیں وہاں سے لانے کا بھی بندوبست ہو، ان کے تمام کاموں کا سخت محاسبہ کیا جائے تاکہ کالج کے غیر اخلاقی ماحول اور اس سے پنپنے والی برائیوں سے انہیں محفوظ رکھا جا سکے.

کتنے والدین ایسے ہیں کہ وہ اپنی بچیوں کو کالج میں داخلہ دلا کر مطمئن ہو جاتے ہیں اور یہ تصوّر کر لیتے ہیں کہ ہماری بچی کالج میں نہایت ہی محنت سے تعلیم حاصل کر رہی ہے، بسا اوقات وہ یہ زحمت ہی گوارہ نہیں

کرتے کہ کیا واقعی ہماری بچی ہمارے مستقبل کے خوابوں کو پورا کر رہی ہے؟ اس بے توجہی کے بڑے بھیانک نتائج نکلتے ہیں، کئی بچیاں گھر سے تو کالج کے لئے نکلتی ہیں لیکن کالج سے اپنے کسی ''دوست لڑکے'' کے ساتھ نکل جاتی ہیں، یا غیر سماجی اور بداخلاق لڑکوں کی ہوس کا شکار ہو کر اپنے آپ کو تباہ کر لیتی ہیں جیسے کہ آپ نے پچھلے واقعات میں پڑھا. والدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے گھر کے نوجوان ڈرائیور کے ساتھ اپنی بچیوں کو کالج نہ روانہ کریں، ٹیوشن کے لئے کسی لیڈی ٹیوٹر کا بندوبست کریں، اگر بدقسمتی سے اس کا بندوبست نہ ہو تو یا تو ٹیوشن ہی ختم کر دیں یا بدرجۂ مجبوری مرد ٹیوٹر ہی رکھنا پڑے تو ٹیوٹر سے تنہا ہونے کا موقع نہ دیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ تنہائی میں وہ رسم وراہ بڑھالیں اور پھر نتیجہ میں سارے خاندان کے لئے ذلّت ورُسوائی کا ایک انمٹ داغ بن جائیں، کھاتے پیتے خوشحال خاندان میں سینکڑوں ایسے واقعات والدین کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں.

عربی مدارس اوران کا کردار:

ساری دنیا میں بالعموم اور بالخصوص ہندوستان میں کالج اور یونیورسٹی کا جو ماحول ہے اس سے ہر ذی ہوش انسان واقف ہے، مسلمانوں کے لئے مخصوص کوئی یونیورسٹی نہیں، دو چار یونیورسٹیاں جو اقلیتوں یا دوسرے لفظوں میں مسلمانوں کے لئے مخصوص تھیں، حکومت کی نظرِ کرم سے ان کا اقلیتی کردار ایک مدّت پہلے ہی ختم کر دیا گیا ہے، اب ہندوستان میں کوئی ایسی یونیورسٹی نہیں جو مسلمانوں کے لئے مخصوص ہو جس میں مسلمان اپنی طرزِ معاشرت، دین اور ثقافت پر عمل کرتے ہوئے تعلیم حاصل کریں، ایسے حالات میں عربی مدارس غیر سرکاری طور پر وہ کام انجام دے رہے ہیں جو مسلم دورِ حکومت میں سرکاری مدارس انجام دے رہے تھے.

اللہ جزائے خیر دے ان علمائے کرام کو جنہوں نے انگریزوں کے عہد میں ہی یہ اندازہ لگالیا تھا کہ مسلمان اپنے دین وایمان اور تہذیب وثقافت کی حفاظت کے لئے خود اپنے ہی وسائل سے دینی مدارس قائم کریں، تاکہ ہندوستان میں مسلمان اپنا مذہبی تشخّص باقی رکھتے ہوئے اپنے دین کی حفاظت کریں. اس احساس نے ہندوستانی مسلمانوں کو سینکڑوں اسلامی مدارس قائم کرنے پر مجبور کیا، جس میں ہزاروں لڑکے دینی تعلیم حاصل کر کے مسلمانوں کی مذہبی پیشوائی کی خدمت انجام دے رہے ہیں، مزید خوش آئند بات یہ ہے کہ گزشتہ چند سالوں میں سینکڑوں کی تعداد میں لڑکیوں کے دینی مدارس کا قیام بھی عمل میں آیا ہے، جہاں ہزاروں بچیاں اسلامی لباس اور ماحول میں باپردہ دینی تعلیم حاصل کر رہی ہیں، پھر یہاں سے فارغ التحصیل ہو کر خواتین میں

اسلامی بیداری کی مہم شروع کی ہوئی ہیں. اب کئی مدارسِ عربیہ میں انگریزی کی تعلیم کا حصول ''شجرِ ممنوعہ'' نہیں رہا، گزشتہ دنوں میں اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسے علمائے کرام کو کھڑا کیا جنہوں نے مدارس عربیہ کے قدیم ''نظامی نصاب'' کو جدید اصلاحی نصاب سے بدل دیا اور اس سے منطق وفلسفہ ودیگر ایسے موضوعات کو نکال دیا جن کا اس ترقی یافتہ دور میں کوئی کردار نہ رہا، ان کی جگہ پر انگریزی، سائنس اور دیگر جدید مضامین کو شامل کیا، جس سے عربی مدارس میں بھی جدید نصاب پڑھایا جانے لگا اور یہاں سے فارغ التحصیل لڑکے اور لڑکیاں کسی بھی کالج ویونیورسٹیوں میں داخلہ لے کر ڈاکٹر، انجینیر اور پروفیسر بن سکتے ہیں. کئی اربابِ مدارس نے ''فنّی تعلیم'' کے لزوم کا بھی اہتمام کیا ہے اور کئی مدارس ٹکنکل کالجز کے قیام کی تگ ودو میں مصروف ہیں. اگر دیگر مدارس بھی اس کا اہتمام کریں تو یہ ایک عظیم خدمت ہوگی. الحمدللہ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہندوستان میں انتہائی نامساعد حالات کے باوجود مسلمانوں نے دین سے اپنے تعلق کو نہایت ہی مضبوط بنا رکھا ہے اور وہ اپنے دین وایمان کی اس ''متاعِ بے بہا'' کے لئے ہر قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کرتے. والدین سے عرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کے لئے ان عربی مدارس کا رخ کریں اور اپنے بچوں اور بچیوں کو اسلامی تعلیم سے آشنا کرا کے اپنی دنیا اور آخرت کو سنواریں.

یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی دینی اور دنیوی قیادت ہمیشہ ان اولوالعزم ہستیوں کے حصّے میں آئی جو انہی عربی مدارس کی پھٹی پرانی چٹائیوں پر پلے بڑھے اور مسجد ومحراب میں بیٹھ کر زیور علم سے آراستہ ہوئے تھے، لیکن جب کبھی مسلمانوں پر کوئی دینی افتاد آئی یا سلاطین اور بادشاہوں نے اسلام کے کسی مسلمہ عقیدے سے انحراف کیا تو وہ ان سلاطین کے جن کی گردنیں کجکلاہی میں جبّاروں وقہّاروں کی پابہ رکاب تھیں، سینہ سپر ہو کر کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ ان کجکلاہوں کو ان غربت وافلاس پر قانع اور اپنے بوریا وچٹائی کے پابند جلیل القدر واولوالعزم ہستیوں کے آگے نہایت ہی عاجزی ومسکنت کے ساتھ سرِ تسلیم خم کرنا پڑا، تاریخ کی ان عظیم ہستیوں کو دنیا، امام دارالہجرۃ مالک بن انس، امام اُھل السنّۃ احمد بن حنبل، شیخ الاِسلام احمد بن تیمیہ، شیخ الاِسلام محمد بن عبدالوہاب اور مجاہد فی سبیل اللہ سیّد شاہ اسماعیل شہید رحمہم اللہ ورضی عنہم کے ناموں سے جانتی ہے.

یہ شخصیتیں جن عہدوں سے متعلق تھیں ان میں علم عام نہیں ہوا تھا، عربی مدارس کا وہ جال نہیں بچھا تھا جو اب ہے، طلباء کے لئے وہ سہولتیں نایاب تھیں جن کی آج بہتات ہے. بلکہ انہیں اپنے معاش کی تدبیریں خود

کرنی پڑتی تھیں، دن بھر کی محنت وتھکان کے بعد فرصت کی جو چند ساعتیں مل جاتیں ان میں، کبھی چاندنی راتوں میں، کبھی مسجدوں کے محراب تلے ٹمٹماتے ہوئے چراغوں کی روشنی میں اساتذہ فن کے آگے گھٹنے ٹیکے جاتے، ان کی خدمت کی جاتی، تب جاکر دو چار الفاظ سبق مل پاتا لیکن ان سے جو علماء اٹھے انہوں نے اپنے علم وعمل سے ایک دنیا کو روشنی عطا کی اور اسباب وسہولیات کی عدمِ موجودگی کے باوجود عربی، فارسی اور اردو کے علاوہ دنیا کی ہر اہم زبان میں تفاسیر اور شروح احادیث کی تصنیف وتالیف کا ایک ڈھیر لگا دیا لیکن موجودہ دور میں یہ کیا بلا ہے کہ عربی مدارس سے علم دین جتنا پھیل رہا ہے عمل کی برکتیں اتنی ہی سمٹ رہی ہیں، اسلام کا جتنا پرچار ہوا اخلاق اتنے ہی غائب، مسجدیں جتنی آباد ہوئیں دل اتنے ہی ویران ہو گئے، حالانکہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ علم وعمل کی برکتیں پہلے سے کہیں زیادہ عام ہوتیں اور مسلم معاشرے میں تقویٰ وآخرت میں باز پرسی کا احساس پہلے سے کہیں زیادہ پایا جاتا، لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا۔

پھر سوال پیدا ہوگا کہ آخر ایسا کیوں ہے؟ جواب یہ ہے کہ مدارس عربیہ جہاں سے کبھی قوم کے قائد پیدا ہوتے تھے افسوس آج وہاں سے ایک ایسی جماعت نکل رہی ہے جو حرکت وعمل سے نا آشنا، قیادت ورہنمائی کے رمز سے بے بہرہ، اولوالعزمی اور خود شناسی کے جوہروں سے عاری ہے. جس کی وجہ سے علماء اور قوم کی قیادت، دو مختلف چیزیں بن کر رہ گئی ہیں، حالانکہ نصف صدی پیشتر سیاست اور سماج غرض ہر میدان کی قیادت علماء کرام کے ہاتھوں میں تھی، لیکن آج اس کا تصور بھی: ''ایں خیال است ومحال است وجنوں'' کی طرح محال بنا ہوا ہے۔

آج عالمی حالات نہایت سرعت سے پلٹ رہے ہیں اور ہر جگہ انسانیت، نہایت تیزی سے حیوانیت کی طرف بھاگ رہی ہے، امت اسلامیہ کے لئے طبقاتی، لسانی، مذہبی اور استعماری کشمکش نے سینکڑوں مسائل پیدا کر دئے ہیں، سب سے زیادہ تباہی مذہبی واستعماری جنونیوں نے مچا رکھی ہے، ابھی چند سالوں کے اندر گجرات، افغانستان، فلسطین اور عراق میں جو کچھ ہوا اور ہو رہا ہے کیا یہ مسلمانوں کی سیاسی بیداری اور مذہبی غیرت کو کچوکے لگانے کے لئے کافی نہیں؟ اگر اب بھی بیداری نہیں آئی تو پھر کس مصیبت کا انتظار ہے، اور اگر انتظار ہے تو وہ کونسی مصیبت ہے، جس کا نزول امت مسلمہ پر نہیں ہوا؟

مصیبت کی اس گھڑی میں امت مسلمہ کی حقیقت پسندانہ قیادت ایک اہم مسئلہ ہے جو یقیناً علماء کرام

کی ذات سے ممکن ہے، مگر شرط یہ ہے کہ وہ اس میدان میں قدم رکھنے کا حوصلہ کریں. مشہور مفکر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ، علمائے کرام سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: '' آج ہندوستان کے مسلمان ایک دانش مندانہ وحقیقت پسندانہ دینی قیادت کے محتاج ہیں، اگر آپ مسلمانوں کو سو فیصدی تہجد گذار بنا دیں، لیکن ان کا ماحول سے کوئی تعلق نہ ہو، وہ یہ نہ جانتے ہوں کہ ملک کدھر جا رہا ہے؟ ملک ڈوب رہا ہے، ملک میں بد اخلاقی وبا اور طوفان کی طرح پھیل رہی ہے، ملک میں مسلمانوں سے نفرت پیدا کی جا رہی ہے، تو تاریخ کی شہادت ہے کہ پھر تو تہجد تو تہجد، پانچ وقت کی نماز پڑھنا بھی مشکل ہو جائے گا، اگر آپ نے دین داروں کے لئے اس ماحول میں جگہ نہیں بنائی اور ان کو ملک کا بے لوث، مخلص اور شائستہ شہری ثابت نہیں کیا، جو ملک کو بے راہ روی سے بچانے کے لئے ہاتھ پیر مارتا ہے اور بلند کردار پیش کرتا ہے، تو آپ یاد رکھئے کہ عبادات ونوافل علامتیں اور شعائر تو الگ رہے، وہ وقت بھی آ سکتا ہے کہ مسجدوں کا باقی رہنا بھی مشکل ہو جائے، پھر قیادت تو الگ رہی، اپنے وجود کی حفاظت بھی مشکل ہو جائے گی''. (کاروانِ زندگی: ج ر ۲).

یہ چند گزارشات تھیں جو ارباب مدارس کی خدمت میں نہایت ادب واحترام اور قصورِ علم وعمل کے اعتراف کے ساتھ رکھی گئی ہیں، اس لئے کہ علماء کی بیداری قوم کی بیداری ہے، اگر یہ میدان عمل میں ڈھیلے پڑ گئے تو پھر قوم کا اللہ ہی حافظ ہے، کیونکہ:

گر صاحبِ ہنگامہ نہ ہو منبر ومحراب دیں
بندۂ مومن کے لئے موت ہے یا خواب
ہیں ساز پہ موقوف نواہائے جگر سوز
ڈھیلے ہوں اگر تار تو بیکار ہے مضراب

باب نہم

اولاد میں بگاڑ، اسباب اور علاج

غریبی اور مفلسی:

اگر بچہ وہ چیزیں نہ پائے جسے وہ اپنے لئے ضروری تصور کرتا ہو، تو ان چیزوں سے احساسِ محرومی اسے گا ہے بگاہے چھوٹی موٹی چیزیں چرانے پر اکسائے گا، اگر ماں باپ سے اس کو اس معاملے میں تھوڑا سا بھی حوصلہ اور شہہ ملی تو آگے چل کر اسے چور اور ڈاکو بننے میں زیادہ وقت نہیں لگتا، پھر معاشرے کے لئے وہ ایک بلا اور آفت بن جاتا ہے۔

ایک شرعی عدالت نے ایک چور کے ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ دیا، جب اس کی تنفیذ کا وقت آیا تو چور نے چلّا کر کہا: «اِقْطَعُوا لِسَانَ أُمِّي قَبْلَ أَنْ تَقْطَعُوا يَدِيْ» ''میرا ہاتھ کاٹنے سے پہلے میری ماں کی زبان کاٹو'' کیونکہ بچپن میں جب میں نے اپنے پڑوسی کے گھر سے انڈا چرایا تھا تو میری ماں نے خوش ہو کر کہا تھا: «اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! صَارَ ابْنِيْ اَلْيَوْمَ رَجُلًا» ''اللہ کا شکر ہے، میرا بیٹا آج جوان ہو گیا''. میری ماں نے نہ مجھے ڈانٹا اور نہ پھٹکارا، اگر وہ مجھے انڈا واپس کرنے پر مجبور کرتی تو آج میں معاشرے میں چور نہ بنتا۔

(أخلاقنا الاجتماعية: د. مصطفی السباعی: ص/ ۱۶۲)

والدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کو یہ بات ذہن نشین کرائیں کہ مالداری اور مفلسی اللہ تعالی کی عطا کردہ ہوتی ہیں، ہمیں اس کی تقدیر پر راضی رہنا چاہئے. تاریخ میں ایسے اللہ والے خلفاء کا تذکرہ ملتا ہے جنہوں نے شہنشاہی میں فقیری کی، انہیں میں ایک عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، خلیفہ بننے سے پہلے بڑے عیش کی زندگی بسر کر رہے تھے، لیکن جس وقت خلیفہ بنے تو سارے عیش و راحت کو تج دیا، ایک مختصر سی تنخواہ پر زندگی بسر کی، ایک مرتبہ عید کے موقعہ پر آپ نے اپنے ایک بچے کو بوسیدہ لباس پہنے دیکھا تو آپ کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے، بیٹے نے پوچھا: «مَا يُبْكِيكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؟'' امیر المومنین! یہ آنسو کیوں؟'' فرمایا: «يَا بُنَيَّ! اَخْشٰى أَنْ يَّنْكَسِرَ قَلْبُكَ إِذَا رَآكَ الصِّبْيَانُ بِهٰذَا الثَّوْبِ الْخَلَقِ» '' اے میرے بیٹے! اس لئے کہ آج بچے تمہیں اس بوسیدہ لباس میں دیکھیں گے تو شاید تمہارا دل ٹوٹ جائے''. بچے

نے جواب دیا:«يا أمير المؤمنين! إِنَّمَا يَنكَسِرُ قَلْبُ مَنْ اَعْدَمَهُ اللّٰهُ رِضَاهُ، أَوْ عَقَّ أُمَّهُ وَأَبَاهُ، وَإِنِّي لأَرْجُوْ أَن يَّكُوْنَ اللّٰهُ تَعَالٰى رَاضِيًا عَنِّيْ بِرِضَاكَ» ''ابّا جان! دل تو اس کا ٹوٹنا چاہئے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا سے محروم کر رکھا ہے، یا جو اپنے ماں باپ کا نافرمان ہو، اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے خوش ہوگا'' اس لئے کہ آپ مجھ سے خوش ہیں. یہ جواب سن کر آپ نے اپنے بیٹے کو گلے سے لگالیا.

(تربیۃ الأولاد فی الإسلام للشیخ عبداللہ ناصح علوان: ۲۳۴).

فضول خرچی:

بچوں کے چور اور مجرم بننے کا دوسرا سبب ماں باپ کا بے حد لاڈ اور پیار اور انہیں ضرورت سے زیادہ جیب خرچ دینا ہے. اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اولاد غلط عادات کا شکار بن جاتی ہے، ان کی اسراف اور فضول خرچی کی بنا پر دیگر آوارہ لڑکے ان کے قریبی ساتھی بن جاتے ہیں، وہ انہیں برے اطوار کا عادی بنا دیتے ہیں.

ان میں اُمنگوں، اور ارمانوں کا ایک سمندر ٹھاٹیں مارنے لگتا ہے، ان کی خواہشات کو پر لگ جاتے ہیں، ایسے بچے جو فضولیات کے عادی بن جاتے ہیں، جب انہیں اپنی فضول خرچیوں کے لئے پیسے نہیں ملتے تو وہ چوری پر اتر آتے ہیں، اور نئی نئی چیزیں چُرا کر اپنے والدین کی خدمت میں یہ کہتے ہوئے پیش کرتے ہیں کہ انہیں فلاں دوست نے یہ ہدیہ دیا ہے، یا یہ چیز فلاں جگہ گری ہوئی ملی. ماں باپ اس آرزو کے ساتھ یہ ''ہدیے اور تحفے'' قبول کرلیتے ہیں کہ اللہ کرے کہ ہدیوں کا یہ سنہری دور ہمارے لال پر ہمیشہ سدا بہار رہے. لیکن ان کی یہ خوش گمانیاں اس وقت خاک میں مل جاتی ہیں جب انہیں کسی پولیس اسٹیشن سے یہ خبر ملتی ہے کہ ان کا لال پولیس حوالات میں ''سرکاری مہمان'' بنا ہوا ہے، اس وقت وہ اپنا سر پیٹ لیتے ہیں

والدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ بچوں کو فضول خرچی سے محفوظ رکھنے کے لئے خود فضولیات سے دور رہیں، کیونکہ اسراف وتبذیر سے تنگی پیدا ہوتی ہے. اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَ لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا﴾ (اور آپ اپنے ہاتھ کو (بخل کی وجہ سے) اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھئے، اور نہ (فضول خرچ بن کر) اسے بالکل ہی کھول دیجئے، ورنہ آپ لوگوں کی ملامت کے مستحق اور محتاجی سے تھکے ہارے ہو جائیں گے) [بنی اسرائیل:۲۹].

ان آیات کے تفسیر کرتے ہوئے برّصغیر کے مشہور محقق اور عالم دین حافظ صلاح الدین یوسف صاحب

فرماتے ہیں: ''ان آیات میں انفاق کا ادب بیان کیا جا رہا ہے کہ انسان نہ بخل کرے کہ اپنے اہل وعیال کی ضروریات پر بھی نہ خرچ کرے اور نہ فضول خرچی پر اتر آئے کہ گنجائش دیکھے بغیر ہی بے دریغ خرچ کرتا رہے. بخل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان قابل ملامت ومذمت قرار پائے گا اور فضول خرچی کے نتیجے میں تھکا ہارا اور پچھتانے والا. محسور؛ اس جانور کو کہتے ہیں جو چل چل کر تھک چکا ہو، فضول خرچی کرنے والا بھی بالآخر خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ جاتا ہے''.

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے. فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝۲۶ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا﴾ (اور فضول خرچی نہ کیجئے، بے شک فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہوتے ہیں، اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا بندہ ہے) [بنی اسرائیل:۲۶،۲۷].

فضول خرچی اللہ تعالیٰ کو بے حد ناپسند ہے. ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «إِنَّ اللّٰهَ يَرْضٰى لَكُمْ ثَلَاثًا وَيَكْرَهُ لَكُمْ ثَلَاثًا، فَيَرْضٰى لَكُمْ اَنْ تَعْبُدُوْهُ، وَلَاتُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا، وَأَنْ تَعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا، وَأَنْ تُطِيْعُوْا وُلَاةَ أَمْرِكُمْ. وَيَكْرَهُ لَكُمْ: قِيْلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَ إِضَاعَةَ الْمَالِ» ''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تین چیزیں پسند اور تین چیزیں ناپسند کی ہیں. جو چیزیں پسند کی ہیں وہ یہ ہیں؛ ۱. تم صرف اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ ۲. تم تمام مل کر اللہ تعالیٰ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں فرقے بازی نہ کرو ۳. اور اپنے حاکموں کی (نیکی کے کاموں میں) اطاعت کرو. اور تین چیزیں جو اس نے تمہارے لئے ناپسند کی ہیں؛ ۱. بحث ومباحثے ۲. کثرت سے (بے کار و لایعنی) سوالات کرنا ۳. مال فضول خرچ کرنا''.

فضول خرچی، چوری، دھوکہ دہی اور ان جیسی دسیوں بُری عادتوں کی جڑ ہے، اس لئے والدین اپنی اولاد کی نگرانی کریں انہیں جیب خرچ کے لئے اتنے پیسے دیں کہ اولاد کو محرومی کا احساس نہ ہو، اور نہ اتنے زیادہ دیں کہ وہ فضول خرچی کا شکار ہو جائیں، اللہ نہ کرے، اگر غلط طریقے سے بچوں نے کوئی چیز لی ہو تو انہیں محبت سے سمجھا کر اسے واپس کروائیں، اگر کوئی نئی چیز ان کے بستے سے نکل آئے تو سختی سے ان کا محاسبہ اور تحقیق کریں، تاکہ والدین کی سختی اور باز پُرسی کی وجہ سے بچوں کی کبھی چوری اور دھوکہ دہی پر جراءت نہ ہو.

اگر بچوں میں والدین اللہ تعالیٰ کے مراقبے کا احساس پیدا کریں تو بچے نہ صرف آئندہ زندگی میں ان برے کاموں سے دور رہیں گے بلکہ صداقت وشجاعت کی ایک مثال بن جائیں گے۔

ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی اولاد کی پرورش انہی درخشاں اصول پر کریں جن پر چلتے ہوئے ہمارے اسلاف نے ایک ایسی نسل کو دنیا کے سامنے پیش کیا جن کے اثر سے دنیا کو زندگی کے ہر میدان میں ایسے مقدس افراد ملے جن سے زیادہ راست باز، متقی وپرہیزگار، عدل پرور، بااصول سیاستدان، نیک دل حکمران، رحم دل فاتح، شیر دل کمانڈر اور عابد وزاہد انسان، چشمِ فلک نے کبھی نہیں دیکھا تھا، انہیں دیکھ کر یہ احساس ہوتا کہ یہ انسان نہیں بلکہ ملأ اعلیٰ کے مقدس فرشتے تھے جو زمین پر انسانی شکل وصورت میں اتر آئے ہیں، فاتح ہندوسندھ محمد بن قاسم رحمہ اللہ نے جب راجا داہر کی فوج کو شکست دے کر سندھ کو فتح کرلیا تو اہل سندھ نے اس اسلامی فاتح کو دیوتا قرار دیا، ان کا مجسمہ تراش کر عبادت کرنے لگے۔ کاش! مسلمان برّصغیر ہندوپاک میں اپنے آٹھ سوسالہ دور اقتدار میں ان اسلامی تعلیمات پر عمل کئے ہوتے تو شاید آج ہندوستان ایک عظیم مسلم ملک ہوتا۔

بخیلی اور کنجوسی:

اولاد میں بگاڑ کے اہم اسباب میں سے ایک باپ کی کنجوسی اور بخیلی ہے، باپ کھاتا پیتا اور مالدار ہو، لیکن اپنی اولاد کے ساتھ کنجوسی کا رویہ اپناتا ہو تو گویا وہ اپنی بیوی بچوں کو از خود چوری کرنے پر مجبور کررہا ہے، چاہے وہ اس کے گھر سے کریں یا باہر سے، ہر مسلمان کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ بیوی بچوں کے نان ونفقہ پر خرچ کرنا بھی ایک عبادت ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ اجر عطا فرماتا ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے: «دِینَارٌ أَنْفَقْتَهُ فِی سَبِیلِ اللهِ، وَدِینَارٌ أَنْفَقْتَهُ فِی رقبة، وَدِینَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهِ عَلٰی مِسْکِینٍ، وَدِینَارٌ أَنْفَقْتَهُ عَلٰی أَهْلِکَ، أَعْظَمُهَا أَجْرًا الَّذِی أَنْفَقْتَهُ عَلٰی أَهْلِکَ» ”وہ دینار جس کو تم نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا، ایک وہ دینار جسے تم نے کسی کو غلامی سے نجات دلانے میں صرف کیا، ایک وہ دینار جسے تم نے کسی مسکین پر خیرات کیا، اور ایک وہ دینار جسے تم نے اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا، ان سب سے زیادہ اجر وثواب کا باعث وہ دینار ہے جسے تم نے اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا“ (رواہ مسلم)۔

بیوی کو جو لقمے کھلائے جائیں ان کے متعلق آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «وَإِنَّکَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِی

بِهَا وَجْهَ اللهِ إِلَّا أُجِرْتَ بِهَا، حَتّٰی مَا تَجْعَلُ فِی فِیْ اِمْرَأَتِکَ» ”جس سرمایہ کو تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خرچ کروگے، اس پر بھی تمہیں اجر ملے گا۔ یہاں تک جس لقمے کو تم اپنی اہلیہ کے منہ میں ڈالو گے (اس پر بھی تمہیں اجر ملے گا)“ (متفق علیہ)۔

نیز ارشاد فرمایا: «إِذَا أَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلٰی أَهْلِهِ نَفَقَةً، یَحْتَسِبُهَا، فَلَهُ صَدَقَةٌ» ”جب آدمی اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے، اور اس سے ثواب کی امید رکھتا ہے تو وہ اس کے لئے صدقہ ہوجاتا ہے“ (متفق علیہ)۔

اگر کسی بیوی کو کنجوس شوہر سے واسطہ پڑے تو وہ اپنے بچوں کے لئے اپنے شوہر سے اسے بتلائے بغیر اتنا مال لے سکتی ہے جو اس کے بچوں کے لئے کافی ہوسکے:

❁ ہندہ بنت عتبہ رضی اللہ عنہا (زوجۂ ابوسفیان رضی اللہ عنہ) ایک مرتبہ خدمت نبوی میں آئیں اور عرض گزار ہوئیں: ”اے اللہ کے رسول (ﷺ)! ابوسفیان بخیل آدمی ہیں، وہ مجھے اتنا نہیں دیتے جتنا میرے اور میرے بچوں کے لئے کافی ہو، سوائے اس کے جسے میں ان کی لاعلمی میں لے لوں۔ (تب میرے لئے کافی ہوتا ہے) فرمایا: دستور کے مطابق جو تمہارے اور تمہارے بچوں کے لئے کافی ہوسکے، اتنا بلا اجازت لے سکتی ہو“ (البخاری)۔

❁ مرد کی بخیلی کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ محمود مہدی استنبولی فرماتے ہیں: ”ایک عورت اپنے شوہر سے جھگڑا کررہی تھی، کیونکہ وہ خرچ دینے میں حد سے زیادہ تنگی کرتا تھا عورت نے کہا: ”اللہ کی قسم! چوہے بھی صرف وطن کی محبت کے سبب اس گھر میں پڑے ہوئے ہیں، ورنہ خوراک انہیں پڑوس کے گھروں سے مل جاتی ہے“۔

❁ شوہر کی بخیلی اور اخراجات میں سخت گیری کا مناسب حال واقعہ جو علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”الأذکیاء“ میں لکھا ہے: ”مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور ایک دوسرے عرب نوجوان کی منگنی کا پیغام ایک ہی وقت میں ایک عورت کے پاس پہنچا۔ نوجوان خوب صورت تھا۔ عورت نے دونوں کو طلب کیا اور کہا: ”تم دونوں نے منگنی کا پیغام بھیجا ہے، لہٰذا میں سنے اور دیکھے بغیر کسی کو کوئی جواب نہیں دوں گی، اس لئے اگر چاہو تو فلاں وقت حاضر ہوجاؤ“ دونوں منگیتر مقررہ وقت پر آئے۔ عورت نے دونوں کو ایسی جگہ بٹھایا جہاں سے وہ انہیں دیکھ سکتی تھی اور ان کی باتیں سن سکتی تھی۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی نظر نوجوان پر پڑی، اور اس کا حُسن وجمال اور اس کی حالت دیکھی تو آپ رشتہ سے مایوس ہوگئے اور یقین کرلیا کہ عورت اسی نوجوان کو پسند کرے گی۔ آخر آپ کو ایک تدبیر سوجھی، آپ نوجوان کی طرف مڑے اور اس سے کہا: ”تم حسن وجمال اور قوت گویائی سے مالا مال

ہو، کیا اس کے سوا بھی تمہارے پاس کچھ ہے؟ اس نے کہا: ہاں! پھر اس نے اپنی مزید کچھ خوبیاں گنوائیں، پھر چُپ ہوگیا‘‘ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ’’حساب کتاب کیسا رکھتے ہو؟ اس نے کہا: میں اپنے حساب میں کوئی چیز باقی رہنے نہیں دیتا، اور جو رائی کے برابر بھی کوئی چیز بچ رہتی ہے اسے بھی وصول کر لیتا ہوں۔‘‘ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ’’لیکن میرا حال یہ ہے کہ میں تھیلی گھر کے کونے میں رکھ چھوڑتا ہوں اور گھر والے جس قدر چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں، اور جب دوبارہ روپیہ طلب کرتے ہیں، تب مجھے پتہ چلتا ہے کہ پہلا روپیہ ختم ہوگیا ہے۔‘‘ عورت نے (اپنے دل میں) کہا: اللہ کی قسم! حساب کتاب نہ لینے والا یہ بوڑھا اس نوجوان سے بہتر ہے جو رائی کے دانے برابر چیز بھی چھوڑنے کا نام نہ لے۔ اس کے بعد اس نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے شادی کر لی‘‘ (تحفۃ العروس: ۲۴۶)۔

غلط صحبت:

بُری صحبت ایک ایسی بیماری ہے جس میں اچھے اچھوں کی اولاد بگڑ جاتی ہے، نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے اولوالعزم پیغمبر تھے، نیک تربیت کے باوجود بُری صحبت کا شکار ہوکر ان کا لڑکا کنعان کافر ہوگیا اور طوفانِ نوح میں مارا گیا، اس کا سبب شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ بُری صحبت ہی قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

پسرِ نوح با بداں بنشست — خاندانِ نبوّتش گم کرد

سگِ اصحاب کہف روزے چند — پئے نیکاں گرفت و مردم شد

’’نوح علیہ السلام کے بیٹے نے بُروں کی صحبت اختیار کی، جس کی وجہ سے اپنے خاندان کی نبوت کو گنوا بیٹھا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور رہا ہے کہ پیغمبروں کی نیک اولاد کو بھی نبوت سے سرفراز فرماتے ہیں، جب کہ اصحابِ کہف کا کتا چند دن نیک لوگوں کی صحبت میں رہا جس کی وجہ سے وہ ان نیک لوگوں کے ساتھ ہی گنا جانے لگا‘‘ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے اپنے ان اولیاء کے ساتھ اس جانور کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں محفوظ کر دیا: ﴿سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ﴾ (عنقریب لوگ کہیں گے کہ وہ تین نوجوان تھے، چوتھا ان کا کتا تھا، کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ پانچ تھے، چھٹا اُن کا کتا تھا، یونہی گمان کرتے ہیں، اور کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ سات تھے، اور آٹھواں اُن کا کتا تھا) [الکہف: ۲۲]۔

اسی لئے اسلام نے شر پسند افراد کی صحبت سے بار بار منع کیا ہے، اس لئے کہ اس سے انسان راہِ ہدایت سے بھٹک جاتا ہے اور ہمیشہ کے لئے جہنمی بن جاتا ہے، قرآن مجید نے ایسے بدنصیب افراد کا تذکرہ کیا ہے جو قیامت کے دن اپنے برے یاروں اور دوستوں کو یاد کر کے اللہ تعالیٰ سے مطالبہ کریں گے کہ وہ پل بھر کے لئے ان لوگوں کو دکھا دے جنہوں نے انہیں دنیا میں راہِ حق سے بھٹکا دیا، تاکہ وہ انہیں بری طرح روند دیں: ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّنَا أَرِنَا الَّذَيْنِ أَضَلَّانَا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ أَقْدَامِنَا لِيَكُونَا مِنَ الْأَسْفَلِينَ﴾ (اور اہلِ کفر کہیں گے اے ہمارے رب! ذرا ہمیں اُن جنوں اور انسانوں کو دکھلا دے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا، تاکہ ہم انہیں اپنے قدموں تلے روند ڈالیں تاکہ وہ خوب ذلیل و رسوا ہوں)۔

[فصلت: ۲۹]۔

برے دوست میدانِ محشر میں ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ﴾ (اس دن متقیوں کے سوا، تمام دوست آپس میں ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے) [الزخرف: ۶۷]۔

اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «الْمَرْءُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ، فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ» ’’آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، اس لئے آدمی کو غور کر لینا چاہئے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے‘‘ (ترمذی)۔

اسی لئے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

عَنِ الْمَرْءِ لَا تَسْئَلْ وَسَلْ عَنْ قَرِينِهِ — فَكُلُّ قَرِينٍ بِالْمُقَارِنِ يَقْتَدِي

’’اگر تم کسی شخص کے عادات واطوار کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہو تو اس کے نہیں بلکہ اس کے یاروں دوستوں کے متعلق معلومات فراہم کرو، اس لئے کہ ہر شخص اپنے ہی ظرف کے مطابق یار بناتا ہے‘‘۔

آپ ﷺ نے اچھی اور بری صحبت کو ایک لطیف مثال سے واضح فرمایا: «مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِيسِ السُّوْءِ كَمَثَلِ حَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْكِيرِ، فَأَمَّا حَامِلُ الْمِسْكِ أَنْ يُحْذِيَكَ، أَوْ تَشْتَرِيَ مِنْهُ، أَوْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً. وَنَافِخُ الْكِيرِ فَإِمَّا أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ، أَوْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا مُنْتِنَةً» ’’اچھے ساتھی اور برے ساتھی کی مثال مشک اٹھائے ہوئے شخص اور بھٹی دھنکنے والے لوہار کی طرح ہے۔ مشک

والا شخص یا تو خود ہی مشک دے گا، یا تم اس سے خرید و گے، اگر یہ بھی نہ ہو تو اس کی عطر بیزی سے تمہاری مشام معطر ہوگی، جب کہ بھٹّی دُھننے والا تمہارے کپڑے جلا دے گا، یا اس کی بدبو تمہیں ضرور (ناک اور کپڑوں میں) محسوس ہوگی" (متفق علیہ).

والدین اولاد سے ملنے جلنے والے افراد پر گہری نگاہ رکھیں، اور انہیں محلّہ، اسکول، مسجد اور کالج وغیرہ میں اچھے لڑکوں سے دوستی کرنے کی ترغیب دیں، بری صحبت کے نقصانات سے آگاہ کریں اگر انہیں محسوس ہو کہ بچے غلط افراد کی صحبت کا شکار ہو رہے ہیں، فوری اقدام کرتے ہوئے انہیں غلط صحبت سے بچالیں.

بے جالاڈ و پیار:

اولاد سے محبت رکھنا ضروری ہے لیکن بے جالاڈ و پیار انہیں بدخلق اور آوارہ بنا دیتا ہے، بچوں کی ہر جائز و ناجائز فرمائش پوری کرنا، انہیں ہر جگہ آنے جانے کی کُھلی چھوٹ دینا، اور ان کی ہر غلط حرکت کو یہ کہتے ہوئے برداشت کرنا کہ ابھی تو یہ بچہ ہے جب بڑا ہوگا تو سدھر جائے گا اس کا نتیجہ معاشرے میں لڑکوں کے انحراف اور لڑکیوں کی ماں باپ اور اسلامی اقدار سے بغاوت کی شکل میں سامنے آتا ہے، والدین جب بچوں میں سرکشی اور طغیانی محسوس کریں تو انہیں نرمی اور محبت سے نصیحت کریں، جب اس کا فائدہ نہ ہو تو ان سے اظہارِ ناراضگی کے طور پر بات چیت نہ کریں جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اَجمعین کی عادتِ مبارکہ تھی.

عبداللہ بن مغفل نے اپنے ایک قرابت دار کو کنکریاں پھینکتے ہوئے دیکھ کر یہ کہتے ہوئے منع کیا: «إِنَّهَا لَا تَصِيدُ صَيْدًا وَلَا تَنْكَأُ الْعَدُوَّ، وإِنَّهَا تَفْقَأُ الْعَيْنَ وَتَكْسِرُ السِّن» یعنی "اس سے نہ شکار مارا جاسکتا ہے نہ دشمن کو قتل کیا جاسکتا ہے، لیکن یہ حرکت (کسی بھی راہ گیر کی) آنکھ پھوڑ سکتی اور دانت توڑ سکتی ہے". لیکن اس نے ان کی سنی ان سنی کرتے ہوئے یہی حرکت دوبارہ کی تو فرمایا: «أُحَدِّثُكَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنْهُ، ثُمَّ عُدْتَ تَخْذِفُ؟ لَا أُكَلِّمُكَ أَبَدًا» "میں تجھ سے یہ کہہ رہا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے روکا ہے اور تو دوبارہ یہی حرکت کر رہا ہے؟ میں تجھ سے کبھی بات نہیں کروں گا" (متفق علیہ).

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ یہ حدیث بیان کی: «لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللّٰهِ عَنِ الْمَسَاجِدِ» "اللہ کی لونڈیوں (عورتوں) کو نماز کے لئے مسجد جانے سے نہ روکو". آپ کے ایک فرزند نے اس کی مخالفت کی اور موجودہ حالات کا واسطہ دیتے ہوئے کہا کہ: "اللہ کی قسم! ہم انہیں مسجد جانے سے ضرور روکیں گے" یہ سن کر

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے زندگی بھر اپنے لڑکے سے بات نہیں کی.

جب یہ سزا بھی کارگر نہ ہو تو پھر باپ کی ذمّہ داری ہے کہ وہ اولاد کی تربیت کے لئے انہیں جسمانی سزا دے، لیکن ملحوظ رہے کہ یہ مار برائے تربیت ہو نہ کہ برائے مار. بلکہ مارنے سے زیادہ ڈرانے کے پہلو پر عمل کرے، اسلاف کے متعلق آتا ہے کہ وہ اپنے گھروں میں نمایاں مقام پر کوڑا لٹکائے رکھتے تھے تاکہ بچوں میں کسی بے ادبی، گستاخی اور بدتمیزی پر گرفت کا احساس ہو. باپ اپنے بچوں کو بے تحاشہ نہ مارے اور نہ ہی ایسی مار کہ جس سے جسم پر نشان پڑ جائیں اور چہرے پر نہ مارے.

بچیوں کی زیادہ ناز برداری، لاڈ و پیار اور مخلوط تعلیمی اداروں میں ان کا داخلہ بسا اوقات انہیں آوارہ بنا دیتا ہے، موجودہ مخلوط کالج اور یونیورسٹیوں کا ماحول اچھے سے اچھے گھرانے کی لڑکی کے اخلاق وعادات کو تباہ کر کے رکھ دیتا ہے. شاید اسی لئے اکبر الہ آبادی نے کہا تھا:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہیں سُوجھی

اور رسول اکرم ﷺ کی یہ پیشین گوئی: «كَيْفَ بِكُمْ إِذَا فَسَقَ فَتَيَاتُكُمْ وَ طَغَىٰ نِسَاؤُكُمْ؟» "تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہاری لڑکیاں مبتلائے فسق ہوں اور تمہاری عورتیں باغی اور سرکش" (یعنی جب کہ تمہارے گھر کے اندر کی زندگی بھی خراب ہو جائے اور عورتیں تک مبتلائے فسق وفجور ہوں). آج حرف بحرف پوری ہو رہی ہے.

ایک لڑکی کے انحراف کا عبرت آموز واقعہ:

مولانا مختار احمد صاحب ندوی، اپنے مجلّہ "البلاغ" بمبئی، کے کالم "بہتے آنسو" میں اسی طرح کی ایک سرکش لڑکی کی داستان تحریر فرمائی ہے، جو سارے والدین کے لئے باعثِ عبرت ہے. تحریر فرماتے ہیں: "یہ ایک کالج گرل کی دردناک داستان ہے، جس نے سارے خاندان کو تباہ کر کے رکھ دیا، یہ اپنے والدین کی اکلوتی لڑکی تھی، اچھے رنگ وروپ اور ناک نقشے کی مالک تھی، والدین کے لاڈ و پیار نے اسے حد سے زیادہ آزاد اور آوارہ بنا دیا تھا، کالج کے بے راہ رو لڑکوں کی یہ منظورِ نظر تھی، کالج کے تمام تفریحی اور شوشل تقریبات میں یہ کلیدی کردار کی مالک تھی.

مسلسل امتحانات میں فیل ہونے کی بنا پر یہ کالج سے نکلنے پر مجبور ہوئی تو والدین نے اسے گھر پر رہنے کی تاکید کی اور آوارہ گردی چھوڑنے کے لئے سختی کیا تو اس نے خودکشی کی دھمکی دے دی اور صاف کہہ دیا کہ اگر میری ذاتی زندگی میں دخل دیا گیا تو میں خودکشی کرلوں گی اور اس طرح سارے خاندان کو تباہ کر کے رکھ دوں گی. جیسے جیسے والدین نے سختی کی حالات بگڑتے گئے اور اب اس کے ساتھیوں کے دھمکی آمیز فون گھر پر آنے لگے، اب لڑکی کئی کئی دن گھر سے غائب رہنی لگی اور اب اسے نشے کی بھی عادت پڑ چکی تھی، اچانک گھر سے قیمتی چیزیں غائب ہونے لگیں، مجبوراً اسے ایک کمرے تک رہنے پر مجبور کردیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکی نے اپنے دوستوں کے ذریعے بوڑھے والدین کو نکال کر گھر پر قبضہ کرنے کی کوشش شروع کی، والدین نے پولس سے اپنی حفاظت کے لئے مدد طلب کی، پولس ابھی لڑکی اور والدین کے درمیان بیچ بچاؤ کی تدبیر سوچ ہی رہی تھی کہ رات کو لڑکی نے اپنے دوستوں کو لے کر راتوں رات گھر پر قبضہ کرلیا. والدین اپنی اکلوتی لڑکی کو قانون کے حوالے کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہی ان کی زندگی کی آخری نشانی تھی، بالآخر انہوں نے لڑکی سے منّت سماجت کر کے گھر کے ایک کونے میں پناہ لینے کی فریاد کی لیکن لڑکی نے اس شرط پر انہیں رہنے کی اجازت دی کہ پورا گھر اس کے نام منتقل کردیا جائے اور وہ مہمان کی طرح اپنی زندگی کے بقیہ دن یہاں چپ چاپ گزاریں، مرتا کیا نہ کرتا انہوں نے ساری جائیداد لڑکی کے نام منتقل کردیا اور بہتے آنسوؤں کے ساتھ لاوارث بوڑھوں کے لئے بنائے گئے حکومت کے ''اولڈ ہاؤس'' (Old House) میں جا کر پناہ لی''.

(ماہنامہ البلاغ: شمارہ جنوری ۲۰۰۱ء)

یتیمی:

بچوں میں بغاوت اور انحراف کا ایک بہت بڑا سبب یتیمی کی مصیبت سے دوچار ہونا ہے، وہ بچہ جس کا باپ یا ماں اس کے بچپنے میں ہی فوت ہو جائیں، اس کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرنے والا کوئی نہ ملے، اس کی ضرورتوں کا خیال رکھنے والا کوئی نہ ہو، یتیمی کی وجہ سے غربت اور افلاس اس کے گھر پر سایہ فگن ہو گئے ہوں، فرطِ خشکی سے اس کے لب تکلّم کے لئے ترسیں لیکن اس سے دو میٹھے بول کوئی بولنے والا نہ ہو، بچپن میں ہی اس کے دستِ نازک پتھر پھوڑنے پر مجبور ہوں، یہاں تک کہ وہ التجا کرتے ہوئے ہاتھ بھیک مانگنے کے لئے اٹھائے، لیکن بے رحم معاشرہ اس کے دامن میں محبت کے پھول بکھیرنے کے بجائے، نفرت اور ذلّت کی

ٹھوکریں بھر دے، تو لامحالہ ایسا بچہ آگے چل کر لوگوں کے خون کا پیاسا بن کر بے رحم ڈاکو، سفّاک قاتل، اور خطرناک مجرم بن کر معاشرے کے لئے ایک بلا بن جائے گا.

یتیمی دو طرح کی ہوتی ہے:

۱- باپ کی جانب سے یتیم ہونا: باپ کی وفات کے بعد اگر ماں نے دوسری شادی کرلی تو عموما سوتیلا باپ ان یتیم بچوں سے سوتیلا ہی سلوک کرے گا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ بچے کی چھوٹی چھوٹی غلطی پر گرفت کرے گا اور اسے چھوٹی سی لغزش یا غلطی پر بری طرح پیٹے گا اور انتہائی سخت سزا دے گا. جرائم کی تاریخ میں ایسے بے شمار سوتیلے باپ ہیں جنہوں نے ان معصوم بچوں کو قتل کردیا، بلکہ انہیں بتوں پر بلی چڑھانے کے لئے غیر مسلموں کو فروخت کردینے سے بھی دریغ نہیں کیا. جو بچہ اس طرح کے ماحول میں پرورش پائے گا کیا اس سے یہ توقع رکھی جاسکتی ہے کہ وہ آگے چل کر ایک رحم دل انسان بنے گا؟ اگر ماں نے دوسری شادی نہیں کی لیکن کسب معاش کے لئے وہ باہر نکلنے اور محنت ومزدوری کرنے پر مجبور ہوئی تو پھر بچے کی تعلیم وتربیت پر وہ کامل توجہ نہیں دے سکے گی، اس کے گھر سے غائب ہونے کے دوران اگر بچہ سماج دشمن عناصر کی بھینٹ چڑھ گیا، یا غلط صحبت کا شکار ہوگیا تو ان دونوں حالتوں میں وہ ایک با اخلاق، مہذب فرد بننے سے محروم ہو کر معاشرے کے لئے ایک آفت بن جائے گا.

۲- ماں کی جانب سے یتیم: یتیمی کی دوسری قسم یہ ہے کہ باپ زندہ ہو اور ماں کا انتقال ہو جائے، اگر باپ نے بچوں کے لئے اپنی جوانی کا ایثار کیا، دوسری شادی نہیں کی اور اپنی ساری توجہ اولاد کی تربیت اور انہیں ماں اور باپ دونوں کا پیار عطا کرنے میں لگا دیا تو امید ہے کہ ایسے بچے باپ کے ایثار کی وجہ سے ضائع وبرباد ہونے سے بچ جائیں گے، لیکن افسوس کہ ایسا بہت کم ہوتا ہے. عام صورت حال یہی ہے کہ بچوں کی ماں مرگئی، ادھر کفن بھی میلا نہیں ہوا، ادھر باپ اپنے لئے ایک عدد نئی بیوی اور بچوں کے لئے ایک سوتیلی ماں لے آیا، نئی بیوی پر زیادہ فریفتہ ہونے کی وجہ سے ہر جائز وناجائز معاملے میں بچوں کے خلاف سوتیلی ماں کا ساتھ دینے لگا، اور ہر بڑی چھوٹی بات پر بچوں کے بخئے ادھیڑنے لگا، تو پھر بچے شروع شروع میں باپ سے اس کے اس عمل پر اظہار ناراضگی کرتے، پھر احتجاج کرتے ہیں، جب باپ اپنی پرانی روش سے باز نہیں آتا تو پھر باپ بیٹے کا لحاظ ختم ہو جاتا ہے، بچے باپ کے مقابلے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، اگر باپ کا بس چلے تو بچوں کو

عاق کر کے گھر سے باہر نکال دیتا ہے، اگر اولاد کا بس چلے تو وہ سوتیلی ماں کے ساتھ حقیقی باپ کو بھی دھکّے دے کر باہر کر کے گھر پر قبضہ کر لیں گے. اور دونوں حالتوں میں اولاد پر اس کے خوشگوار اثرات مرتب نہیں ہوتے.

اسی لئے اسلام نے یتیموں کی دل جوئی اور خدمت کرنا اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا ہر مسلمان پر فرض کیا ہے، بالخصوص اس وجہ سے بھی کہ ہمارے پیغمبر سید الأولین والآخرین محمد رسول اللہ ﷺ، پیدا ہونے سے پہلے ہی یتیم ہو چکے تھے، چھ سال کی عمر میں والدہ محترمہ بھی وفات پا گئیں، اسی لئے قرآن مجید میں متعدد جگہوں پر یتیموں کے ساتھ ہمدردی اور محبت کا حکم دیا گیا. اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ﴿۹﴾ وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ﴾ (پس آپ یتیم پر سختی نہ کیجئے، آپ مانگنے والے کو نہ جھڑکئے).
[الضحیٰ: ۹،۱۰].

یتیم کے ساتھ ناروا سلوک کو کافروں کی علامت قرار دیا گیا. فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ ﴿۱﴾ فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ﴾ (اے میرے نبی! کیا آپ نے اس آدمی کو دیکھا جو جزا و سزا کے دن کو جھٹلاتا ہے، پس یہ وہ ہے جو یتیم کو دھکّے دیتا ہے) [الماعون: ۱، ۲]. جو لوگ یتیم کی عزت اور خدمت نہیں کرتے ان کے اوپر عذاب نازل ہوتا ہے اور ان کی روزی تنگ ہو جاتی ہے. فرمان الٰہی ہے: ﴿وَ اَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَیْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَیَقُوْلُ رَبِّیْٓ اَهَانَنِ ﴿۱۶﴾ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْیَتِیْمَ﴾ (اور جب اس کو آزماتا ہے پس اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے، تو وہ کہتا ہے، میرے رب نے مجھے ذلیل و رسوا کر دیا ہے، ہرگز نہیں بلکہ تم یتیم کی قدر نہیں کرتے ہو) [الفجر: ۱۶، ۱۷].

رسول اکرم ﷺ نے یتیم کی خدمت کرنے والے کو جنت میں اپنے ساتھ ہونے کی خوش خبری دی ہے. ارشاد مصطفوی ﷺ ہے: «أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا، وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى وَفَرَّجَ بَيْنَهُمَا» ''میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے، پھر آپ ﷺ نے اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کے درمیان کچھ فاصلہ رکھتے ہوئے اشارہ کر کے بتلایا'' (البخاری: کتاب الطلاق، باب اللعان، حدیث نمبر: ۵۳۰۴).

ایک حدیث میں ہے: «إِنَّ رَجُلًا شَكَا إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَسْوَةَ قَلْبِهِ فَقَالَ اِمْسَحْ رَأْسَ الْيَتِيمِ وَأَطْعِمِ الْمِسْكِينَ» ''ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ کر اپنی سنگدلی کی شکایت کی، آپ ﷺ

نے فرمایا: کہ تم یتیم کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا کرو اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو. (اس سے تمہارے دل کی سختی ختم ہو جائے گی)'' (مسند احمد، ترغیب و ترہیب).

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَنْ وَضَعَ يَدَهُ عَلَى رَأْسِ يَتِيمٍ رَحْمَةً، كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مَرَّتْ عَلَى يَدِهِ حَسَنَةً» ''جس نے کسی یتیم کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا، اس کا ہاتھ جتنے بالوں پر سے گزرا اتنی تعداد میں اللہ تعالیٰ اسے نیکیاں عطا فرمائے گا'' (احمد و ابن حبان).

ایک اور روایت میں ہے: «مَنْ قَبَضَ يَتِيمًا بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ إِلٰى طَعَامِهِ وَ شَرَابِهِ حَتّٰى يُغْنِيَهُ اللّٰهُ، أَوْجَبَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَهُ الْجَنَّةَ الْبَتَّةَ، إِلَّا أَنْ يَعْمَلَ ذَنْبًا لَا يُغْفَرُ لَهُ» ''جس نے مسلمانوں کے کسی یتیم بچے کو لے کر اس کے خورد و نوش کا اس وقت تک انتظام کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس یتیم کو اس کی کفالت سے بے نیاز کر دیا تو اللہ اس کو ضرور جنت میں داخل فرمائے گا، سوائے اس کے کہ وہ کوئی ناقابل معافی گناہ (مثلاً شرک جیسا) کرے'' (ترمذی).

یتیموں سے حسن سلوک کے متعلق ان کے علاوہ اور بے شمار فرمودات ہیں جس میں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے عام مسلمانوں، رشتہ داروں، اور قرابت داروں پر یتیموں سے محبت و شفقت اور انہیں کھلانے پلانے، ان پر رحم کرنے اور خرچ کرنے کو فرض کیا ہے، تاکہ یہ محروم و مجبور طبقہ محبت و شفقت سے مالا مال ہو کر ضائع و برباد ہونے سے بچ جائے.

خیر القرون ان تعلیمات پر مکمل عمل کی روشن مثال ہیں، مشہور محدث عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے تاجر بھی تھے، تجارت سے جو کچھ کماتے وہ سب فقراء، مساکین، طلباء اور ایتام پر لٹاتے تھے، سال میں ایک لاکھ دینار سے زیادہ صدقہ و خیرات فرماتے، ایک مرتبہ اپنے شہر ''مرو'' سے حج پر جا رہے تھے، ایک آبادی کے قریب پہنچے تو ایک پرندہ جو آپ کے ساتھ تھا مر گیا، آپ نے اسے گھوڑ میں پھینکنے اور قافلے کو آگے بڑھنے کا حکم دیا اور خود کسی ضرورت کے سبب پیچھے رہ گئے، تھوڑی دیر بعد آپ نے دیکھا کہ ایک بچی ایک گھوڑ کے پاس آئی اور وہاں سے کچھ اُٹھا کر دوڑنے لگی، آپ نے اس بچی کو بلایا، وہ ڈرتے ڈرتے آئی، آپ نے فرمایا: ''تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟'' بچی نے جھجکتے ہوئے ہاتھ کھولا تو اس میں مردہ چڑیا موجود تھی، آپ نے بچی سے نہایت شفقت سے پوچھا: ''بیٹی! آپ نے یہ مردہ چڑیا کیوں اُٹھایا؟ بچی نے روتے ہوئے جواب

دیا: ''چچا جان! بات یہ ہے کہ میں اور مجھ سے ایک چھوٹا بھائی ہے، ہم دونوں یتیم ہیں، ماں باپ دونوں اللہ میاں کو پیارے ہو چکے ہیں، کئی دنوں سے فاقہ پر گزارہ ہو رہا تھا، کسی سے مانگتے ہوئے شرم آرہی تھی، اس لئے اس گھوڑ سے مردہ چڑیا اٹھائی ہوں، تا کہ اس کو کھا کر پیٹ کی آگ بجھائی جا سکے''. یہ سن کر عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ رو پڑے، اپنے خزانچی سے پوچھا کہ ہمارے پاس کتنے دینار ہیں؟ اس نے جواب دیا: ایک ہزار دینار ہیں. پوچھا: ''واپس مرو جانے کے لئے کتنے دینار کافی ہوں گے؟ جواب ملا: بیس دینار بہت کافی ہیں. آپ نے فرمایا: ''بیس دینار باقی رکھ کر باقی دینار، اور ہمارے ساتھ جو کچھ غلّہ و اناج ہے اس یتیم بچی کو دے دو، یہ ہمارے نفلی حج سے کہیں زیادہ بہتر ہے'' پھر آپ واپس لوٹ آئے اور حج نہیں کیا.

(التکافل الإجتماعی فی الإسلام: للشیخ عبداللہ ناصح علوان)

طلاق:

طلاق ایک اہم سبب ہے جس سے بچوں میں بگاڑ آتا ہے، اس طرح کہ باپ اولاد کی ماں کو طلاق دے دے اور اس کی جگہ پر سوتیلی ماں کو لے آئے، جو بچے پہلے ہی ماں کی ممتا سے محروم ہو چکے ہیں وہ اب سوتیلی ماں کے ظالمانہ سلوک سے تنگ آ کر بغاوت پر آمادہ ہو جاتے ہیں، جس کی وجہ سے باپ اور بچوں میں ٹھن جاتی ہے اور نتیجہ دونوں کے حق میں برا نکلتا ہے.

طلاق کے لغوی معنی کھولنے کے ہیں اور اسلامی محاورے میں نکاح کی گرہ کھول دینے اور زوجیت کا رشتہ اور ربط توڑ دینے کو طلاق کہتے ہیں. پیغمبر اسلام ﷺ نے طلاق کو اللہ کی نظر میں، حلال اشیاء میں سب سے زیادہ بری چیز قرار دیا: «أَبْغَضُ الْحَلَالِ عِنْدَ اللهِ الطَّلَاقُ» (ابوداؤد، ابن ماجہ) لیکن معاشرے میں کبھی کبھی ایسے حادثات پیش آجاتے ہیں کہ میاں بیوی کے تعلقات سرد مہری میں انجماد تک پہنچ جاتے ہیں، ایسے میں تعلق روگ بن جاتا ہے اور تعارف بوجھ ہو جاتا ہے، ان حالات میں شوہر اور بیوی کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ جاتا کہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو کر چین و سکون کی سانس لیں.

مثلاً اگر بدقسمتی سے شوہر اسلامی اقدار سے ناواقف یا برے عادات و اطوار کا شکار یا شرابی، زانی اور بدکردار ہے جس کی وجہ سے دونوں کے درمیان نا اتفاقی پیدا ہو جائے تو دونوں میں انتہائی کوشش کر کے ملاپ کرا دیا جائے، اگر مرد نے اپنے اطوار نہیں بدلے تو بالآخر عورت کو اسلام نے یہ حق دیا ہے کہ وہ شوہر سے خلع

لے لے. اگر بیوی بدزبان، جھگڑالو، یا آزاد طبع اور بدقماش ہے تو شریعت نے مرد کو طلاق دینے سے پہلے ان تمام کامل احتیاطات کو روبہ عمل لانے کا حکم دیا، تا کہ ان میں سے کسی ایک ذریعے سے بھی اگر بات بن سکتی ہو، نباہ ہو سکتا ہو تو ہو جائے:

۱- وعظ و نصیحت سے سمجھانے کی کوشش کی جائے: کیونکہ دل کے اندر ایمان ہو تو اس سے ضرور کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہو جاتا ہے. ارشاد باری ہے: ﴿وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (اور آپ لوگوں کو نصیحت کرتے رہئے، اس لئے کہ نصیحت یقیناً مومنوں کے لئے نفع بخش ہوتی ہے) [الذاریات:۵۵].

۲- بستر سے علاحدگی: یہ شوہر کی نفسیاتی سزا ہے جو بیوی کو دیتا ہے، اس سے ہر وہ عورت جس کے دل میں شوہر سے تھوڑی سی بھی محبت ہے، بستر سے علاحدگی برداشت نہیں کر سکتی، اس سے بہت ممکن ہے کہ عورت اپنے آپ کو شوہر کے احکام اور مرضی کے تابع کر کے زندگی کو خوشگوار بنا لے.

۳- ضرب خفیف: برائے تادیب ایسی مار مارے جس سے امید ہو کہ اس سے فائدہ ہوگا، مار برائے مار نہ ہو بلکہ برائے اصلاح. اس میں بھی یہ بات ملحوظ رہے کہ سخت نہ ہو، جسم پر داغ اور نشان چھوڑنے والی نہ ہو، تکلیف پہنچانے والی نہ ہو، نہ ہی سینہ، پیٹ اور چہرہ پر مارا جائے، نہ اس میں زبردست سوٹے، ڈنڈے مستعمل ہوں، بلکہ فقہاء کرام کے اقوال کے مطابق یہ ضرب مسواک وغیرہ جیسی کسی لکڑی سے ہو.

عورت کو مارنا کسی بھی مہذب معاشرے میں اچھا نہیں سمجھا جاتا، عائشہ رضی اللہ عنہا کے بقول آپ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں کسی خادم یا عورت کو نہیں مارا: «مَاضَرَبَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِيَدِهِ امْرَأَةً قط، وَلَا خَادِمًا، وَلَا ضَرَبَ شَيْئًا قط، إِلاّ أَن يُّجَاهِدَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ» ''آپ ﷺ نے سوائے جہاد فی سبیل اللہ کے اپنی زندگی میں نہ کسی عورت کو مارا، نہ کسی خادم کو اور نہ ہی انسان جانور سمیت کسی چیز کو''. بلکہ آپ ﷺ سے اس کی ممانعت ثابت ہے، آپ ﷺ نے مردوں کو عورتوں کی پٹائی سے یہ کہتے ہوئے عار دلائی: «يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ فَيَجْلِدُ امْرَأَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ، فَلَعَلَّهُ يُضَاجِعُهَا مِنْ آخِرِ يَوْمِهِ» ''تم میں سے کوئی شخص اٹھتا ہے اور اپنی بیوی کی اس طرح بے تحاشا مارتا ہے جس طرح کہ غلام کو مارا جاتا ہے، (اسے کم از کم یہ تو سوچنا چاہئے کہ) شاید وہ اسی دن کے آخر میں اس سے ہم بستری کرے'' (متفق علیہ).

۴- طلاق کے وقوع سے قبل شوہر اور بیوی کی جانب سے چند عقلمند لوگ جمع ہوں اور وہ ان اختلافات

کا جائزہ لے کر اس کا حل تلاش کریں جو زن وشو کے درمیان باعث نزاع ہیں، تاکہ ان کی اس آخری کوشش سے تلخیاں ختم ہوں اور زندگی محبت کی ڈگر پر پھر سے رواں دواں ہوجائے. ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالّٰتِیۡ تَخَافُوۡنَ نُشُوۡزَهُنَّ فَعِظُوۡهُنَّ وَاهۡجُرُوۡهُنَّ فِی الۡمَضَاجِعِ وَاضۡرِبُوۡهُنَّ ۚ فَاِنۡ اَطَعۡنَكُمۡ فَلَا تَبۡغُوۡا عَلَيۡهِنَّ سَبِيۡلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيۡرًا ﴿۳۴﴾ وَاِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَيۡنِهِمَا فَابۡعَثُوۡا حَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهٖ وَحَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهَا ۚ اِنۡ يُّرِيۡدَاۤ اِصۡلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيۡنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا خَبِيۡرًا﴾ (اور جن عورتوں کی نافرمانی کا تمہیں ڈر ہو، انہیں وعظ ونصیحت کرو، اور بستروں میں اُن سے علیٰحدگی اختیار کرلو، اور انہیں مارو، پھر اگر تمہاری اطاعت کرنے لگیں، تو ان کے سلسلے میں کوئی اور کارروائی نہ کرو، بے شک اللہ بڑی بلندی اور کبریائی والا ہے، اور اگر تم کو میاں بیوی کے درمیان اختلاف سے ڈر ہو (کہ معاملہ اور خراب نہ ہوجائے) تو ایک فیصلہ کرنے والا مرد کے رشتہ داروں میں سے، اور ایک عورت کے رشتہ داروں میں سے بھیجو، اگر وہ دونوں اصلاح چاہتے ہوں گے تو اللہ ان کے درمیان اتفاق پیدا کردے گا، بے شک اللہ بڑا علم والا اور پوری خبر رکھنے والا ہے)[النساء: ۳۴، ۳۵].

جب ان تمام اقدامات سے بھی کوئی بات نہ بنے اور خاندانی زندگی تباہ ہونے لگے تو مرد کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ ایک طلاق رجعی اس طہر میں دے جس میں کہ اس نے بیوی سے صحبت نہیں کی ہے. اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ آئندہ طہر (حیض سے پاکی) تک شوہر کی جدائی سے بیوی کو پہنچنے والا صدمہ اور بیوی کی جدائی سے شوہر کو ہونے والی تکلیف، امید ہے کہ دونوں کو اپنے سابق رویہ سے اعتدال کی راہ پر آنے میں مددگار ثابت ہو، اگر خوش بختی سے یہ ہوا تو شریعت نے دونوں کو یہ اجازت دی ہے کہ وہ پھر سے اپنی زندگی میاں بیوی کی حیثیت سے شروع کریں. پہلی طلاق کے بعد ایک ماہ تک بھی اصلاح کی کوئی امید نظر نہیں آئی تو پھر شوہر دوسرے طہر (حیض سے پاکی کے بعد) میں دوسری طلاق دے گا، پھر ایک ماہ تک بھی طرفین کی جانب سے اصلاح کی کوششیں بارآور ثابت ہوئیں اور دونوں میاں بیوی ناراضگی ختم کرکے پھر سے زندگی کے دوراہے پر محبت سے گامزن ہونا چاہیں تو شریعت نے شوہر کے لئے اب بھی دروازے کُھلے رکھے ہیں کہ دونوں طلاقوں کے بعد اگر وہ چاہے تو رجعت کے ذریعے بیوی کو نکاح میں باقی رکھے، اور یاد رہے کہ اس ساری مدت میں عورت شوہر کے گھر میں ہی مقیم رہے گی، میکے نہیں جائے گی، اس سے میاں بیوی کے درمیان تناؤ کو ختم کرنے

کے سارے مواقع موجود ہوتے ہیں اور بیوی شوہر کے ایک ہلکے سے اشارے یا عمل (جماع) پر اس کی زوجیت کی طرف پلٹ سکتی ہے، لیکن اگر اب بھی دونوں نے تناؤ دار اور سخت رویہ اپنایا تو شوہر بیوی کو تیسرے طہر میں تیسری طلاق دے کر اپنی زوجیت سے خارج کردے، اس کے بعد عورت اپنے سابق شوہر کے گھر میں ایک دن کے لئے بھی رہ نہیں سکتی. اس لئے کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۖ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ﴾ (طلاق شرعی (دو طہروں میں) دو بار ہے، اس کے بعد یا تو نیک نیتی کے ساتھ بیوی کو روک لو، یا بھلائی کے ساتھ اسے چھوڑ دو)[البقرہ: ۲۲۹].

طلاق دینے کے وقت شریعت نے شوہر پر واجب کیا کہ وہ اپنی سابقہ بیوی کو کچھ ساز وسامان اور نقدی عدّت کے خرچ کے طور پر دے، تاکہ طلاق یافتہ عورت روپیوں کی مجبوری کی وجہ سے مشقت نہ اٹھائے اور اس کے ساتھ اس کی اولاد بھی فاقہ کشی پر مجبور نہ ہو. فرمان باری ہے: ﴿وَّمَتِّعُوۡهُنَّ ۚ عَلَى الۡمُوۡسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الۡمُقۡتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًۢا بِالۡمَعۡرُوۡفِ ۚ حَقًّا عَلَى الۡمُحۡسِنِيۡنَ﴾ (اور انہیں کچھ مال بطور مُتعہ دے دو، خوشحال آدمی اپنی حیثیت کے مطابق اور تنگ دست اپنی حیثیت کے مطابق، یہ مُتعہ مناسب مقدار میں ہو، اور بھلائی کرنے والوں پر واجب ہے)[البقرہ: ۲۳۶].

اگر عورت کے پاس سابق شوہر کا کوئی بچہ پرورش پا رہا ہے تو اس کا خرچ بھی شوہر کے ذمّے ہے، تفصیل کے لئے سورۂ طلاق کا مطالعہ کیا جائے.

طلاق کا بدعی طریقہ:

طلاق کا بدعی طریقہ وہ ہے، عام طور پر جاہل مسلمان جس کا ارتکاب کرتے ہیں کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر آؤ دیکھا نہ تاؤ دھڑ ادھڑ تین طلاق (طلاق طلاق طلاق) کی باڑھ ماردی، اس کے بعد علماء ومدارس کا چکّر کاٹنے لگے کہ اب نباہ کی کوئی صورت نکال دیں، ایسے میں وہ ان لوگوں کے فتووں کی بھینٹ چڑھ گئے جو ''شرعی حلالہ'' کی دوکان لگا کر بیٹھے ہوئے تھے، جہاں ایک دو دن کے لئے حلالے کے نام پر عورتوں کی عصمتوں کا سودا کیا جاتا ہے، پھر ایک مخصوص رقم کی ادائیگی کے بعد تین طلاقیں دلوا کر پہلے شوہر کے لئے راہ ہموار کی جاتی ہے، ایسے ہی حلالہ کرنے اور کرانے والوں کے اوپر رسول ﷺ نے لعنت بھیجی ہے: «لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ» ''حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے کرایا گیا دونوں پر اللہ کی لعنت ہو''. (ابوداؤد، ترمذی).

اور اسی کے متعلق اثرم اور ابن منذر نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ، انہوں نے فرمایا: ''میرے پاس کوئی حلالہ کرنے والا، یا جس کے لئے حلالہ کیا جائے، لایا جائے، تو میں اسے پتھروں سے مار مار کر ہلاک کر دوں''. نیز عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے عورت کو شوہر کے لئے حلال کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: ''یہ زنا ہے''.

شریعت کے بتائے ہوئے اصولوں سے ہٹ کر جو طلاق دی جائے یہی بدعی طلاق ہے، مثلاً تین مہینوں میں تین مرتبہ طلاق دینے کے بجائے ایک ہی مرتبہ دے دی جائے، یا طہر کے بجائے حالت حیض یا نفاس یا اس طہر میں طلاق دی جائے جس میں مرد نے عورت کے ساتھ صحبت کی ہو، ایسی طلاق حرام اور دینے والا سخت گناہ گار ہے. علماء میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا بدعی طلاق لاگو ہوگی یا نہیں؟ اکثر صحابۂ کرام اور تابعین اور شیخ الإسلام امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم اور موجودہ دور کے اکثر کبار علماء اور محدثین کا مسلک یہی ہے کہ تین طلاقیں دینے کی صورت میں صرف ایک رجعی طلاق واقع ہوگی اور باقی دو طلاقیں مردود ہوں گی، اس لئے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی شمار کی جاتی تھیں (مسلم).

اس مسئلہ کی بابت شیخ الإسلام علامہ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں: ''اس مسئلہ میں صحیح بات یہ ہے کہ اگر مرد اپنی بیوی کو ایک ہی کلمہ کے ذریعے تین طلاقیں دے دیتا ہے تو اسے صرف ایک شمار کیا جائے گا، کیونکہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت کی ہے کہ ''عہد نبوی، عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں دو سالوں تک تین طلاق کو ایک ہی طلاق شمار کیا جاتا تھا، بعد میں عمر نے کہا کہ لوگ اس معاملے میں تیزی دکھلانے لگے ہیں جس میں ان کے لئے مہلت تھی، اس صورت میں کیوں نہ ہم اسے تین قرار دے دیں، اور آپ نے اسے تین قرار دے دیا''. عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگردوں پر مشتمل علماء کی ایک جماعت اور بہت سے دوسرے علماء کا مختار قول یہی ہے، خود عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت ثابت ہے، صاحب السیرۃ امام محمد بن اسحاق اسی کے قائل ہیں، نیز شیخ الإسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہما نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے''.

(فتاویٰ علامہ عبدالعزیز بن باز: مرتب: ڈاکٹر محمد لقمان سلفی ص ۳۰۹، ۳۱۰).

دوسری جگہ فرماتے ہیں: ''عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے (ایک صحیح قول کے مطابق) اسی کو اختیار کیا ہے، اور تین طلاق کو ایک طلاق ماننے والوں میں علی، عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم بھی ہیں. محمد بن اسحاق (سیرت کے مصنف) اور تابعین کی ایک جماعت بھی یہی کہتی ہے، اور متقدمین ومتأخرین علماء کی ایک جماعت اسی کی قائل ہے، شیخ الإسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم رحمہما اللہ کا بھی یہی مسلک ہے. اور میں بھی یہی فتویٰ دیتا ہوں، اس لئے کہ اس میں تمام دلائل پر عمل ہو جاتا ہے اور اس میں مسلمانوں کے ساتھ رحمت وشفقت اور نرمی کا پہلو بھی ہے'' (حوالہ مذکور: ص ر ۲۹۷).

یہی وہ مسلک ہے جو کتاب وسنّت سے زیادہ قریب ہے اور جس میں عام مسلمانوں کے لئے سکون وراحت ہے اور اسی مسلک پر عمل کرتے ہوئے وہ ہزار ہا خاندان جو مرد کی غیر دانش مندی کی وجہ سے تباہی سے دوچار ہو گئے پھر سے آباد ہو سکتے ہیں.

اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور اس نے اپنی مرضی سے کسی دوسرے مرد سے شادی کر لی، لیکن بدقسمتی سے اس سے بھی نباہ نہ ہو سکا، اگر وہ پھر سے پہلے شوہر سے شادی کرنا چاہے تو کر سکتی ہے، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ﴾ (پھر اگر دوسرا شوہر اسے طلاق دے دے، تو دونوں کے لئے کوئی حرج کی بات نہیں کہ آپس میں مل جائیں، اگر انہیں یقین ہو کہ اللہ کے حدود کو قائم رکھیں گے) [البقرۃ: ۲۳۰].

اولاد پر طلاق کے اثرات:

طلاق چاہے سنّی طریقے پر دی جائے یا بدعی طریقے پر، اس میں کوئی شک نہیں کہ اولاد پر اس کے برے اثرات مرتب ہوتے ہیں، بچے ماں اور باپ کے درمیان تقسیم ہو کر رہ جاتے ہیں، جو بچے باپ کے پاس رہتے ہیں وہ ماں کی ممتا کو ترستے ہیں، اگر وہ ماں سے ملنا بھی چاہیں باپ کا خوف انہیں ملنے نہیں دیتا، جو بچے ماں کی سرپرستی میں موجود ہیں وہ باپ کی شفقت کے لئے تڑپ رہے ہوتے ہیں، لیکن ماں کی ناراضگی کا خوف انہیں باپ سے ملنے نہیں دیتا، بسا اوقات باپ اپنے پاس رہنے والے بچوں میں ماں کے خلاف سخت نفرت بھر دیتا ہے، اور اسی کے برعکس ماں کے پاس پرورش پانے والے بچے باپ کے خلاف نفرت اور حقارت کو اپنے معصوم سینوں میں پالتے ہیں، بڑے ہو کر وہ اپنے باپ کو بھی باپ کہہ کر نہیں بلاتے، ماں اگر کھاتے

پیتے خاندان سے تعلق نہ رکھتی ہو تو ایسے میں غربت و مفلسی کا شکار بچے بھیک مانگنے پر اور عورت محنت و مزدوری کرنے پر بھی مجبور ہو جاتی ہے، گھر سے نکل کر اس بے رحم دنیا میں اس کی اپنی عفت وعصمت کی حفاظت بھی ایک مسئلہ بن جاتی ہے، بچے ماں کو گھر میں نہ پاکر آوارہ گردی کا شکار ہو جاتے ہیں، کئی بچے باپ کی شفقت اور ماں کی ممتا سے محروم ہو کر غیر سماجی عناصر کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں، جو انہیں بے رحم قاتل اور سفاک ڈاکو کے قالب میں ڈھال دیتے ہیں، جن نفرت کے دھتوروں میں ان کی پرورش ہوئی وہ آگے چل کر انہیں غنڈہ، بدمعاش اور معاشرے کے لئے ایک ناسور بنا کر ہی چھوڑیں گے. اس لئے والدین سے عرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کے مستقبل کی خاطر اپنے چھوٹے موٹے اختلافات کو حکمت و مصلحت سے ختم کر کے اپنے بچوں کو ایک محبت بھری زندگی عطا کریں، تا کہ وہ آگے چل کر معاشرے کے لئے ایک رحم دل باپ، مشفق شوہر اور نیک اور صالح انسان کا کردار ادا کر سکیں. «وما ذلک علی الله بعزیز».

والدین کی لڑائی اور جھگڑا:

بچوں کے بگاڑ کا ایک اہم سبب گھر میں والدین کی لڑائی اور جھگڑا ہے، جب بچے ماں باپ کو بات بات پر لڑتے جھگڑتے اور ماں کو باپ کے ہاتھوں پٹتے دیکھتے ہیں تو ان کے دلوں میں ماں کے لئے محبت اور باپ کے لئے نفرت کے جذبات وعواطف پیدا ہوتے ہیں، وہ پھر گھر چھوڑ کر کہیں بھاگ جانے کو ترجیح دیتے ہیں، یا باپ اور ماں میں سے کسی ایک کی حمایت یا مخالفت پر آمادہ ہو جاتے ہیں، جس کا نتیجہ اولاد اور والدین دونوں کے حق میں برا نکلتا ہے.

اسلام نے گھر کے ماحول کو پرسکون اور خوشگوار رکھنے کی ذمہ داری میاں اور بیوی دونوں پر عائد کی ہے، عورت کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے شوہر کو خوش رکھے اور رب کی جنت کی مستحق ہو جائے. ارشاد نبوی ﷺ ہے: «اَلْمرأةُ إذا صلّت خمسَها، وصامت شهرَها، وأطاعت بعلَها، وأحصنت فرجَها، قيل لها يوم القيامة: أُدخلي الجنّة من أيّ أبوابها الثّمانية شئت» "عورت جب پنج وقتہ نماز پڑھے، رمضان کے روزے رکھے، اپنے شوہر کی اطاعت کرے، اور اپنی عصمت کی حفاظت کرے، تو اس سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے" (ترمذی).

ایک اور روایت میں شوہر کی جنسی خواہش کا احترام نہ کرنے کو فرشتوں کی لعنت کا موجب قرار دیا، اس

لئے کہ اکثر مسائل اسی انکار کے سبب پیش آتے ہیں. آپ ﷺ کا ارشاد ہے: «إذا دعا الرّجل امرأته إلى فراشه، فأبت أن تجيء إليه، فبات غضبان عليها، تلعنها الملآئكة حتّى تصبح» "جب کوئی شخص اپنی بیوی کو ہم بستری کے لئے بلائے، اور اس نے آنے سے انکار کر دیا، اور اس نے ناراضی کی حالت میں رات گزاری، تو صبح ہونے تک اللہ کے فرشتے اس عورت پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں" (متفق علیہ).

کچھ عورتیں زمانہ نبوی میں جمع ہوئیں اور انہوں نے طے کیا کہ ہم میں سے ایک عورت کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں روانہ کیا جائے، ان میں سے ایک ایک آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی: یارسول اللہ! میں عورتوں کی جانب سے قاصد بن کر آپ کے پاس یہ کہنے کے لئے آئی ہوں: "جہاد کو اللہ تعالی نے مردوں پر فرض کیا ہے، اگر وہ اس سے کامیاب لوٹتے ہیں تو اجر وثواب پاتے ہیں، اگر شہید ہو جاتے ہیں تو اپنے رب کے پاس زندگی پاتے ہیں، جہاں انہیں روزی دی جاتی ہے. (یہ مردوں کا رتبہ ہے) لیکن ہم عورتیں کا حال یہ ہے کہ ہم بس ان کی نگہداشت کرتی ہیں، ہمیں اس پر کیا ثواب ملے گا؟ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: «أبلغي من لقيت من النّساء أنّ الطّاعة للزّوج، واعترافًا بحقّه، يعدل ذلك، وقليلٌ منكنّ من يفعله» "تم سے ملاقات کرنے والی عورتوں سے جا کر کہہ دینا کہ شوہر کی خدمت و اطاعت کرنا اور اس کے حقوق کی رعایت اور اعتراف کرنا (اجر میں) مردوں کے برابر ہو گا، لیکن تم میں کم ایسی عورتیں ہوں گی (رواہ البزار، والطبرانی).

ساتھ ہی مرد کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرے. فرمان نبوی ہے: «إتّقوا الله في النّسآء، فإنّكم أخذتموهنّ بأمانة الله، واستحللتم فروجهنّ بكلمة الله، ولهنّ عليكم رزقهنّ وكسوتهنّ بالمعروف» "عورتوں کے متعلق اللہ تعالی سے ڈرو، اس لئے کہ تم نے انہیں اللہ کی امانت سمجھتے ہوئے اپنی زوجیت میں لیا ہے، اور ان کی عصمتوں کو اللہ کے کلمہ سے اپنے لئے حلال کیا ہے، تم پر ان کا حق یہ ہے کہ تم انہیں بھلے طریقے پر خوراک اور لباس مہیا کرو (مسلم).

بیوی کی کسی ناپسندیدہ عادت پر شوہر کو یہ کہتے ہوئے صبر کرنے کی تلقین کی گئی کہ وہ اپنی بیوی کی خوبیوں اور خامیوں کا موازنہ نہ کرے، اس کی طرف صرف ناراضگی اور کراہت کی نظر سے ہی نہ دیکھے: «لا يفرك مؤمنٌ مؤمنةً، إن كره منها خلقًا رضي منها آخر» "کوئی مومن مرد کسی مومنہ عورت (اپنی بیوی) سے

بغض نہ رکھے، اس لئے کہ اگر اسے اس کی کوئی عادت ناپسند ہے تو کوئی دوسری پسند بھی آئے گی'' (مسلم).

ان کو بہترین مرد قرار دیا گیا جو اپنی بیویوں کے لئے سب سے اچھے ہوں: «خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ، وَأَنَا خَيْرٌ لِأَهْلِي» ''تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے لئے بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہوں'' (ابن ماجہ، حاکم).

ایک اور حدیث میں شوہر کو تاکید کی گئی ہے کہ بیوی سے جو کچھ میسر آئے لے لے، کیونکہ وہ کامل وجہ پر نہیں پیدا کی گئی ہے، بلکہ اس میں ٹیڑھا پن ہونا لازمی ہے اور آدمی اسی طبیعت پر اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے جس پر وہ پیدا کی گئی ہے. فرمان نبوی ﷺ ہے: «اِسْتَوْصُوا بِالنِّسَآءِ خَيْرًا، فَإِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَآءِ خَيْرًا» ''عورتوں سے بہتر سلوک کرو کیونکہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور کسی طرح تمہارے لئے سیدھی نہ ہوگی اور پسلی کا سب سے ٹیڑھا حصہ وہ ہے جو اس کا بلند حصہ ہے، اگر تم اسے بالکل سیدھا کرنا چاہو گے تو اسے توڑ دو گے اور اگر چھوڑ دو گے تو ٹیڑھی ہی رہے گی، لہٰذا عورتوں سے اچھا سلوک کرو'' (بخاری ومسلم).

عورتوں میں شوہر کو کچھ نہ کچھ کہتے رہنے کی فطری عادت رہتی ہے، اس سے تنگ آکر ایک مرتبہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کی شکایت لے کر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے، جا کر دیکھا تو ان کے گھر کا معاملہ بھی اپنے گھر سے کچھ الگ نہیں تھا، امیر المؤمنین کی بیوی بھی انہیں کچھ کڑوی کسیلی سنا رہی تھیں، الٹے قدم واپس آئے، عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں طلب کیا اور آکر واپس چلے جانے کی وجہ پوچھی، تو فرمایا: ''جس اُفتاد کی شکایت لے کر آپ کی خدمت میں پہنچا تھا اسی مصیبت سے آپ بھی دوچار تھے تو واپس چلا گیا'' عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ابن مسعود! میں آپ کو قریش کا عقلمند آدمی سمجھ رہا تھا، آج پتہ چلا کہ تم ایسے نہیں ہو، دیکھو! اللہ تعالیٰ نے بیوی ہونے کے ناطے عورت پر جو فریضہ عائد کیا ہے وہ یہ کہ جب شوہر اسے اپنے بستر کی طرف بلائے تو وہ چلی آئے، لیکن اس سے آگے بڑھ کر وہ ہمارے گھر کی حفاظت کرتی ہے، بچوں کی پرورش کرتی ہے، ہمارے جانوروں کی خدمت کرتی، ہمارے گھر کی صفائی کرتی، ہمارے لئے کھانا پکاتی ہے وغیرہ، جب بیوی کے اتنے سارے احسانات ہم پر ہوں، اگر وہ کبھی ہم پر گرجتی برستی ہے تو برسنے دو، اس سے فرق کیا پڑتا ہے؟ (اخلاقنا الاجتماعی: ۹۰).

آپ ﷺ اپنی بزرگی اور عظمت کے باوجود بیویوں کے ساتھ نہایت ہی خوشگوار طور پر زندگی بسر فرماتے، ہنسی مذاق، کھیل کود میں بیویوں کو شریک فرماتے.

اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''ایک مرتبہ میں سفر میں آپ کے ہمراہ تھی، آپ نے قافلہ والوں کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، جب قافلہ آگے بڑھ گیا تو فرمایا: ''چلو ہم اور تم دوڑ لگاتے ہیں'' میں ہلکی پھلکی تھی، دوڑ میں آپ کو پیچھے چھوڑ دیا، پھر چند سالوں بعد جب میرا وزن کچھ بڑھ گیا، تو دوران سفر آپ ﷺ نے کاروان کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، پھر مجھ سے فرمایا: ''چلو دوڑ لگاتے ہیں'' اب کی بار آپ ﷺ مجھ سے آگے بڑھ گئے اور فرمایا: «هٰذِهِ بِتِلْكَ» ''میں نے پچھلا حساب چکا دیا'' (ابوداود، نسائی).

بیویوں کی حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ شوہر ان سے ان کی بچیوں کی شادی کے سلسلے میں مشورہ لے. آپ ﷺ نے حکم دیا: «آمِرُوا النِّسَاءَ فِي بَنَاتِهِنَّ» ''عورتوں سے ان کی بچیوں کے متعلق ان کی مرضی دریافت کرو'' (احمد، ابوداود) یعنی بچیوں کی کسی کے ساتھ منگنی کرنے سے پہلے ان سے اجازت لو.

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جیسے قانون اور انصاف کے معاملے میں سخت طبع حکمران بھی گھر میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ بالکل ہم آہنگ ہو جاتے. خود فرماتے ہیں: «يَنْبَغِي لِلرَّجُلِ أَنْ يَكُونَ فِي أَهْلِهِ كَالصَّبِيِّ، فَإِذَا كَانَ فِي الْقَوْمِ كَانَ رَجُلًا» ''آدمی کو اپنے گھر میں محبت اور نرمی میں بچے کی طرح ہونا چاہئے، جب لوگوں میں ہو تو مرد بن کر رہے'' (تربیۃ الأولاد في الإسلام: ۹۳).

آپ ﷺ اپنے گھر میں ایک عام انسان کی طرح زندگی بسر کرتے، عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''آپ ﷺ گھر میں وہ تمام کام کرتے جو تم میں سے ایک عام آدمی کرتا ہے، کوئی چیز ایک جگہ سے اٹھاتے اور دوسری جگہ پر رکھتے، گھر کے امور میں اپنی بیویوں کی مدد فرماتے، کپڑے سل دیتے، گوشت کاٹ کر دیتے، گھر میں جھاڑو دیتے، اور خادم کے کاموں میں اس کا ہاتھ بٹاتے'' (طبرانی).

یہ وہ مبنی بر انصاف حقوق ہیں جنہیں اسلام نے میاں بیوی دونوں پر عائد کئے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ جس معاشرے میں ان حقوق پر کما حقہ عمل ہو تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ معاشرہ انسانیت کا سب سے زیادہ سعادت مند، خوشگوار، محبت بھرا اور ہنستا کھیلتا معاشرہ ہوگا. اس معاشرے میں دشمنی، نفرت، حقارت، بیوی پر ظلم وزیادتی، گالی گلوچ، الزامات اور تہمتوں، طلاق اور خلع جیسی مکروہ چیزوں کو ہرگز ہرگز کوئی جگہ نہیں ملے گی.

باپ کی بدسلوکی:

بچوں کے انحراف میں باپ کی بدسلوکی کا بھی بڑا عمل دخل ہے، اگر باپ بُری عادتوں مثلاً شراب خوری، قمار بازی، جھگڑالو، بدزبان اور بات بات پر بچوں کو بُری طرح پیٹنے والا، انہیں مختلف ذریعوں سے ذلیل کرنے والا، ان کا مذاق اڑانے والا، ان کے خلاف غلط پروپگنڈہ کرنے والا اور ان کی عزت نفس کو خاک میں ملانے والا ہو، تو بچے بچپن میں تو باپ سے ڈرے سہمے رہتے ہیں لیکن جوان ہونے کے ساتھ ہی وہ باپ کے باغی بن کر اس کی ناقدری پر اتر آتے ہیں، باپ کے لئے ضروری ہے کہ اپنے بچوں کے ساتھ پیار محبت اور شفقت ومہربانی کا سلوک کرے، اگر کبھی کچھ ڈانٹ ڈپٹ اور ہلکی سی مار کی ضرورت بھی پیش آجائے تو تھوڑی دیر بعد اس سے محبت کا سلوک کرے، تاکہ بچے کے قلب وذہن میں یہ بات نہ بیٹھ جائے کہ میرا باپ ہمیشہ ہی مجھے مارتا ہے، والد کے لئے ضروری ہے کہ بچے اگر کبھی کچھ غلطی کرجائیں، یا شرارت کریں تو بجائے مارنے کے انہیں پیار ومحبت سے سمجھائے، اور ان کے عمل سے ہونے والے نقصان کی انہیں تفصیل بتائے، جب شرارتیں حد سے گزر جائیں تو نفسیاتی طور پر ان پر اثر ڈالے اور تھوڑی دیر کے لئے ایسا رخ اپنائے کہ انہیں احساس ہو کہ ہمارا والد ہم سے ناراض ہے. اور ان کی تربیت میں رحم دلی اور محبت کے ان تمام تقاضوں کو پورا کرے جن کا کہ ہم نے گزشتہ اوراق میں بالتفصیل ذکر کیا ہے، اگر پیار ومحبت کے اسلامی خطوط پر ان کی تربیت ہو تو ان سے ہم بجا یہ امید کرسکتے ہیں کہ وہ بڑھاپے میں والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں گے۔

ایک مرتبہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے یزید سے ناراض ہوگئے، پھر احنف بن قیس رضی اللہ عنہ سے، بچوں سے والد کے سلوک کے متعلق ان کی رائے دریافت کی، جواب میں انہوں نے کہلا بھیجا: «هُم ثِمارُ قُلُوبِنا، وعِمادُ ظُهُورِنا، ونَحنُ لَهُم أَرضٌ ذَلِيلَةٌ، وسَماءٌ ظَلِيلَةٌ، فإنْ طَلَبُوا فأَعْطِهِم، وإنْ غَضِبُوا فأَرْضِهِم، فإنَّهُم يَمْنَحُونَكَ وُدَّهُم، ويُحِبُّونَكَ جُهْدَهُم، ولا تَكُنْ عَلَيهِم ثَقِيلًا فيَمَلُّوا حَياتَكَ، ويَتَمَنَّوا وَفاتَكَ» ”اولاد ہمارے دل کے پھل ہیں، اور ہماری ریڑھ کی ہڈی ہیں، اور ہم ان کے لئے نرم زمین ہیں، اور سایہ فگن آسمان ہیں، اگر وہ کچھ طلب کریں تو آپ انہیں عطا کریں، اگر وہ ناراض ہوجائیں تو آپ انہیں راضی کریں، پھر وہ آپ پر اپنی محبت لٹائیں گے، اور اپنی محنتوں کا پھل آپ کو پیش کریں گے، آپ ان پر بوجھ نہ بنیں اس سے وہ آپ کی زندگی سے تنگ آجائیں گے اور آپ کے مرنے کی آرزو کریں گے“۔
(تربیۃ الأولاد فی الإسلام: ج ۱/ص ۱۰۱).

خاتمہ:

اس بات سے ہر خاص وعام واقف ہے کہ بچے قوم، ملّت اور ملک کے مستقبل ہیں، یہ وہ بیج ہیں جنہیں اگر زرخیز زمین میں بویا جائے، پھر اس کو تقوی اور ایمان کے پانی سے سیراب کیا جائے تو ہمیشہ اچھا پھل دیں گے. اگر بچوں کی تربیت کا گہرائی سے جائزہ لیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ تین ماحول ایسے ہیں جو انہیں اچھا یا بُرا بنانے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں، اور وہ ہیں: ۱- گھر ۲- تربیت گاہ ۳- معاشرہ.

ان تینوں اہم تربیتی ماحول کا پاکیزہ ہونا فرد کے اخلاق وکردار کی بھلائی کا ضامن ہے اور ان تینوں کا بُرا اور بگڑا ہوا ہونا فرد کے بگاڑ اور فساد کے لئے کافی ہے. اللہ تعالی نے شریعت اسلامیہ کو انسانیت کی فلاح و کامیابی کے لئے نازل فرمایا ہے، اسی لئے اس نے تربیت کے ان تینوں اہم مصادر کو ٹھیک رکھنے کے لئے ضروری ہدایات دی ہیں:

۱- گھر کے متعلق فرمایا: «ما مِنْ مَوْلُودٍ إلا يُولَدُ عَلى الفِطْرَةِ، فَأَبَواهُ يُهَوِّدانِهِ أوْ يُنَصِّرانِهِ، أوْ يُمَجِّسانِهِ» ”ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے، لیکن اس کے ماں باپ یا تو اسے یہودی، یا عیسائی، یا مجوسی بنادیتے ہیں“ (بخاری ومسلم).

نیز فرمایا: «مُرُوا أَوْلادَكُم بِالصَّلاةِ وَهُم أَبْناءُ سَبْعِ سِنِينَ واضْرِبُوهُم عَلَيها وَهُم أَبْناءُ عَشْرٍ، وَفَرِّقُوا في المَضاجِعِ» ”بچوں کو جب وہ سات سال کے ہوجائیں تو نماز پڑھنے کی تاکید کرو، اور جب دس سال کے ہوجائیں تو انہیں نماز نہ پڑھنے پر مارو اور ان کے بستروں کو جدا کردو“ (ابوداود، حسن).

گھر کا ماحول اسلامی ہے، والدین پابند شریعت ہیں تو امید کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کی دینی ماحول میں پرداخت کریں گے. اگر معاملہ برعکس ہے تو گھر کا غیر دینی اور فیشن زدہ ماحول اولاد کو راہ حق سے بھٹکانے کے لئے کافی ہے.

۲- گھر کے بعد بچے اپنا زیادہ وقت مدرسہ، سکول، کالج اور یونیورسٹی میں گزارتے ہیں یہاں پر آنے کے بعد بچوں کا مستقبل دو اہم رہنماؤں کے رحم وکرم پر ہوتا ہے:

(۱) استاد و مدرّس: ٹیچر اور استاد بچوں کی مقصدِ زندگی کا رُخ متعین کرتا ہے، اگر مدرس ذمہ دار اور بچوں کی تربیت میں مخلص ہے تو بچوں کی تعلیمی زندگی پر اس کے بڑے خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں.

اگر بدقسمتی سے استاد غیر ذمہ دار بلکہ بداخلاق ہو، تدریس کو بس کھانے کمانے کا ایک پیشہ سمجھتا ہو، جیسا کہ آج کل کالج اور یونیورسٹیوں کا ماحول ہے کہ پروفیسر اپنے شاگردوں کے ساتھ مل بیٹھ کر شراب نوشی کرتے ہوئے پکڑے گئے، تو ایسا مدرس بچوں کے بگاڑ میں اہم کردار ادا کرے گا.

(۲) تعلیم: کیونکہ تعلیم ہی بچوں کی معاشرتی زندگی کی رہنمائی کرتی ہے، اور تعلیم کے لئے ضروری ہے کہ وہ صحیح منہج اور فکرِ سلیم سے متصف ہو، اگر کوئی تعلیم ان اوصاف سے متصف نہیں تو پھر یہ بنی نوع انسانیت کے لئے زہر ہلاہل ہوگی.

غیر اسلامی افکار، ملحدانہ نظریات، اور مجنونانہ تھیوریوں سے جو تعلیم متعلق ہوگی وہ ''اے روشنی طبع تو بر من بلا شدی'' کے مصداق بچوں پر بلائے قہرمان ہوگی اور افسوس کہ آج اکثر حکومتوں کی تعلیم سرمایہ دارانہ نظریات، یا کمیونسٹ افکار، یا شوشلزم اور جمہوریت کی دعوت پر مشتمل ہے، اور ان تمام افکار ونظریات کا اسلام سے دور دور تک کا بھی کوئی واسطہ نہیں.

سرمایہ دارانہ نظریات بُخل وحرص پر مشتمل ہیں، جس میں ہر صحیح یا غلط طریقے سے دولت کا حصول ہی بنیادی حیثیت رکھتا ہے. کمیونزم اور اشتراکیت حسد وبغض پر مشتمل ہے، جس سے مالداروں اور غریبوں کے درمیان کشمکش کو ''جہاد'' کا درجہ حاصل ہے. جمہوریت میں قوم پرستی کو اوّلین مقام حاصل ہے، اندھی قوم پرستی جس میں سوائے اپنے تمام اقوام کو کمتر سمجھا جائے، فرد اور معاشرے میں تعصّب وتنگ نظری، ضد اور ہٹ دھرمی کو جنم دیتی ہے. اور ان تمام اصول ونظریات کو تاریخ اور انسانی معاشرے نے اپنے عمل سے رد کر دیا ہے.

اس لئے مسلم ماہرینِ تعلیم سے گزارش ہے کہ وہ اپنے مدارس، سکول وکالجوں کے لئے ایک خصوصی نصاب تعلیم ترتیب دیں، جس میں ان تمام گمراہ اور باطل نظریات کی حقیقت واضح کر کے اسلامی اصول ونظریات کے محاسن وخوبیوں کو بچوں کے دل ودماغ میں راسخ کریں.

۳- معاشرہ: معاشرے کی اصلاح کے لئے اسلام نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ﴾ (اے مسلمانو!) تم بہترین لوگ ہو، جو انسانوں کے لئے پیدا کئے گئے ہو، بھلائی کا حکم دیتے ہو، بُرائی سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو) [آلِ عمران: ۱۱۰].

جس معاشرے میں نیکیوں کا حکم اور برائیوں سے روکنا برابر جاری ہو تو اس معاشرے میں بُرے افراد اور سماج دشمن عناصر پنپ نہیں سکیں گے، نتیجے میں معاشرہ صالح ہوگا، بچوں کے لئے نیک ساتھی اور بھلائیوں پر تعاون کرنے والے دوست واحباب میسر آئیں گے، جن کی صحبت سے امید کی جاسکتی ہے کہ بچے نیک اور صالح ہوں گے. لیکن افسوس آج امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہ ہونے کی وجہ سے معاشرہ برائیوں سے بھر گیا، بُرے اور سماج دشمن عناصر غالب، اور نیک لوگ مغلوب ہوگئے ہیں، ایسے حالات میں والدین کا اوّلین فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے جگر کے ٹکڑوں کو ماحول ومعاشرے کے بُرے اثرات سے بچانے کی ممکن حد تک کوشش کریں.

والدین کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ اپنے گھر، اور بچوں کے سکول وکالج اور اپنے معاشرے کا جائزہ لیں، اگر یہ تینوں جگہیں ٹھیک ہیں تو اللہ تعالیٰ کا شُکر ادا کریں، اگر ان جگہوں میں گھر کا ماحول خراب ہے تو اپنے بچوں پر رحم کرتے ہوئے اسے دینی بنائیں، سکول وکالج کے ماحول کو ممکن ہو سکے تو سُدھاریں، ورنہ کسی دوسرے ایسے سکول یا کالج میں بچے کا داخلہ کرائیں جہاں کا ماحول بہتر ہو، اگر معاشرے کی اصلاح ممکن نہیں تو پھر اس برے معاشرے سے کسی نیک ماحول کی طرف نقل مکانی کریں، تا کہ آپ کے بچے غلط معاشرے سے لاحق ہونے والے نقصان سے بچ سکیں.

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کی اولاد کو نیک بنائے، ان سے ہمارے دل کو سکون اور آنکھوں کو ٹھنڈک عطا فرمائے، اور ان کے مستقبل کو تابناک بنائے. اور تمام کی بگڑی ہوئی اولاد کو راہ ہدایت عطا کر کے انہیں اپنے والدین کا مطیع وفرمان بردار بنائے.

﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾ ﴿رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ڰ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاۗءِ﴾ ﴿رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّىْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ ﴿وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ وصلّى الله وسلّم على نبيّنا محمد وعلى آله وأصحابه وأزواجه وأهل بيته أجمعين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

محمد انور محمد قاسم السّلفی
ص ب ۵۴۴۹۱ - جلیب الشیوخ - الکویت

۲۹/رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ مطابق ۴/۱۲/۲۰۰۲ء

فہرستِ مضامین

بحمد اللہ

مطابع الحميضي، هاتف: ٤٥٨١٠٠٠، فاكس: ٤٥٩٢٢١٧

یہ کتاب

۱- اَولاد کی تربیت مسلمان والدین کی دینی اور اجتماعی ذمہ داری ہے. قیامت کے دن ایک مسلمان سے جس طرح نماز اور دیگر فرائض وواجبات کے بارے میں پوچھا جائے گا اُسی طرح اس سے اس کی اولاد کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا.

۲- پاکیزہ اور صاف سوسائٹی اُسی وقت وجود میں آسکتی ہے کہ ہماری اَولاد اپنے نیک اور پاکیزہ کردار کی وجہ سے ہماری آنکھوں کا نور اور ہمارے دل کا حقیقی سرور بنیں.

۳- شیخ محمد انور سلفی نے اپنی اِس کتاب میں تربیتِ اولاد کے تمام ضروری گوشوں پر سیر حاصل بحث کی ہے، اور قرآن وسنت کی روشنی میں ہر موضوع کی خوب وضاحت کی ہے.

۴- ہم نے اِس کتاب کو صوری اور معنوی دونوں اعتبار سے عمدہ ترین بنانے کے لئے بڑی محنت کی ہے. اب یہ کتاب اپنے موضوع پر غایت درجہ نافع ومفید ہوگئی ہے.

۵- اللہ تعالیٰ اس قافلۂ قرآن وحدیث کو ہر آن اپنی منزل کی طرف رواں دواں رکھے. آمین.

ردمك: ٩٧٨-٦٠٣-٩٠٠١٣-٥-٥

مطابع الحميضي ت: ٤٥٨١٠٠٠ ف: ٤٥٩٢٢١٧ الرياض